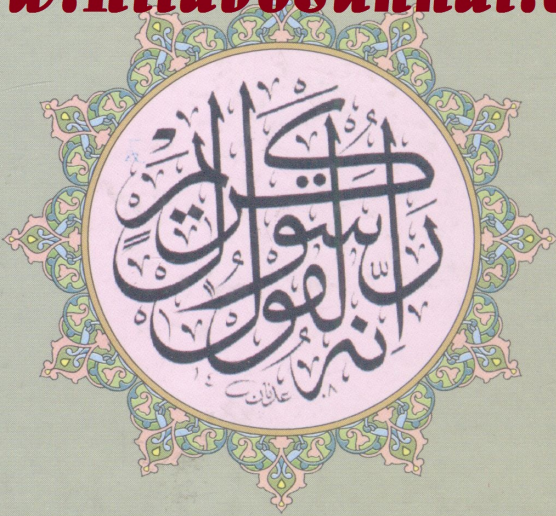


سیرت ایوارڈ یافتہ سات مقالات

تعلیماتِ نبوی ﷺ
اور
آج کے زندہ مسائل

www.KitaboSunnat.com



سید عزیز الرحمن





معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِيقِ الْإِسْلَامِيِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

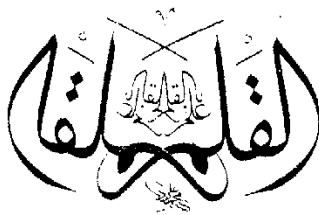
✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com



تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
آج کے زندہ مسائل

www.KitaboSunnat.com



وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (سبا: ۲۸)

تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آج کے زندہ مسائل

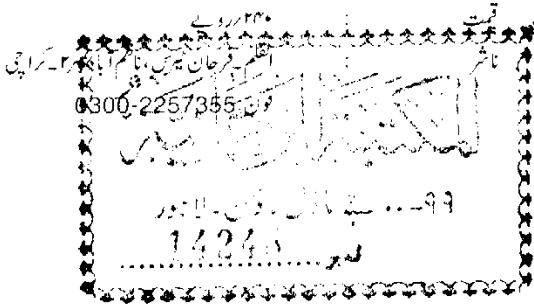
سید عزیز الرحمن



القلم۔ فرحان میسر، ناظم آباد نمبر ۲۔ کراچی۔ فون: 0300-2257355

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

تعلیمات نبوی ﷺ اور آج کے زندہ مسائل	:	نام کتاب
سید عزیز الرحمن	:	مؤلف
گیارہ سو	:	تعداد
ربیع الاول ۱۴۲۶ھ بمطابق مئی ۲۰۰۵ء	:	اشاعت اول
۳۱۶	:	صفحات



ملنے کے پتے

اردو بازار، کراچی	دارالاشاعت
اردو بازار، کراچی، فون: ۲۲۱۲۹۹۱	فضلی بک سپر مارکیٹ
نیو ٹاؤن، کراچی، فون: ۳۹۲۷۱۵۹	اسلامی کتب خانہ
گلشن اقبال، بالٹا قابل اثر ف المدرس، کراچی	بیت الکتب
اردو بازار کراچی، فون: ۲۲۱۰۲۱۲	ضیاء القرآن پبلی کیشنز
نزد صابری مسجد، گلستان کالونی مرزا آدم خان روڈ،	مکتبہ البخاری
لیاری، کراچی، فون: ۲۱۳۰۸۶۵-۳۰۰۰	
قاسم سینٹر، اردو بازار، کراچی، ۲۲۱۷۷۷۶	مکتبہ فیض القرآن
انقریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور، فون: ۷۲۲۸۴۲۲	مکتبہ سید احمد شہید
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، اردو بازار، لاہور، فون: ۷۳۲۰۳۱۸	کتاب سرائے
۱۹۰، تارکلی، لاہور، فون: ۷۳۳۳۹۹۱، ۷۳۵۳۳۵۵	ادارۃ اسلامیات
اردو بازار لاہور، فون: ۷۲۳۵۰۸۵	ضیاء القرآن پبلی کیشنز
نزد جامعہ خیر العلوم، فتح پور نامیوٹی، بھاولپور	مکتبہ القادر

فہرست

۱۵	انتساب
۱۷	پیش لفظ
۱۹	مقدمہ
۲۳	اسوۂ حسنہ انسانیت کا مستقبل
۲۸	تعارف
۳۴	پیش گفتار
	تعمیر شخصیت و فلاح انسانیت،
۳۷	اطاعت رسول ﷺ اور سیرت طیبہ کی روشنی میں
۳۹	اطاعت رسول ﷺ کی ضرورت و اہمیت
۴۲	اسوۂ رسول اللہ ﷺ کا تاریخی پہلو
۴۴	تمام کمالات کی جامع شخصیت
۴۵	حیات طیبہ کی جامعیت
۴۶	اسوۂ رسول ﷺ کی عملیت
۴۸	تعمیر شخصیت
۵۰	علم

۵۶	تزکیہ نفوس
۵۷	اخلاق
۶۳	اخوت و اتحاد
۶۶	صدق و امانت
۶۹	غفو و درگزر
۷۱	فلاح انسانیت
۷۳	اجتماعیت
۷۵	مشاورت
۷۶	تقیہ پسندی کی ممانعت
۷۷	انسداد رشوت
۷۷	نظام زکوٰۃ
۸۰	مساوات و اعتدال
۸۴	عدل و انصاف
۸۶	جزا و سزا
۸۹	صبر و استقامت
۹۱	فلاح عالم
۹۲	مسلمان کے حقوق
۹۳	والدین کے حقوق
۹۴	اولاد کے حقوق
۹۵	عورتوں کے حقوق
۹۶	ہمسائے کے حقوق
۹۶	مہمان کے حقوق

آج کے زندہ مسائل

۷

فہرست

۹۷	مزدوروں کے حقوق
۹۷	یتیموں کے حقوق
۹۸	خادموں کے حقوق
۹۹	حاجت مندوں کے حقوق
۹۹	مردوں کے حقوق
۱۰۰	حیوانوں کے حقوق
۱۰۲	خلاصہ کلام
-	استحکام پاکستان کے لئے بہترین رہنمائی
۱۰۳	سیرت طیبہ سے حاصل ہو سکتی ہے
۱۰۶	استحکام کیا ہے؟
۱۰۷	استحکام کی ضرورت و اہمیت
۱۰۹	استحکام کے لئے سیرت طیبہ سے راہنمائی
۱۱۱	اسلام کا نظام حکومت
۱۱۳	اسلامی نظام حکومت کی اساس
۱۱۴	حکومت، نعمت خداوندی
۱۱۶	خلافت یا بادشاہت
۱۱۷	امیر ریاست کے فرائض
۱۱۹	اعضائے حکومت
۱۱۹	مقتضیٰ
۱۲۱	عالمہ
۱۲۲	عدلیہ
۱۲۲	استحکام حکومت

۱۲۳	داخلی عوامل
۱۲۴	تعلیم
۱۲۴	اسلام میں تعلیم کا آغاز
۱۲۵	مفت تعلیم
۱۲۵	لازمی تعلیم
۱۲۶	خواتین کی تعلیم
۱۲۷	باہمی اتحاد اور تنازعات سے اجتناب
۱۳۰	نظام عدل و انصاف
۱۳۴	انسداد جرائم
۱۳۷	ملکی دفاع
۱۳۸	باغیوں کے خلاف جہاد
۱۳۹	جاسوسوں کی سرکوبی
۱۴۰	جہاد، اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے
۱۴۲	مساوات
۱۴۴	علاقائی عصیت
۱۴۶	حدود و تعزیرات
۱۴۸	انسداد رشوت
۱۵۰	اقلیتوں سے سلوک
۱۵۵	معاشی نظام
۱۵۸	خارجہ امور
۱۶۱	خلاصہ کلام

عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان

- ۱۶۳ اور تعلیمات نبوی ﷺ
- ۱۶۹ تقابلی مطالعہ کی ضرورت
- ۱۷۰ برداشت و تحمل کی تشریح
- ۱۷۱ تحمل و برداشت کا حکم قرآن حکیم میں
- ۱۷۳ آنحضرت ﷺ اور برداشت و تحمل
- ۱۷۵ تحمل و برداشت کے سلسلے میں آپ ﷺ کے اقدامات کا پس منظر
- ۱۷۹ مخالفین سے سلوک، مختلف مذاہب اور اقوام کی تعلیمات کا تقابلی مطالعہ
- ۱۷۹ ہندو تعلیمات
- ۱۸۱ یہودیت
- ۱۸۱ انگریز
- ۱۸۳ تعلیمات نبوی ﷺ
- ۱۸۵ مخالفین سے سلوک، عملی اقدامات کا تقابلی مطالعہ
- ۱۸۶ ہندومت اور برداشت و تحمل
- ۱۹۰ یہودیت اور عدم برداشت
- ۱۹۱ عیسائیت اور عدم برداشت
- ۱۹۳ انگریز اور برداشت و تحمل
- ۱۹۵ امریکہ، اور برداشت و تحمل
- ۱۹۵ اسلامی غزوات اور عالمی جنگوں کا تقابلی اعداد و شمار کے آئینے میں
- ۱۹۷ آنحضرت ﷺ اور برداشت و تحمل
- ۱۹۸ بددعا کے موقع پر بھی دعا
- ۱۹۸ قحط کے موقع پر مدد

آج کے زندہ مسائل

۱۰

فہرست

۱۹۹	فتح مکہ، قوت برداشت کا بے مثال مظاہرہ
۲۰۰	آنحضرت ﷺ کا برداشت و تحمل، غیر مسلم مفکرین کی نظر میں
۲۰۳	خلاصہ کلام
۲۰۵	بے لاگ احتساب سیرت طیبہ کی روشنی میں
۲۱۰	احتساب کی مفصل تشریح
۲۱۰	اغوی معنی
۲۱۱	موجودہ مفہوم
۲۱۲	موجودہ دور میں احتساب کی ضرورت
۲۱۳	احتساب کے اجزائے ترکیبی
۲۱۳	عدل
۲۱۷	شورائیت کے حکم پر عمل
۲۱۹	منصفانہ قوانین کا اجراء
۲۲۰	قوانین پر پایا تخصیص عمل درآمد
۲۲۱	اہل ودیانت و اراہل کاروں کا تقرر
۲۲۳	اقسام احتساب
۲۲۵	خود احتسابی
۲۲۸	اجتماعی احتساب
۲۲۹	اجتماعی احتساب کے مختلف پہلو
۲۲۹	حکمرانوں کا احتساب
۲۳۳	نوکر شاہی کا احتساب
۲۳۵	قانون نافذ کرنے والے اداروں کا احتساب
۲۳۶	نظام محصولات کا احتساب

آج کے زندگی و مسائل

فہرست

۲۳۸	این جی اوز کا احتساب
۲۴۰	معاشی معاملات کا احتساب
۲۴۲	احتساب کی درخشاں مثالیں
۲۴۴	اختتام
	پاکستان کے لئے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل،
۲۴۵	تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں
۲۴۹	علم
۲۵۲	تعلیم
۲۵۳	تعلیم کی اہمیت اسلام کی نظر میں
۲۵۵	تعلیم خود نقصود ہے
۲۵۶	تعلیم، بنیادی ضرورت
۲۵۷	تعلیم فرض ہے
۲۵۸	تعلیم، انسانی ترقی کا ذریعہ
۲۵۹	تعلیم، رفع درجات کا سبب
۲۵۹	تعلیم کی اہمیت، احادیث کی روشنی میں
۲۶۳	مقاصد تعلیم
۲۶۳	انسان کیا ہے؟
۲۶۸	مقاصد تعلیم
۲۶۸	معرفت و ہدایت الہی
۲۶۹	اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت
۲۶۹	قرآن و سنت کی صحیح فہم
۲۷۰	تکمیل حیات و تعمیر کردار

۲۷۰	علوم کا سرچشمہ
۲۷۱	معاشرتی تقاضوں کا فہم
۲۷۱	ضروریاتِ زندگی
۲۷۲	مقاصدِ تعلیم مشاہیر و ماہرینِ تعلیم کی نظر میں
۲۷۷	مقاصدِ تعلیم مغرب کی نظر میں
۲۷۹	اسلامی و مغربی افکار کا تقابل
۲۸۰	اسلامی نظامِ تعلیم کے بنیادی خدوخال
۲۸۰	لازمی و جبری تعلیم
۲۸۱	مفت تعلیم
۲۸۲	بچوں کی تعلیم
۲۸۳	معذوروں کی تعلیم
۲۸۴	خواتین کی تعلیم
۲۸۵	تعلیم بالغاں
۲۸۵	غیر مسلموں کی تعلیم
۲۸۶	تخصصات
۲۸۹	ہمارا موجودہ نظامِ تعلیم
۲۸۹	دینی تعلیم
۲۹۰	عصری تعلیم
۲۹۱	عمومی تجاویز برائے نصاب و نظامِ تعلیم
۲۹۳	مثالی اسلامی نظامِ تعلیم کے لئے عملی خاکہ

نئے عالمی نظام کی تشکیل اور امت مسلمہ کی ذمے داریاں،

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

۲۹۵

نیا عالمی نظام

۲۹۷

امریکہ یہودی شکنجے میں

۲۹۸

نئے عالمی نظام کی تشکیل

۳۰۱

نئے عالمی نظام کے بنیادی خدوخال

۳۰۲

نئے نظام کی بعض ترجیحات

۳۰۳

نیا عالمی نظام، بیانات کی روشنی میں

۳۰۵

امریکہ مسلم تعلقات

۳۰۷

سعودی عرب اور امریکہ

۳۰۷

افغانستان اور امریکہ

۳۰۹

پاکستان اور امریکہ

۳۱۲

۱۱ ستمبر کا واقعہ

۳۱۵

امن کی راہ میں اصل رکاوٹ

۳۱۶

نئے عالمی نظام کے مختلف پہلو

۳۱۷

عالمگیریت

۳۱۸ -

جمہوریت

۳۲۰

خاندانی منصوبہ بندی

۳۲۲

طاقت کا استعمال

۳۲۵

ٹیکنالوجی

۳۲۶

خواتین کی آزادی

۳۲۶

اباحت پسندی

۳۲۷

آج کے زندہ مسائل

۱۴

فہرست

۳۲۸	امت مسلمہ کی ذمہ داریاں
۳۲۸	دہشت گردی
۳۳۱	تہذیبی ٹکراؤ
۳۳۲	میڈیا کی یلغار
۳۳۳	دعوت اسلام
۳۳۴	مسلم ورلڈ آرڈر
۳۴۰	مسلم امہ کے لئے تجاویز
	عصر حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ
۳۴۳	تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں
۳۴۹	انتہا پسندی اور بنیاد پرستی
۳۵۲	انتہا پسندی اور اسلام
۳۵۴	مسلم مفکرین کے خیالات
۳۵۶	جہاد اور دہشت گردی
۳۶۰	مذہبی انتہا پسندی اقوام عالم میں
۳۶۹	فرقہ واریت
۳۷۷	فقہائے امت کی رواداری
۳۸۰	اسلام کی غیر مسلموں کے ساتھ رواداری
۳۸۷	مذہبی اعتدال پسندی اور رواداری کے بارے میں اسلام کے اقدامات
۳۹۹	اختتام

انتساب

دادا جان

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ

رحمة الله عليه

کے نام

تاریخ محمد ﷺ کا نشان کف پا ہے
یہ بات غلط ہے کہ قدم کچھ نہیں لکھتے

وقار جمیری

اک اسم محمد ﷺ کے سوا لوح ابد پر
دیوار و درِ بامِ حرم کچھ نہیں لکھتے

ابوالخیر کشفی

پیش لفظ

حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں مدظلہ ☆

باسمہ تعالیٰ حامداً و مصلياً

اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے ہمیں دو نعمتیں ایسی عطا فرمائی ہیں جن کی ازل سے ابد تک کوئی نظیر نہیں، ایک قرآن پاک اور دوسری سراپا قرآن یعنی حضور انور ﷺ کی ذات گرامی، جو خود قرآن کی تشریح و تفسیر ہے۔ اسی طرح قرآن پاک ”ہمہ قرآن در شان محمد“ کی تفصیل و تصویر ہے۔ اگر ہم ان دونوں روشن راستوں کو اختیار کر لیں تو گمراہی کا کوئی امکان نہیں۔ آج ہمارے درمیان جو زندہ مسائل ہیں وہ اسی لئے ہیں کہ ہم ان دونوں راستوں کو بالکل بھلا بیٹھے ہیں۔ حالانکہ سورۃ النساء میں صاف صاف فرمایا گیا ہے:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۖ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا

أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِیْظًا ۝ (النساء: ۸۰)

جس شخص نے رسول ﷺ کی اطاعت کی تو بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو ان کا نگراں بنا کر نہیں بھیجا۔

اس طرف ہمارے مولانا سید عزیز الرحمن صاحب نے بطور خاص توجہ دی ہے۔

مرشدی حضرت سید زوار حسین شاہ صاحب (م ۱۹۸۰ء) کے نبیرہ مولانا سید عزیز

الرحمن سلمہ اس عظیم خانوادے سے ہیں جو ہمہ وقت سیرت حضور انور ﷺ کی تفہیم و تشریح کے مبارک کام میں مصروف ہے۔ کئی سال سے ماشاء اللہ ہر سال سیرت کانفرنس میں اپنا تحقیقی مقالہ پیش کرنے کی سعادت سے مشرف ہو رہے ہیں۔ السیرہ عالمی کے نام سے اس موضوع پر تحقیقی مجلے کے نائب مدیر بھی ہیں۔

اب الحمد للہ ان مقالات کو ”تعلیمات نبوی ﷺ اور آج کے زندہ مسائل“ کے عنوان سے مجتمع و شائع کر رہے ہیں تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہو سکیں۔

مولانا سید عزیز الرحمن سلمہ اس ماحول کے پروردہ ہیں کہ انہوں نے سیرت مبارکہ کو بالخصوص اپنا موضوع مطالعہ رکھا ہے۔ اس کام کا اصل انعام تو انہیں حضور انور ﷺ کے صدقے میں اللہ پاک ہی عطا فرمائیں گے۔ لیکن دنیا میں بھی ان کے نام اور کام کو جو اعتراف فضیلت حاصل ہے وہ کسی انعام سے کم نہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ پاک ان کی محنت کو قبول فرمائے اور ان کو بیش از بیش انعامات اور فلاح داریں سے نوازے۔ آمین

غلام مصطفیٰ خاں

مقدمہ

ڈاکٹر محمود احمد غازی ☆

بیسویں صدی عیسوی کئی پہلوؤں سے دنیائے اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور اسلامی علوم و فنون میں تجدید و احیا کا دور ہے۔ اس صدی میں دنیائے اسلام کے مختلف علاقوں میں آزادی و استقلال کی کامیاب اور مؤثر تحریکیں چلیں۔ یہ تحریکیں جو انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک ہر علاقے میں یکساں قوت کے ساتھ اٹھیں، نہ صرف دنیائے اسلام کی سیاسی آزادی کے لیے کوشاں تھیں، بلکہ ان کا ایک اہم مقصد اسلامی اقدار کا احیا، مسلمانوں کی روایات کا تحفظ اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی نشاۃ ثانیہ بھی تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ بیسویں صدی کی وہی تحریکات آزادی کامیابی سے ہم کنار ہوئیں، جنہوں نے امت مسلمہ کی اخلاقی اقدار اور روحانی روایات کے احیا اور دینی تشخص کو اپنے پروگرام میں اہم مقام عطا کیا۔ اس کے برعکس وہ تحریکات بہت جلد طاق نسیاں کا شکار ہو گئیں، جن کے ایجنڈے میں مسلمانوں کی دینی اقدار کا تحفظ اور علمی نشاۃ ثانیہ کا ہدف نمایاں حیثیت نہ رکھتا تھا۔ خود تحریک پاکستان اس کی نمایاں مثال ہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ ۱۹۰۶ء سے برصغیر میں سرگرم عمل تھی۔ لیکن عامۃ الناس کی سطح پر اس کو اس وقت تک کوئی پذیرائی حاصل نہ ہو سکی جب تک اس نے ملت مسلمہ کے احیاء، ملی اقدار کے تحفظ اور اسلامی خطوط پر برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک جداگانہ وطن اور ایک اسلامی ریاست کی تشکیل کے ہدف کو نہیں اپنایا۔ یہ بات تحریک پاکستان کے طلباء کی نظروں سے بالخصوص اور اہل پاکستان کی نظروں سے بالعموم اوجھل نہیں ہونی چاہیے کہ تحریک پاکستان کی روح اور جذبہ محرکہ خالصتاً دینی اور نہ ہی تہ۔ برصغیر

بلا صدر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

کے مسلمانوں نے تن، من اور دھن سے قائد اعظم محمد علی جناح کا ساتھ دینے کا فیصلہ اسی وقت کیا جب انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک ایسے وطن کی تشکیل کا ہدف اپنایا، جہاں اسلامی قوانین اور اسلامی اقدار کی بنیاد پر ریاست و سیاست، تعلیم و ثقافت، معیشت و تجارت اور تہذیب و تمدن کا نظام اپنایا جانا تھا۔

تحریک پاکستان بظاہر تو ایک ایسی تحریک تھی، لیکن اس کی پشت پر حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے لے کر بے شمار دینی اور ملی اکابر کی آہیائی اور تجدیدی فکر کا رفرما تھی۔ دو قومی نظریہ جس نے تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہم کنار کیا انہیں شخصیتوں کے علمی اور دینی کام کا مرہون منت تھا۔ ان حضرات نے برصغیر کے مسلمانوں کی جو ذہنی تشکیل کی تھی اس کی بنیاد ملی شعور، دینی احساس اور اسلامی تشخص پر تھی۔ یہ چیز برصغیر کے مسلمانوں کی نفسیات کا ایک اہم حصہ رہی ہے۔

تشکیل پاکستان کے بعد اگرچہ ہماری ملٹی کارکردگی زیادہ حوصلہ افزا نہیں رہی، تاہم متعدد پہلوؤں سے بعض حوصلہ افزا کام بھی ہوئے۔ بیسویں صدی کے نصف سے نہ صرف پاکستان اور برصغیر میں بلکہ دنیائے اسلام کے مختلف علاقوں میں ایک وسیع علمی اور تصنیفی سرگرمی کا آغاز ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بیسویں صدی کے بڑے بڑے مسلم مفکرین اور دانشوروں نے اسلامی علوم و فنون کے مطالعے کا ایک نیا انداز اپنایا۔ اس دور میں تفسیر و حدیث اور سیرت و فقہ جیسے خالص دینی علوم سے لے کر دوسرے تمام علوم و فنون تک دنیائے اسلام میں نئے نئے اور انتہائی مفید رجحانات سامنے آئے۔ مسلمان اہل علم نے اپنے تمام روایتی علوم و فنون کی تدوین نو کے عظیم الشان عمل کا آغاز کیا۔ فقہ اسلامی پر نئے انداز اور نئے اسلوب کی سینکڑوں بلکہ ہزاروں کتابیں لکھی گئیں، جن کا مقصد فقہ اسلامی کی تشکیل نو اور تدوین جدید کے ساتھ ساتھ اس کو دور جدید کے ماہرین قانون کے لیے دستیاب اور سہل الحصول بنانا تھا۔ تشکیل جدید اور تدوین نو کی یہ مساعی علم فقہ، علم کلام، علم تفسیر، علم حدیث اور دوسرے متعدد علوم میں نمایاں ہیں۔

علم سیرت بھی بیسویں صدی کے اوائل سے نئے اسلوب میں سامنے آنا شروع ہوا

ہے، بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ بیسویں صدی کا آغاز علم سیرت میں ایک نئے دور کا آغاز تھا۔ مغربی مستشرقین اور ان سے متاثر لوگوں نے انیسویں صدی کے دوران سیرت پاک کے چشمہ صافی کو گدلا کرنے کی جو سعی نامشکور کی تھی، اس کا جواب مسلمان اہل علم نے انیسویں صدی کے اواخر سے دینا شروع کر دیا تھا۔ سرسید احمد خان کی خطبات احمدیہ، قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کی رحمۃ اللعالمین، اور شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی کی سیرت النبیؐ اپنے اپنے انداز میں علوم سیرت کی تشکیل جدید کی کامیاب کوششیں قرار دی جاسکتی ہیں۔ بیسویں صدی کا نصف آخر مجدد علوم سیرت ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا دور ہے۔ انہوں نے علوم سیرت کو جن نئی نئی جہتوں نے روشناس کرایا وہ تاریخ علم سیرت کا ایک نیا، منفرد اور نہایت درخشاں باب ہے۔

پاکستان میں مطالعہ سیرت کا نیا دور یوں تو قیام پاکستان کے بعد سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ متعدد اہل علم نے سیرت پر اردو اور انگریزی میں نئے نئے انداز سے بہت سی کتابیں لکھی تھیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مطالعہ سیرت کی نئی نئی جہتیں سامنے آرہی ہیں۔ مطالعہ سیرت کو مہمیز دینے میں بہت سے عوامل نے حصہ لیا ہے۔ ان میں ایک اہم کردار نامور علمائے سیرت کے کوششوں کے ساتھ ساتھ بہت سے سرکاری اور نیم سرکاری اداروں کی کاوشوں کا بھی ہے۔ یہ ادارے جو پاکستان میں سیرت کے کام کو آگے بڑھانے میں مؤثر کام کر رہے ہیں تاریخ علم سیرت میں ان شاء اللہ یاد رکھے جائیں گے۔ اس میں وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، پاکستانی جامعات کے شعبہ ہائے تدریس اور متعدد غیر سرکاری ادارے شامل ہیں۔

یہ شرف بھی خالق کائنات نے اہل پاکستان کے حصے میں رکھا تھا کہ یہاں صرف مطالعہ سیرت کے لیے ادارے بھی قائم ہوئے، اور صرف سیرت کے بارے میں تحقیقات کی نشر و اشاعت کے لیے مستقل بالذات رسائل بھی شائع ہوئے۔ ان مستقل بالذات رسائل میں کراچی کا شہابی رسالہ ”السیرۃ عالمی“ بھی شامل ہے۔ اس رسالے نے بہت جلد علمی دنیا میں ایک اہم مقام حاصل کر لیا ہے۔ رسالے کے روح رواں اس کتاب کے فاضل مصنف اور نوجوان محقق مولانا سید عزیز الرحمن ہیں، جنہوں نے نہ صرف اس رسالے کے نائب مدیر کی حیثیت سے بلکہ

ایک محقق سیرت کے طور پر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ انہوں نے تعلیمات نبوی کو ایک نئے انداز میں پیش کر کے ادبیات سیرت میں وقیع اضافہ کیا ہے۔ مصنف اپنی حمیت دینی، شرافت شخصی، نجابت خاندانی اور تعمق علمی کے ساتھ ساتھ ایک ادیبانہ طرز تحریر کے مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو سلاست لسانی اور روانی قلم کی دولت سے نوازا ہے۔

زیر نظر کتاب ان کے سات عالمانہ اور محققانہ مقالات کا مجموعہ ہے۔ یہ وہ مقالات ہیں جو وزارت مذہبی امور کے تحت منعقد ہونے والی سالانہ قومی سیرت کانفرنسوں میں پیش کیے گئے۔ یہ سب مقالات قبل ازیں ملک کے علمی رسائل و جرائد میں شائع ہو کر مقبول و معروف ہو چکے ہیں۔ یہ مقالات قومی سطح پر انعامات کے مستحق بھی قرار دیے گئے۔

طلبائے سیرت مولانا سید عزیز الرحمن کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ان سب مقالات کو کتابی شکل میں یکجا کر کے اہل علم کے لیے دستیاب کر دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان کی یہ کتاب نہ صرف علوم اسلامیہ کے طلباء اور اساتذہ کے لیے بلکہ عام تعلیم یافتہ قارئین کے لیے بھی مفید اور دلچسپ کتاب ثابت ہوگی۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اس کتاب کو مقبول اور نافع بنائے۔

محمود احمد غازی

اسلام آباد

۲۶ ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ

اسوۂ حسنہ۔ انسانیت کا مستقبل

سیرت النبی ﷺ پر ایک رہنما کتاب

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

دنیاۓ اسلام کے رہبروں کے بیانات کو غور سے پڑھئے تو وہ سب صیغہ مستقبل میں باتیں کرتے نظر آتے ہیں، ہمارا مستقبل شاندار ہے، ہم دشمنوں کو ناکام بنادیں گے، ہماری صفوں میں اتحاد ہوگا، وغیرہ وغیرہ۔ ان حضرات نے زمانہ حال، اس کے تقاضوں اور اس کی کامرانیوں کو غیروں کے سپرد کر دیا ہے، اس انداز فکر کے متعلق یہی کہا جاسکتا ہے۔

وہ قوم نہیں لائق ہنگامہ فردا

جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

مستقبل کا درخت بھی ماضی کی زمین پر حال کے بیج سے اگتا اور پروان چڑھتا ہے۔

زیر نظر کتاب مسائل امروز سے متعلق ہے، اور وہ بھی ایک ابدی حوالے سے، یہ ابدی حوالہ بادی نوع بشر محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ، تعلیمات اور اسوۂ حسنہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے وجود مبارک نے ان کے عہد کو خیر القرون بنایا۔ اور اسی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جیسے تمام آنے والے زمانے اس عہد میں اکٹھے ہو گئے۔ انسانی زندگی کے کسی امکان کے بارے میں غور کیجئے، کسی صورت حال کے بارے میں غور کیجئے تو وہ اسی زمانے میں نظر آجائے گی، اللہ تعالیٰ نے تمام زمانوں کو اس ایک عہد میں سمیٹ دیا۔ یہی وہ نکتہ ہے، جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کس طرح آپ ﷺ کی سیرت مبارک تمام انسانی مسائل پر منطبق کی جاسکتی ہے۔

آج کے زندہ مسائل _____ میرت النبی پر ایک رہنما کتاب

اس مجموعے کا پہلا مضمون (میری ترتیب کے مطابق) جس سے میں اپنی گفتگو کا آغاز کرنا چاہتا ہوں، ”نئے عالمی نظام کی تشکیل“ ہے، قرآن مجید کا ارشاد ہے:

نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا (۱)

اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے کناروں سے سمیٹ رہا ہے۔ اس عمل میں دوسروں کی سازشیں عین مقصد خداوندی کے مطابق ہیں، زمین سمٹی جا رہی ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کمذمین کا انجام انہی کے ہاتھوں کرے، نئے عالمی نظام کی تشکیل اسی سمت ایک قدم ہے۔ عزیز الرحمن صاحب نے تاریخی تناظر میں یہ بات واضح کر دی ہے کہ یہ ماضی قریب کی داستان نہیں ہے، بلکہ اس نئے عالمی نظام کی تشکیل کا ابتدائی نقش ۱۹۱۷ء میں قائم ہوا۔ اس عالمی صورت حال کو دوسرے لفظوں میں صہیونی اثر و نفوذ کی کاوش قرار دیا جاسکتا ہے، پچھلی صدی کے آغاز سے فرنگ کی رگ جان پنجہ یہود میں ہے، یہ عالمی نظام اللہ اور اس کی منشا سے جنگ کے مترادف ہے، منشا خداوندی یہی ہے کہ اسلام تمام ادیان پر غالب آکر رہے گا، خواہ یہ بات مشرکین پر کیسی ہی گراں گزرے، اور اس ربانی پیش گوئی کے پورا ہونے کے لئے اہل ایمان سے کہا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ رکھو، کیوں کہ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں، (۲) اس عالمی نظام کے جو پہلو ہم پر واضح ہو رہے ہیں، ان میں سے پہلا گلوبلائزیشن کرۂ ارض پر تسلط ہے، یہ تسلط ابلاغ عامہ، مالیات اور ثقافت پر تسلط کے مجموعے کا نام ہے۔

عزیز الرحمن صاحب نے اعداد و شمار کے ذریعے ان مختلف پہلوؤں پر صہیونی تسلط کو پیش کیا ہے، اور اس پس منظر کو اجالنے کے بعد امریہ مسلمہ کو اس کی ذمے داریاں یاد دلائی ہیں، ان ذمے داریوں میں سے پہلی ذمے داری یہ ہے کہ

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر با او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

مصطفیٰ ﷺ تک پہنچنے کا پہلا قدم یہ ہے کہ ہمارے اعمال و افعال وقت کے تقاضوں

کے تابع نہ ہوں، بلکہ اسوۂ حسنہ کے تابع ہوں، یہی مسلمان کی باز آفرینی کا نسخہ ہے، یوں ہی

سیرت النبی پر ایک رہنما کتاب
مسلمان اس نام نہاد عالمی نظام کے تار و پود کو بکھیر سکتا ہے، اور انسان کو انسان کی غلامی سے نجات
دلا سکتا ہے۔

اس مجموعے کا دوسرا مضمون ”عہد حاضر میں مذہبی انتہائی پسندی کا رجحان اور تعلیمات
نبوی ﷺ کی روشنی میں اس کا خاتمہ“ اسی تصویر کے ایک پہلو کی تفصیل ہے، یہ مذہبی انتہا پسندی
نے عالمی نظام کی انتہا پسندی سے پیدا ہوئی ہے، جس کے تحت امریکہ دنیا کی واحد طاقت بن کر
سامنے آیا ہے، اور جس کے نتیجے میں مغربی لبرل ازم اور مغربی جمہوریت کے سائے دنیا پر پھیل
گئے۔ امریکہ کی بالادستی اس کے طرز فکر اور طرز حکومت کی بالادستی ہے، اسی بالادستی نے دوسرے
نظاموں کے ماننے والوں کے درمیان مایوسی پیدا کر دی ہے، مایوس آدمی کا کوئی مستقبل نہیں ہوتا،
اسی لئے وہ امید سے محروم ہوتا ہے اور جہاں امید نہ ہو وہاں زندگی کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔
جس کے نتیجے میں تشدد پیدا ہوتا ہے، یہ بنیاد پرستی درحقیقت عالمی نظام کی بنیاد ہے، جس نے ایک
بنیاد پرستانہ یہودیت کو جنم دیا ہے، بنیاد پرستانہ یہودیت ہی عالمی امن کے لئے خطرہ ہے، اور یہ
خطرہ اب مغربی پٹی اور غزہ کی حد و کو پھیلاندا ہوا ساری دنیا کے لئے مسئلہ بن چکا ہے، جس کی تباہ
کاریاں عراق کے ریگستانوں اور افغانستان کے پہاڑوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اس انتہا پسندی کی نفی ہی نہیں کرتیں بلکہ اس
کی جڑ کاٹ دیتی ہیں، ان تعلیمات کے تحت انسان کو مذہبی اور فکری آزادی نصیب ہوتی ہے، اور
سب سے بڑھ کر یہ تعلیمات وحدت آدم اور احترام آدم کی بنیادیں ہیں، وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ
(۳) کی آواز پندرہ صدیوں سے عظمت انسان کا اعلان ہے، صدیوں کے خسران کے بعد
انسانیت اب وحدت اقوام کی منزل تک آئی ہے، جب کہ اسلام وحدت آدم کا نقیب ہے، اس نکتے
کو سمجھ لیا جائے تو ہر قسم کی انتہا پسندی اور تفریق ختم ہو جاتی ہے، اقبال کے الفاظ میں:

کے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام

جمعیت اقوام کے جمعیت آدم؟

خاک جنیوا کی جگہ جب نیویارک نے لے لی تو جمعیت آدم کی منزل اور دور ہو گئی، لیکن

(۳) بنی اسرائیل: ۷۰

آج کے زندہ مسائل

سیرت النبی پر ایک رہنما کتاب

بہر حال طوعاً او کرہاً دنیا کو اپنے رب کی منشا کی طرف لوٹنا ہی پڑے گا۔ تعلیمات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اسی منشا کی تکمیل کا راستہ ہے۔

عدم برداشت کے رجحان کا اس سے بڑا مظہر اور کیا ہو سکتا ہے کہ جمہوریت کو قبول کرنے کے لئے ایک لاکھ سے زیادہ عراقیوں کو زمین کا پیوند بنا دیا گیا، اور جمہوریت کی صبح انتخابات کے موقع پر شہروں میں کرفیو کے ساتھ طلوع ہوئی، ایک ہزار سے زیادہ امریکی سپاہیوں کا مارا جانا بظاہر ایک لاکھ عراقیوں کی موت کے سامنے معمولی نظر آتا ہے، لیکن یہ ارض فولاد میں زلزلے سے کم نہیں، اور یہ زلزلہ فکری ہے، جس سے عدم برداشت کے اس امریکی رجحان کا خاتمہ ممکن ہو سکے گا، جسے انسانیت کی فلاح قرار دیا جا رہا ہے۔ عجیب بات ہے کہ فوج کشی کو انسانیت کی فلاح قرار دیا گیا ہے، جمہوریت بھی ایک دین ہے، اور محمد عربی ﷺ کا پیغام ہے کہ لَا اِكْرَاهَ فِى الدِّينِ (۴) یہی پیغام عدم برداشت کا علاج ہے، عزیز الرحمن نے نہایت تفصیل اور منطقی ترتیب اور تاریخی تناظر کے ساتھ عدم برداشت کا علاج تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں پیش کیا ہے۔

ان مقالوں کے بعد جو دوسرے مقالے ہیں وہ صرف موجودہ مسائل سے متعلق نہیں، بلکہ انسانی معاشرے کی بنیادی ضروریات، انسانی شخصیت کے عناصر ترکیبی اور انسان کی رہنمائی سے متعلق ہیں، یہ مسائل عصری بھی ہیں اور آفاقی بھی، اس مجموعے کے باقی مضامین عصری ہوتے ہوئے بھی آفاقی ہیں، یہ تعمیر شخصیت، انسان کے مجموعی رویے اور تعلیمی نظام کے بارے میں ہیں، شخصیت کی تعمیر کے لئے ایک مثال اور معیار کی ضرورت ہے۔ ایک ایسے نمونے کی جس کے مطابق انسان اپنے آپ کو ڈھال سکے، آج کی زبان میں رول ماڈل کہہ لیجئے، جب انبیائے کرام علیہم السلام کو ہر دور میں مسلم اول قرار دیا گیا، تو اس طرف اشارہ تھا کہ مسلم اول تمام مسلمانوں کے لئے رول ماڈل ہوگا، نبی اکرم ﷺ کا دور ان نبوی سے لے کر قیام قیامت تک کا دور ہے، اور اس طویل عرصے میں انسانوں کے لئے اطاعت رسول ﷺ کی عملی ضرورت ہے، یہ بات محض عقیدے تک محدود نہیں، بلکہ انسان کی ضرورت ہے، جسے دین کی اصطلاح میں یوں کہہ لیجئے کہ

آج کے زندہ مسائل سیرت النبی پر ایک رہنما کتاب

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۵)

یعنی رسول کی زندگی تمہارے لئے رول ماڈل ہے، اصطلاحات بدلتی جائیں گی، اصطلاحات کا غلبہ ہوتا جائے گا اور ان تمام اصطلاحات کے درمیان یہ دائمی اصطلاح قائم رہے گی، اسوۂ حسنہ۔

یہ کتاب ایک بڑی حقیقت کی امانت دار ہے، اور اسی سے انسانیت کی فلاح وابستہ ہے، جب انسانیت کا مستقبل سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ سے وابستہ ہے تو ظاہر ہے کہ استحکام پاکستان کا رشتہ بھی اسی سے قائم ہے۔ آج پاکستان کی اجتماعی زندگی پر نظر ڈالئے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ ہمارا مسئلہ نہ سیاست ہے، نہ معیشت ہے، بلکہ کردار ہے۔ آج پوری قوم بلکہ دنیا بھر کا کردار سے گزر رہی ہے، ایک اخلاقی بحران جو کردار اور سیرت کے بحران سے پیدا ہوا ہے، اس کا علاج اس نظام تعلیم کے اجرا پر منحصر ہے، جو تعلیمات نبوی ﷺ کے مطابق ہو، وہ نظام تعلیم جو انسانوں میں خشیت الہی پیدا کرے، یہی خشیت الہی علم کی شناخت اور عالم کی پہچان ہے، اسی سے اشیا کا ادراک ہوتا ہے، ایک کلی ادراک، جس سے کائنات کی تفہیم بھی ہوتی ہے، مقصد تخلیق کائنات کی تفہیم بھی ہوتی ہے اور جس سے انسان کو کائنات میں اپنی حیثیت کا علم ہوتا ہے۔

اس کتاب میں یہی اہم مضامین سیرت کے حوالے سے آپ کی خدمت میں پیش کئے گئے ہیں، آپ یقیناً اس کتاب کو ایک خیال افروز اور خیال افزا کتاب پائیں گے۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی اس صبح کی نوید اور اشارہ ہے، جس کی تقدیر میں غروب نہیں ہے۔

السلام صلی علی محمد وال محمد

ابوالخیر کشفی

تعارف

پروفیسر عبدالجبار شاہ

الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على اشرف
المرسلين و خاتم النبيين والعاقبة للمتقين

اس روئے ارض پر انسانی ہدایت کے لئے حق تعالیٰ نے جن برگزیدہ بندوں کو منتخب فرمایا، ہم انہیں انبیاء و رسل علیہم السلام کی مقدس اصطلاح سے یاد کرتے ہیں، اس کائنات کے انسانِ اول اور پیغمبرِ اول ایک ہی شخصیت حضرت آدم علیہ السلام کی صورت میں فریضہ ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے، اور پھر یہ کاروانِ رسالت مختلف صدیوں اور مختلف علاقوں میں انسانی ہدایت کے فریضے کو ادا کرتے ہوئے پاکیزہ سیرتوں کی ایک کہکشاں ہمارے سامنے منور کر دیتا ہے۔

درخشندگی اور تابندگی کے اس ماحول میں ایک شخصیت خورشید جہاں تاب کی صورت زمانے اور زمین کی ظلمتوں کو مٹانے اور انسان کے لئے ہدایت کا آخری پیغام لے کر مبعوث ہوئی، جسے محمد رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں۔ آج انسانیت کے پاس آسمانی ہدایت کا یہی ایک نمونہ باقی ہے، جسے قرآن مجید نے اسوۂ حسنہ قرار دیا اور اس اسوۂ حسنہ کے حامل کی سیرت سراج منیر بن کر ظلمت کدہ عالم میں روشنی پھیلا رہی ہے۔ گزشتہ چودہ صدیوں میں اس ہادیِ کامل ﷺ کی سیرت و صورت پر ہزاروں کتابیں اور لاکھوں مضامین لکھے جا چکے ہیں اور یہ سلسلہ خیر ہنوز روزِ اول کی طرح جاری و ساری ہے۔

۱۵ ذی الحجۃ ۱۴۲۸ھ، لاہور

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدا و انتہا تو خود قرآن مجید کے متن میں تمام و کمال جھلکتی ہے، مگر آپ کے تابع فرمانوں اور متبعین نے بھی اس سیرت کو علمی اور عملی اعتبار سے محفوظ رکھنے کے لئے عقیدت و ارادت کا ایک عجیب جہاں آباد کیا ہے۔ سیرت نگاری کے فن کے ارتقا پر ایک نگاہ ڈالیں تو اس کے ابتدائی سرمائے میں ائمہ محدثین کے علاوہ مغازی نگاروں کا ایک طویل سلسلہ دکھائی دیتا ہے، عروہ بن زبیر، ابن اسحق، ابن ہشام اور واقدی جیسے مغازی نگاروں نے تمام تر لوازم جمع کر دیا، جسے درایت سیرت کی روشنی میں بعد میں آنے والے سیرت نگاروں نے اپنے موضوعات کے لئے منتخب اور استعمال کیا، اور اب مغازی، دلائل، شمائل، کتب تاریخ، تفسیر، آثار و اخبار، انساب، جغرافیہ، عرب، تاریخ الحرمین الشریفین اور متنوع نثری و شعری اصناف میں یہ ذخیرہ سیرت ارباب علم اور صاحبان تحقیق کے پاس موجود ہے۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی کتابیں عربی زبان میں لکھی گئیں، پھر فارسی اور دیگر زبانوں میں یہ باب سعادت کھلا، مگر اس ضمن میں جو ذخیرہ سیرت اردو زبان میں لکھا اور پیش کیا گیا اس کی مثال اور نظیر عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں دکھائی نہیں دیتی، اردو زبان میں سیرت کی بعض اہمات الکتب ایسی ہیں کہ جن کی نظیر خود عربی زبان کے ذخیرے میں مفقود ہے، راقم الحروف کے شخصی ذخیرے بیت الحکمت میں سیرت کا جو گنجینہ موجود ہے وہ دنیا کی اٹھارہ زبانوں میں چار ہزار سے متجاوز کتب و جرائد پر مشتمل ہے۔ گزشتہ تین صدیوں میں اردو زبان میں تقریباً دو ہزار کے قریب کتب سیرت نظم و نثر کی صورت میں لکھی گئی ہیں، جن کا تذکرہ متعدد کتابیات کے اوراق میں کیا گیا ہے، بیسویں صدی کے آغاز میں اردو سیرت نگاری اپنے کمال کو چھو رہی تھی۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی نے سیرت نگاری کے جس منہج کو قائم کیا، اس کے تتبع میں سیکڑوں کتابیں سامنے آئیں، اسی بیسویں صدی کے نصف آخر میں پہلی مرتبہ سیرت کو موضوعاتی ترتیب سے لکھا جانے لگا۔

پندرھویں صدی ہجری کے آغاز پر اس کے استقبال کے لئے جو متعدد اور متنوع ادارے وجود میں آئے انہوں نے جہاں معارف پروری کے بہت سے کام شروع کئے، وہاں نجی

آج کے زندہ مسائل

تعارف

اور حکومتی سطح پر بھی بہت سے مفید اور موثر اقدامات کئے گئے، ایسے ہی اقدامات میں سے ایک مثبت کوشش وفاقی سطح پر وزارت مذہبی امور کی جانب سے سامنے آئی کہ انہوں نے ہر سال سیرت کا ایک ندوہ منعقد کرنے کا ڈول ڈالا، اور اس میں کسی ایک خاص موضوع پر اہل علم کو مقالات سیرت لکھنے کی دعوت دی، جس کے نتیجے میں بیسیوں موضوعات پر سیکڑوں مقالات لکھے گئے، اس عملی کوشش سے بہت سی علمی اور تحقیقی کاوشیں منظر عام پر آئیں، جن میں سے ایک وقیع اور لائق قدر مساعی محترم سید عزیز الرحمن کے ہاتھوں انجام پائی۔

سید عزیز الرحمن ایک علمی اور دینی خاندان کے چشم و چراغ ہیں، ان کے خاندان میں علم و معرفت اور تزکیہ و سلوک کی ایک محکم روایت موجود رہی ہے، ان کے والد گرامی سید فضل الرحمن حفظہ اللہ تعالیٰ خود ایک نامور عالم دین اور محقق شہیر ہیں، ان کے قلم سے جہاں بہت سی مفید اور نافع تحریریں نکلی ہیں، ان میں فن سیرت پر دو کتابیں بادیٰ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور فرہنگ سیرت کے عنوان سے شائع ہو چکی ہیں، ان میں سے ثانی الذکر تو اپنے فن پر اردو زبان میں اولیت کا درجہ رکھتی ہے اور سیرت میں ایک مستند حوالے کا اعزاز رکھتی ہے۔ سید فضل الرحمن صاحب اور ان کے ہونہار اور صاحب علم فرزند سید عزیز الرحمن گذشتہ چھ سال سے السیرہ عالمی کے عنوان سے ایک ششماہی جریدہ سیرت کے حوالے سے نکال رہے ہیں، جو برصغیر میں اردو زبان کے حوالے سے اپنی نظیر اور اپنی مثال آپ ہے۔

سید عزیز الرحمن نے ابھی حال میں خطبات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر پی ایچ ڈی کے درجے کا تحقیقی کام مکمل کیا ہے۔ سید موصوف نے گذشتہ کئی سال سے وفاقی حکومت کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی سیرت کانفرنسوں میں بہت بلند پایہ علمی مقالات پڑھے ہیں، اور اس اعتبار سے اہل علم سے داد تحقیق وصول کی ہے۔ اللہم زد فرد

آپ نے جن اہم موضوعات پر ابھی تک سیرت کے محاضرات یا خطبات پیش کئے ہیں، ان کی تفصیل یوں ہے:

۱۔ تعمیر شخصیت و فلاح انسانیت، اطاعت رسول اور سیرت طیبہ کی روشنی میں۔

۲۔ استحکام پاکستان کے لئے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔

۳۔ عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ۔

۴۔ بے لاگ احتساب، سیرت طیبہ کی روشنی میں۔

۵۔ پاکستان کے لئے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل، تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں۔

۶۔ نئے عالمی نظام کی تشکیل اور امت مسلمہ کی ذمے داریاں، تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

۷۔ عصر حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ، تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

مختلف موضوعات سیرت پر یہ سات مقالات کا مجموعہ ہے، جس میں سیرت کے سوانحی

پہلوؤں کی بجائے یا دلائل و شواہد جیسے ذکر کے بغیر تعلیمات سیرت کو پیش کیا گیا ہے، یہ وہ

موضوعات ہیں جو عصر حاضر کے ابھرتے ہوئے مسائل و مشکلات سے تعلق رکھتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ کے تیس سالہ دور رسالت کے آخری دس سالوں میں اسلامی

ریاست کی تشکیل کے ارتقاء کی مراحل دکھائی دیتے ہیں۔ یہ ریاست اگر یثاق مدینہ کے دستور کی ۵۴

دفعات کے زیر اثر تشکیل پا رہی تھی تو اس کے دس سال بعد خطبہ حجتہ الوداع کی صورت میں انسانی

حقوق کا عالمی منشور عطا کیا گیا، جس میں ۴۷ دفعات کے ساتھ اس کی اے توضیحات اس کی تکمیلی

شان کو واضح کرتی ہیں، یوں آج کے تشویش ناک حالات میں یہ امن عالم کی نوید کی واحد آواز

ہے۔ ان مقالات میں بھی سیرت کی ان آفاقی تعلیمات کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ ان فکرائیز

اور عملی تشویق پیدا کرنے والے مضامین کا لب و لہجہ دعوتی اور تربیتی ہے، پہلے مقالے میں انسانیت

کی فلاح اور تعمیر سیرت کے حوالے سے اتباع رسالت کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسرے

مقالے میں پاکستان جیسی نظریاتی ریاست کے لئے جسے اسلام کے عملی ماڈل کو بروئے کار لانے

کے لئے تشکیل دیا گیا، اس کے مختلف اداروں کی اسلامائزیشن اور اس کے نظریاتی اور تہذیبی

استحکام کے لئے سیرت طیبہ سے عملی نظائر کو پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے مقالے میں موجودہ عالمی

صورت حال میں عدم برداشت نے جو نتائج پیدا کر رکھے ہیں، اور ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ہمیں

جس خلفشار اور بے سکونی کا سامنا ہے، سیرت طیبہ کی روشنی میں اس سے نکلنے کا راستہ تجویز کیا گیا

ہے۔ اس سے اگلے مقالے میں معاشرے اور ریاست کے لئے بے لاگ احتساب کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس ضمن میں تعلیمات نبوی ﷺ کو اساس کے بطور پیش کیا گیا ہے۔ اسلام تو پری آڈٹ (Pre Audit) اور پوسٹ آڈٹ (Post Audit) دونوں تصورات کا حامل ہے۔ پانچواں مقالہ کسی بھی نظریاتی مملکت کے تحفظ کے لئے ایک مثالی اسلامی نظام تعلیم کی جانب توجہ منعطف کرتا ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک تعلیمی انقلاب کے ذریعے تزکیہ نفوس کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا، جس کے باعث مثال اسلامی ریاست کے باکردار شہری پیدا ہوئے۔ چھٹے مقالے میں عصر حاضر کی گلوبلائزیشن کی بحث کے حوالے سے ایک قوی استدلال کے ساتھ یہ واضح کیا گیا ہے کہ صرف اور صرف تعلیمات نبوی ﷺ میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ عالمی نظام کی تفکیک کو اخوت، مساوات اور عدل اجتماعی کی بنیادوں پر استوار کر سکے۔ آخری مقالے میں اسلامی ملکوں کی ملت اسلامیہ کی مذہبی گروہ بندی اور مسالک و فرق میں شدت کے رجحان کے نقصانات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، اور واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں اس نوعیت کی شدت پسندی یا انتہا پسندی کو اختیار کرنے یا اس کے فروغ کا کوئی شرعی یا اخلاقی جواز نہیں ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے اس انتہا پسندی سے بچنے اور اس دلدل سے نکلنے کا نبوی منہج واضح کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

بظاہر یہ سات مقالات سیرت مختلف موضوعات پر لکھے گئے ہیں، مگر ان سب میں ایک مرکزی وحدت موجود ہے کہ کس طرح ایک اسلامی معاشرہ اور اسلامی ریاست تعلیمات نبوی اور اسوۂ رسول ﷺ کی بنیاد پر اپنی انفرادی اور اجتماعی تربیت کا سامان فراہم کر سکتے ہیں۔

سید عزیز الرحمن صاحب ایک نوجوان محقق ہیں مگر ان کے قلم میں چٹنگی، استدلال میں قوت اور اظہار میں وضاحت بیان کے عناصر ملتے ہیں، ان کا اسلوب نگارش مقصدیت کے رنگ و آہنگ میں ڈھلا ہوا ہے، جس کے باعث ان کی تحریر میں سلاست اور سادگی کا عنصر واضح ہے۔ ان کی تحریریں علمی اور تحقیقی ہونے کے وصف سے مستنیر ہیں، وہ اپنی بات کو علمی انداز اور تحقیقی اسلوب میں پیش کرتے ہوئے مستند حوالوں سے بات کرتے ہیں، اور ان حوالوں کی تخریج کو جدید معیار

کے مطابق درج کرتے ہیں، یہی باعث ہے کہ انہوں نے اپنی تحریروں کو ایک سائنٹیفک انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، تا کہ اس دور میں تشکیک کا شکار حضرات ایمان و یقین اور اخلاق و کردار کی دولت سے فیض یاب ہو سکیں۔ مجھے یقین ہے کہ اپنی انہی خوبیوں کے باعث اس مجموعہ مضامین سیرت کا شایان شان استقبال ہوگا، اور وہ حضرات جو سیرت کو ایک عملی پیرائے میں ڈھلتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں، انہیں اس مطالعے میں تشفی کا سامان میسر آئے گا۔

حق تعالیٰ اس مجموعے کو قبولیت عطا فرمائیں اور توشہ آخرت بنائیں۔ آمین یا رب

العالمین۔

عبدالجبار شاہ کر

بیت الحکمت، لاہور

۲۹ دسمبر ۲۰۰۴ء

پیش گفتار

آج امت مسلمہ جس دور سے گزر رہی ہے وہ ہر اعتبار سے آزمائش کا دور ہے، ان گنت مشکلات اور بے شمار مصائب اس وقت امت مسلمہ کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حوادث قطار باندھ کر امت مسلمہ پر وارد ہو رہے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے دور عروج کے بعد سب سے سخت زمانہ ہے، لیکن ایسا پہلی بار نہیں ہوا۔ اسلام کی تاریخ میں ایسا کئی بار ہو چکا ہے کہ حوادث و مشکلات نے اس پر چہار جانب سے بیلغار کر دی اور مسلمان یکا یک ادبار و پستیوں میں گرتے چلے گئے، حتیٰ کہ ابھرنے کی کوئی صورت اور پھر سے اٹھ کھڑے ہونے کی امید تک لوگوں کے ذہنوں سے محو ہونے لگی۔ کیا امت مسلمہ آج کے حالات میں سقوط بغداد کا سانحہ بھول سکتی ہے؟ کیا وہ سانحہ اپنی شدت اور اپنے نابعد اثرات کے اعتبار سے اسلامی تاریخ کا ہولناک ترین حادثہ نہ تھا؟ اس حادثے کے نتیجے میں بھی مسلمانوں پر مایوسی طاری ہوئی، لیکن مسلمان کچھ عرصے بعد بھراٹھے، اور پھر سے شاہراہ ترقی پر آب و تاب کے ساتھ گامزن ہو گئے۔ آج کے حالات میں ہمیں اس واقعے سے کافی روشنی مل سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اپنا نظام ہے، انسانی سوچ کی حدود سے ماورا اور اس کی فہم کی رسائی سے بلند تر۔ جس طرح وہ مردہ سے زندہ نکالنے پر قدرت رکھتا ہے اور اپنی اس قدرت کے مظاہر وہ ہر وقت پیش بھی کرتا رہتا ہے، اسی طرح وہ شر سے خیر کے پہلو بھی پیدا فرمادیتا ہے اور برائی سے بھلائی کی کونپلیں بھی اگا دیتا ہے۔ گیارہ ستمبر تاریخ عالم میں خوف و دہشت کے استعارے کی حیثیت رکھتا ہے، مگر پوری مسلم امت کو اس کے نتیجے میں جس طرح معاشی، معاشرتی، سماجی، ثقافتی اور مذہبی ہر اعتبار سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، تفصیلات ہر ایک کے پاس کم یا

زیادہ ہو سکتی ہیں، لیکن ان مشکلات کی سنگینی سے کسی ذی شعور کو نہ انکار ہو سکتا ہے، نہ کوئی لاعلم رہ سکتا ہے۔ لیکن اور باتوں کے علاوہ اس سے ایک خیر یہ پھوٹا کہ غیر مسلموں میں اسلام کے بارے میں جاننے کا اشتیاق پیدا ہوا اور قرآن حکیم سمیت اسلامی کتب کی طلب بڑھی۔ اور اس آزادانہ مطالعے کے نتیجے میں جو یقیناً منفی سوچ سے شروع ہوا تھا اسلام قبول کرنے کے رجحان میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ چنانچہ ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق گذشتہ سال امریکا، برطانیہ، روس، فرانس، جرمنی، کینیڈا، آسٹریلیا اور سوئزرلینڈ سمیت مختلف ممالک میں ساڑھے ۶ لاکھ افراد نے اسلام قبول کیا ہے، جن میں سے ۴ لاکھ افراد کے بطور مسلمان رجسٹرڈ ہونے کی تصدیق کی جا چکی ہے، جب کہ دنیا بھر میں ہزاروں کی تعداد میں مساجد و مکاتب کا قیام بھی عمل میں آیا ہے، گزشتہ سال امریکا میں ۲ لاکھ ۹ ہزار افراد نے اسلام قبول کیا، جن میں ایک لاکھ ۳۶ ہزار وہ افراد شامل ہیں جنہوں نے امریکی جیلوں میں اسلام قبول کیا ہے۔ (۱)

اسلام خدائے واحد کا انتخاب ہے (۲) اور اس کی حفاظت کے اسباب بھی اللہ تعالیٰ خود پیدا فرماتا ہے۔ کسی بندہ خدا کو اگر اسلام کی کسی بھی حوالے سے ترویج، اشاعت، تبلیغ یا دعوت میں کسی درجے میں بھی شرکت کا موقع ملتا ہے تو یہ محض اس کی توفیق اور عنایت سے ہی ممکن ہوتا ہے، جس پر اس کا شکر لازم ہے، لیکن اسلام کسی کا محتاج نہیں۔ اور خصوصاً آج اسلام سے تعلق کا تقاضا ہے کہ اس کی دعوت کو ہر پہلو سے عام کیا جائے۔ اور ہر انسان کو پروردگار نے جس قدر بھی صلاحیت بخشی ہے اس کا بھرپور اور نہایت ایماندارانہ استعمال کیا جائے۔ زیر نظر کتاب کی ترتیب میں یہ احساس بھی کارفرما ہے۔

اس کتاب کے محرک اول محترم و مکرم جناب مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی ہیں، جن کا پیہم اصرار اس مجموعے کی ترتیب کا سبب بنا، یا پھر مکرمی حافظ عبدالرحیم سعیدی جن کی عنایت سے فیضی صاحب سے ملاقات ہوئی۔

یہ مجموعہ راقم کے ان مقالات پر مشتمل ہے جو ۱۹۹۶ء سے ۲۰۰۴ء کے عرصے میں

وزارت مذہبی امور اور حکومت پاکستان اسلام آباد کے زیر اہتمام سالانہ قومی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنسوں میں پیش کئے گئے، اور انہیں سیرت ایوارڈ سے نوازا گیا۔ چونکہ ان مقالات کا زمانہ تحریر مختلف ہے، اس لئے حوالہ جات میں شاید بعض مقامات پر یکسانیت نہ مل سکے۔ راقم نے ان مضامین میں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے، صرف بعض مقامات پر جہاں اضافہ ناگزیر تھا، چند سطروں کا اضافہ کیا ہے۔ ان مضامین کے عنوانات بھی وزارت مذہبی امور کے منتخب کردہ ہیں، چونکہ انہی عنوانات کے تحت یہ مضامین پیش کئے گئے، اس لئے ان میں بھی ترمیم و تبدیلی نہیں کی گئی۔

ان مضامین سے پہلے دو مضامین علیحدہ علیحدہ کتابچوں کی شکل میں ۱۹۹۷ء میں شائع ہو چکے ہیں، باقی مضامین اور ان کے بعض حصے وزارت مذہبی امور کی جانب سے شائع ہونے والے مجموعہ مقالات کے علاوہ دیگر رسائل و جرائد میں وقتاً فوقتاً شامل اشاعت ہو چکے ہیں۔

راقم خدائے واحد عزوجل کے حضور مجدد شکر ادا کرتے ہوئے یہ حقیر و ناقص کاوش اس علم اور باذوق قارئین کے سامنے پیش کر رہا ہے، راقم خصوصیت کے ساتھ حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں مدظلہم کا شکر گزار ہے جنہوں نے حد درجہ علائق طبع اور ضعف کے باوجود اس کتاب کا پیش لفظ املا کرایا۔ راقم اپنے دیگر بزرگوں جناب ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی، جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی، اور جناب پروفیسر عبد الجبار شاکر کا بھی شکر گزار ہے جنہوں نے اس کتاب کو اپنا قیمتی وقت دیا اور پھر اس پر اپنی قیمتی آرا سے بھی نوازا۔ راقم ان کے علاوہ تمام بزرگ و احباب خصوصاً برادر مکرم حافظ حقانی میاں قادری کی نیک تمناؤں اور رہنمائی کا شکر گزار ہے۔ اللہ تعالیٰ سب حضرات کو جزائے خیر سے نوازے اور اس کاوش کو قبول فرما کر مقبول بنائے۔ آمین

و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

سید عزیز الرحمن

ہفتہ ۲۲، ہمدانی الثانی ۱۴۲۶ھ

۳۰ جولائی ۲۰۰۵ء

تعمیرِ شخصیت و فلاحِ انسانیت
اطاعتِ رسول ﷺ
اور سیرتِ طیبہ کی روشنی میں

قومی سیرت النبی ﷺ کا انفرنس ۱۹۹۶ء
وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، اسلام آباد

ہر معاشرہ اگرچہ مختلف عناصر سے مرکب ہوا کرتا ہے لیکن ان عناصر میں افراد کی اہمیت و حیثیت امتیازی ہوتی ہے۔ یہ وہ اکائی ہے جو معاشرے کی سمت متعین کرتی ہے اور اسی پر معاشرے کے اصلاحی اور مثالی ہونے کا انحصار ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر یہ اکائی ہی فساد کا شکار ہو جائے تو پھر پورا انسانی معاشرہ ٹوٹ پھوٹ اور شکست و ریخت کے مہلک عمل سے دوچار ہو جاتا ہے۔ انسانی معاشرے میں افراد کی اسی اہمیت کا ادراک کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے اپنی توجہ کا مرکز فرد ہی کو بنایا اور اپنی تعلیمات اور عمل کے ذریعے اتنا کچھ مواد راہنمائی دنیا کے سامنے پیش فرمادیا کہ فرد کی تمام حیثیتوں اور صورتوں کے لئے کافی و وافی ہے، اور رہتی دنیا تک وہ ہر فرد کیلئے رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا رہے گا۔

تمہید

مقالے کا موضوع دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک ہے تعمیر شخصیت اور دوسرا ہے فلاح انسانیت۔ پہلے جز کا تعلق فرد کی انفرادی حیثیت سے ہے، اور دوسرا جز پوری انسانیت کے اجتماعی مسائل ان کے حل، ان کی اصلاح و بہتری کے بارے میں اسلامی تعلیمات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمودہ ہدایات و ارشادات اور آپ کے جاری کردہ اصول و قوانین کا احاطہ کرتا ہے۔ درحقیقت کسی بھی فلاحی اور مثالی معاشرے کیلئے یہ دونوں پہلو اپنی اپنی جگہ نہایت اہمیت کے حامل ہیں، اسی بنا پر یہ دونوں ہی مکمل توجہ اور کامل غور و فکر کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس مقالے میں محدود گنجائش کو مد نظر رکھتے ہوئے ان دونوں پہلوؤں کا ان کی اہمیت کے مطابق جائز و لیا جائے گا، اور آغاز میں پہلے اتباع رسول کی ضرورت و اہمیت کو اجمالاً ذکر کیا جائے گا۔

اطاعت رسول ﷺ کی ضرورت و اہمیت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ①

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو فقط اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے (۱)

اسلام کی تعلیم کے مطابق عبادت محض نماز، روزے، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کا نام نہیں، بلکہ عبادت کا مفہوم نہایت وسعت کا حامل ہے، اور معاملات و معاشرت اور حقوق باہمی کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے اور اس کی منشا کو مد نظر رکھنا بھی عبادت کے مفہوم میں شامل ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کو نبی اللہ اور جن کاموں سے منع فرمایا ہے ان سے رک جانے کا نام عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوامر و نواہی کی تعلیم دینے اور ان کی طرف راہنمائی کے لئے اپنا ایک نظام قائم فرمایا ہے۔ وہ نظام رسالت و وحی کے نام سے

آج کے زندہ مسائل

موسوم ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کسی برگزیدہ بندے پر وحی کے ذریعے ہدایات کا نزول فرماتے ہیں۔ اور وہ برگزیدہ شخصیت ان ہدایات کی روشنی میں اس نظام کا نظم و نسق چلانے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اس کو رسول و پیغمبر کہا جاتا ہے۔

دنیا میں ایسے بے شمار لوگ گزر رہے ہیں جو کسی نہ کسی وجہ سے ممتاز یا انفرادی حیثیت رکھتے تھے، جنہوں نے نظام عالم کو چلانے کے لئے نمایاں کردار ادا کیا ہے، ایک طرف شاہان عالم اور سپہ سالاران افواج ہیں جو قوموں کی تقدیر بدل ڈالنے کے دعوے دار ہیں۔ دوسری جانب شعرا، حکما اور فلاسفہ کا طبقہ ہے جو اپنے اشعار و الفاظ کی آرائشوں اور حکمتوں کی موٹا کٹانوں سے نظام عالم کو درست رکھنے کا عزم رکھتے ہیں۔ ایک اور طبقہ تاجروں، صنعت کاروں اور دولت مند حضرات کا ہے، جس کا خیال یہ ہے کہ تمام دنیا کا سماجی اور معاشرتی نظام انہی کے سہارے ارقا پذیر ہے۔ فی الحقیقت اس میں کوئی کلام بھی نہیں کہ ان تمام طبقوں نے اپنی اپنی بساط کے مطابق تعمیر ملت اور فلاح قوم میں اپنا حصہ شامل کیا ہے، لیکن اس حقیقت سے بھی صرف نظر ممکن نہیں کہ انہوں نے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے کس عمل کا کوئی خوش نامہ نہیں چھوڑا۔

بنی نوع انسان کی بھلائی، ان کے اخلاق کی اصلاح، ان کے دلوں کی صفائی اور ان کا رشتہ اللہ سے جوڑنے کے لئے کوئی کامیاب کوشش اگر کسی نے کی ہے تو وہ صرف انبیائے کرام اور رسولان عظام علیہم السلام ہی کا طبقہ ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے اسی مقصد عظیم کیلئے دنیا میں مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے جن میں صحیح احکام اور درست حقائق کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا تھا۔ گزشتہ زمانوں میں جو انبیائے کرام مبعوث ہوتے رہے ان کا دائرہ کار اپنے اپنے حلقے کے لوگوں اور اپنے اپنے زمانے تک محدود تھا، اسی بنا پر ان کی تعلیمات کو دوام حاصل نہیں تھا۔ اس لئے ایک کے بعد ایک انبیاء تشریف لاتے رہے اور اولاد آدم کو نور نبوت سے فیض یاب فرماتے رہے، ان سب انبیائے کرام کی شریعتوں کے اصول ایک ہی تھے، البتہ فروع میں ان کے زمانے کے حالات اور لوگوں کی طبیعتوں کے لحاظ سے فرق تھا۔

سب سے آخر میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ آپ پر سلسلہ نبوت

آج کے زندہ مسائل

ورسالت ختم کر دیا گیا۔ اسی لئے آپ خاتم الانبیاؐ، نبھہرے، چنانچہ اب قیامت تک نہ کوئی اور نبی آئے گا اور نہ کوئی نئی شریعت۔ آپ کو جو کتاب عطا ہوئی وہ بھی تمام سابقہ کتب کیلئے ناسخ اور احکامات الہیہ کی جامع و مکمل ہے۔ آپ کو جو دین اسلام دیا گیا وہ تمام سابقہ ادیان کے لئے ناسخ اور ہر لحاظ سے جامع مکمل دین ہے۔ اب قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شریعت باقی و برقرار رہے گی۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۰﴾

اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنائے، اور خیر دار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، لیکن بہت سے لوگ یہ نہیں جانتے۔ (۲۰)

دوسری جگہ فرمایا:

أَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ

آج کے دن میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی، اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔ (۲۱)

بجب یہ فیصلہ ہو چکا کہ اب قیامت تک اگر کوئی دین قابل عمل ہے، اگر کوئی مذہب اللہ تعالیٰ کی جانب سے پسندیدگی کی سند رکھتا ہے اور جس پر عمل یہ (جو کر کامیابی کی راہ تلاش کی جاسکتی ہے) تو وہ فقط اسلام ہے، لہذا اسلام اور صاحب اسلام ﷺ کی اطاعت کا ضروری ذریعہ بدیہی ہوا۔ خود قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَأَن تَطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۚ

اور اگر تم آپ (ﷺ) کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔ (۲۲)

نیز فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا يُبَيِّنُ لِنَاسٍ

آج کے زندہ مسائل

تعمیرِ خیریت و فلاحِ انسانیت

اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اسی لئے بھیجا تا کہ بحکمِ خداوندی ان کی اطاعت کی جائے۔ (۵)

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی راہنمائی کیلئے آنحضرت ﷺ کو ظاہری و باطنی تمام کمالات سے کامل و اکمل طور پر آراستہ فرما کر دنیا میں بھیجا، تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ہر دور کیلئے زندگی کے ہر شعبے کا عملی نمونہ پیش کر سکیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

البتہ تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ) کی ذات میں ایک بہترین نمونہ

موجود ہے۔ (۶)

لہذا آپ کے تمام اقوال و افعال پوری امت کیلئے حجت اور مشعلِ راہ ہیں، اور اتباعِ رسالت یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے تمام فرمانوں پر ان کو اللہ تعالیٰ کے احکام سمجھ کر دل و جان سے عمل کیا جائے، اگر کوئی شخص پیغمبر کے احکام نہ مانے اور آپ ﷺ کے فیصلے کو پس پشت ڈالے تو وہ دائرۃ اسلام سے خارج ہے، کیونکہ اللہ کے رسول کے احکام کو نہ ماننے کا مطلب خود اللہ تعالیٰ کے احکامات کا انکار ہے۔

اسوۂ رسول ﷺ کا تاریخی پہلو

کسی بھی انسان کی حیات کو عملی نمونہ بنانے کیلئے ضروری ہے کہ اس کی زندگی کا کوئی گوشہ نظروں سے اوجھل نہ ہو۔ اس معیار پر اگر دوسرے مذاہب کے بانیوں کی زندگی کو پرکھا جائے تو کوئی بھی اس پر پورا نہیں اترتا۔ مثلاً ہندو مذہب کے رجنمادوں میں سے کسی کو بھی کوئی تاریخی حیثیت حاصل نہیں۔ ان میں سے بعض سے تو دنیا کی واقفیت فقط نام ہی کی حد تک ہے۔ ان کے حالات زندگی کا کسی کو کچھ بھی علم نہیں۔ اسی طرح مجوسی مذہب کے بانی زرتشت کے حالات زندگی بھی کسی کو معلوم نہیں، بودھ اور کنفیوشس جیسے بایاں مذہب کے حالات بھی غیر یقینی ہیں۔ بیشتر انبیاء کے بارے میں بھی کوئی کچھ نہیں جانتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات زندگی کا تو ریت

آج کے زندہ مسائل

سے کچھ پتہ چلتا ہے، مگر خود موجودہ توریت کی صحت میں کلام ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات انجیل میں ملتے ہیں، مگر عیسائی بے شمار انجیلوں میں سے صرف چار کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان چار انجیلوں میں بھی باہم شدید اختلاف ہے اور ان کے لکھنے والوں میں سے کسی نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ان انجیلوں کی تالیف کے زمانے کے بارے میں یقین سے کچھ کہنا ممکن ہے، لہذا یہ چاروں انجیلیں بھی قابل اعتبار نہیں۔

اس کے برعکس آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کا معمولی سے معمولی گوشہ بھی محفوظ ہے۔ اہل اسلام نے اپنے پیغمبر ﷺ اور ان سے اونی سا تعلق رکھنے والے شخص کے حالات زندگی بھی جس توجہ اور محنت کے ساتھ محفوظ کئے ہیں، تاریخ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ﷺ نے جہاں اپنے اقوال و افعال کی تبلیغ و اشاعت کی تاکید فرمائی، وہیں یہ تنبیہ بھی فرمادی کہ جو شخص میرے متعلق قصداً کوئی غلط بات یا جھوٹ بیان کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ اس تنبیہ کے بعد بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بھی روایت بیان کرتے وقت کا پھنسے لگتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج آپ ﷺ کے حالات نہ صرف محفوظ ہیں بلکہ تغیر و تبدل سے بھی پاک ہیں۔

آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا سب سے مستند اور صحیح ماخذ تو خود قرآن کریم ہے، جس کی صحت سے مخالفین کو بھی انکار نہ ہو سکا، قرآن مجید میں آپ کی سیرت طیبہ کے تمام ضروری اجزاء موجود ہیں، مثلاً آپ کی نبوت سے پہلے کی زندگی، غربت و یتیمی، نبوت و وحی، معراج و تبلیغ دین، ہجرت و غزوات اور آپ کے اخلاق و اوصاف وغیرہ۔ اس سے زیادہ تاریخی اور معتبر سیرت کا دنیا میں کوئی وجود نہیں۔ دوسرا ماخذ احادیث ہیں۔ تیسرا ماخذ مغاری ہیں جن میں آپ کے غزوات کا ذکر ہے۔ چوتھا ماخذ تاریخ کی کتابیں ہیں۔ پانچواں ماخذ کتب شامل ہیں۔ جن میں آپ کے اخلاق و عادات اور فضائل و معمولات زندگی کا بیان ہے۔ مذکورہ سطور سے یہ بات واضح اور بالکل صاف ہو گئی کہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کو جو تاریخی امتیاز حاصل ہے وہ کسی اور پیغمبر یا مذہب کے بانی کو حاصل نہ ہو سکا۔

تمام کمالات کی جامع شخصیت

کسی شخص کی زندگی خواہ کتنی ہی تاریخی کیوں نہ ہو وہ اس وقت تک قابلِ تقلید نمونہ نہیں بن سکتی جب تک کہ وہ ہر پہلو سے جامع اور کامل نہ ہو۔ تقلید کے لئے جامعیت اور کمال دونوں شرط ہیں، اور کسی کی زندگی کا کمال اسی وقت ثابت ہوگا جب اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس زمانے کے لوگوں کے سامنے ہو اور اس کی وفات کے بعد تاریخِ عالم میں محفوظ ہو۔ اس جہاں میں بڑے بڑے تاریخی انسان گزرے ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی آپ ﷺ کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ آپ کے سامنے کسی کی شخصیت بھی ہر پہلو سے ہمہ گیر اور تمام کمالات کی جامع نہیں۔ یہ شرف صرف آپ ﷺ ہی کو حاصل ہے کہ آپ کی تعلیمات و ہدایات، زندگی کے ہر چھوٹے سے چھوٹے پہلو اور ادنیٰ سے ادنیٰ معاملے کا بھی احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ آپ ہی ذاتِ گرامی ایسی جامع کمالات ہے جس نے زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ایسا صحیح توازن قائم کیا کہ افراط و تفریط کا کہیں نام و نشان نظر نہیں آتا۔ کوئی دوسرا انسان خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اور دنیا کے کسی گوشے میں رہتا ہو ان خوبیوں کا جامع تو کیا پاسنگ بھی نظر نہیں آتا۔ آپ کی سیرت طیبہ کا ہر گوشہ نہ صرف آپ کے زمانے کے لوگوں کے سامنے رہا، بلکہ وہ تمام حالات و واقعات آج بھی تاریخ کے اوراق میں اسی طرح محفوظ ہیں، جیسے آپ کی حیات طیبہ میں وقوع پذیر ہوئے تھے۔

ہر بڑے سے بڑا آدمی اپنے گھر میں ایک معمولی آدمی ہوتا ہے اور اس کی اندرونی کمزوریوں کا علم اس کی بیوی سے بڑھ کر کسی اور کو نہیں ہو سکتا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سامنے کیا، جو پندرہ برس سے آپ کی رفیقہ حیات تھیں اور آپ کی ہر کیفیت و حالت سے واقف تھیں اور انہوں نے آپ کا اعلان سنتے ہی نہ صرف آپ کی تائید کی اور آپ پر ایمان لائیں، بلکہ فوراً ہی آپ کی حمایت پر کمر بستہ ہو گئیں۔ یہ آپ ﷺ کے کمال کی ایک بڑی مثال ہے۔

اعلانِ نبوت سے قبل آپ نے حیات طیبہ کے چالیس قیمتی سال قریش کے ساتھ گزارے۔ ان کے ساتھ لین دین، تجارت اور کاروباری معاملے کے لئے آپ کے صدق، حسن

آج کے زندہ مسائل

معاملگی، ایفائے عہد اور امانت و دیانت کی بنا پر اہل قریش نے آپ کو صادق و امین کا لقب دیا۔ وہ اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھتے تھے اور تہفہ طلب معاملات میں آپ ہی کو حکم بناتے تھے۔ پھر جب آپ ﷺ نے اعلان نبوت کیا تو یہی اہل قریش آپ کے جانی دشمن ہو گئے آپ کو تکالیف دینا اپنا مشن بنالیا۔ انہوں نے آپ پر نجاشی ڈالیں، آپ کا پورے خاندان سمیت مقاطعہ کیا، آپ کو ساحر و مجنون مشہور کیا، حتیٰ کہ آپ کے قتل کی سازش کی، لیکن اس وقت بھی یہ لوگ اپنی امانتیں آپ ہی کے پاس رکھتے تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو یہی لوگ ایمان لا کر ساری عظمتوں اور رفعتوں کے مالک بن گئے، یہی لوگ آپ ﷺ کے ایک ایک نقش قدم پر چلنا سعادت سمجھنے لگے، انہی لوگوں نے آپ ﷺ کے ایک ایک قول اور فعل کو نقل کیا ہے۔ یہ آپ کی کاملیت کی ناقابل تردید دلیل ہے۔

حیاتِ طیبہ کی جامعیت

کسی انسان کی زندگی کو نمونہ عمل بنانے اور قابل تقلید ٹھہرانے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ معاشرے میں بسنے والے تمام افراد کے مختلف طبقات کو ہدایت و رہنمائی کے لئے جن نمونوں کی ضرورت ہو وہ سب باہتمام و کمال اس کی سیرت میں موجود ہوں۔ اس اعتبار سے اگر دوسرے بانیان مذاہب اور انبیاء کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو اس معیار پر بھی آپ ﷺ کے سوا کوئی پورا نہیں اترتا۔

مذہب دراصل حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا نام ہے۔ اس لئے کسی بھی مذہب کی پیروی کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے پیغمبروں اور بانیوں کی زندگیوں کا مطالعہ کر کے ان کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے کی کوشش کریں۔ دوسرے مذاہب کے بانیوں کے حالات حیات کے بارے میں جو کچھ مواد دستیاب ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ بودھ نے اپنے تمام اہل و عیال اور خاندان کو چھوڑ کر جنگل کی راہ لی۔ ایسے میں کیا کوئی انسان، حکومت و رعیت، شاہ و گدا، آقا و غلام، باپ اور بیٹا، بھائی اور بہن اور دوست احباب وغیرہ کے تعلقات میں بودھ کی سیرت سے کسی قسم کی رہنمائی حاصل کر سکتا ہے؟ اسی طرح توریت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

آج کے زندہ مسائل

زندگی کا ایک ہی پہلو یعنی جنگ و سپہ سالاری کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے، اس کے علاوہ حقوق و فرائض اور ذمے داریوں کا کوئی نمونہ نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت بھی تقلید کے لئے کافی نہیں کہ ان کو گھریار، اہل و عیال، مال و دولت اور جنگ و صلح جیسے امور سے کبھی سابقہ نہیں پڑا۔ سو جب ان بانیان مذاہب کے حالات ہی کمال نہیں رکھتے تو ان کی سیرت جامعیت کی صفت کے ساتھ کیوں کر متصف ہو سکتی ہے؟

مگر آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ ہر انسانی طبقے کیلئے مشعل راہ ہے، خواہ وہ طبقہ حاکموں کا ہو یا محکموں کا، غربا کا ہو یا امرا کا، قاضیوں اور تجوں کا ہو یا مجاہدین کا، عابدوں اور زاہدوں کا ہو یا عالموں اور جاہلوں کا، اہل و عیال کا ہو یا دوست احباب کا، تاجروں کا ہو یا عوام کا، غرض ہر طبقے کے لئے آپ کی حیات طیبہ میں کامل نمونہ عمل اور جامع ہدایت و رہنمائی موجود ہے، اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے جامع ہونے کی دلیل ہے۔

اسوۂ رسول ﷺ کی عملیت

کسی انسان کی زندگی کو نمونہ عمل بنانے کے لئے یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ جس چیز کی تعلیم وہ لوگوں کو دے رہا ہو وہ ذاتی طور پر خود بھی اس پر عمل پیرا ہو کر دکھائے، تاکہ اس بات کا علم ہو سکے کہ اس کی تعلیم محض خیالی نظر یہ نہیں بلکہ وہ پوری طرح قابل عمل ہے ورنہ اچھے سے اچھا اور عمدہ سے عمدہ نظریہ تو کوئی بھی شخص پیش کر سکتا ہے، البتہ جو چیز ہر وقت پیش نہیں کی جاسکتی اور جس کی کسوٹی پر کسی بھی نظریے کو پرکھا اور جانچا جاسکتا ہے وہ عمل ہے۔ اس لئے انسانی سیرت کے بہترین اور کامل ترین ہونے کی دلیل اس کے عمدہ اقوال اور خوبصورت خیالات نہیں بلکہ اس کے اعمال اور کارنامے ہیں۔ گویا جس سیرت کا عملی حصہ سامنے نہ ہو اس کو قابل تقلید نمونہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس معیار پر بھی آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے سوا کسی دوسرے راہنما اور بانی مذاہب کے حالات پورے نہیں اترتے۔

آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا ایک روشن پہلو یہ ہے کہ آپ نے پیغمبرانہ حیثیت میں اپنے پیروکاروں کو جو نصیحت فرمائی، سب سے پہلے آپ نے خود اس پر عمل کر کے دکھایا، آپ نے لوگوں

آج کے زندہ مسائل

کو ذکر الہی کی نصیحت کی، اور خود آپ کا یہ حال تھا کہ دن رات میں کوئی لمحہ ایسا نہ تھا جب آپ کا دل اور زبان اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ ہر وقت اور ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہتے تھے۔ لوگوں کو تو چوبیس گھنٹوں میں پانچ وقت کی نماز کا حکم تھا مگر خود آپ آٹھ وقت کی نماز پڑھتے تھے۔ یعنی فرض نمازیں (فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء) اور پھر رات کو تہجد اور سورج نکلنے کے بعد اشراق اور مغرب کے بعد نوافل ادا بین۔ دیگر نوافل اس کے علاوہ ہیں۔ نیز آپ کی نماز اس قدر طویل ہوتی تھی کہ کھڑے کھڑے پاؤں مبارک پرورم آجاتا تھا۔ دوسروں کے لئے رمضان کے روزے فرض تھے، مگر خود آپ کا کوئی ہفتہ اور مہینہ روزوں سے خالی نہ جاتا تھا۔ غرض آپ جس کام کا بھی حکم دیتے پہلے خود اس پر عمل پیرا ہو کر دکھاتے۔

آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا ایک کمال یہ ہے کہ دنیا کا ہر فرد اپنی حیثیت و ضرورت کے مطابق آپ کی حیات طیبہ سے روشنی و رہنمائی حاصل کر کے اپنی زندگی کو بہتر اور کامیاب بنا سکتا ہے، کیونکہ زندگی کا کوئی شعبہ اور اخلاق و ادب کا کوئی سبق ایسا نہیں جو ہمیں آپ کی حیات طیبہ میں نہ ملتا ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۷)

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی میں تمہارے لئے بہترین نمونہ

عمل ہے۔ (۸)

(۷) الاحزاب: ۲۱

(۸) یہ حصہ بنیادی طور پر مولانا سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس، مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۹۴ء اور سید فضل الرحمن/بابائی اعظم/زوارا کیڈمی پہلی کیشنز کراچی ۲۰۰۰ء ج ۱ ص ۵۰۵ تا ۵۱۴ سے ماخوذ ہے۔

تعمیرِ شخصیت

ہر معاشرہ اگرچہ مختلف عناصر سے مرکب ہوا کرتا ہے لیکن ان عناصر میں افراد کی اہمیت و حیثیت امتیازی ہوتی ہے۔ یہ وہ اکائی ہے جو معاشرے کی سمت متعین کرتی ہے اور اسی پر معاشرے کے اصلاحی اور مثالی ہونے کا انحصار ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر یہ اکائی ہی فساد کے شکار ہو جائے تو پھر پورا انسانی معاشرہ ٹوٹ پھوٹ اور شکست و ریخت کے مہلک عمل سے دوچار ہو جاتا ہے۔ انسانی معاشرے میں افراد کی اسی اہمیت کا ادراک کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے اپنی توجہ کا مرکز فرد ہی کو بنایا اور اپنی تعلیمات اور عمل کے ذریعے اتنا کچھ موادِ انہماکی دنیا کے سامنے پیش فرمادیا کہ فرد کی تمام حیثیتوں اور صورتوں کے لئے کافی و وافی ہے، اور رہتی دنیا تک وہ ہر ہر فرد کیلئے رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا رہے گا۔ آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا کمال یہ ہے کہ اس کے مطالعے سے تعمیرِ شخصیت کا ایسا پہلو سامنے آتا ہے جس میں نہ کسی قسم کا ابہام ہے، نہ کہیں کمی کو تابی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ کامل ترین شخصیت کی جانب سے ایک مثالی معاشرے کیلئے بہترین تحفہ اور کامل ترین نمونہ عمل ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ آپ کی تعلیمات کا یہ گراں قدر حصہ خود آپ ﷺ کے کمال کے ساتھ ساتھ اتمامِ نعمت اور اکمالِ دین کی ایک اہم ترین دلیل بھی ہے۔

آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا صفت کمال کے ساتھ متعفف ہونا اس لئے بھی ضروری تھا کہ آپ کو جو دین ہو۔ نہ مبعوث فرمایا گیا وہ اسلام ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

بلاشبہ اللہ کے نزدیک اسلام ہی پسندیدہ دین ہے۔ (۹)

نیز اسلام کو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے سامنے ہی مکمل فرمادیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

أَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی

آج کے زندہ مسائل

تعمیرِ خِشیت و فلاحِ انسانیت

نعمت تمام کردی اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔ (۱۰)

چنانچہ اگر اسلام کی ان تعلیمات کا جائزہ لیا جائے جو آپ ﷺ کے توسط سے انسانیت تک پہنچیں تو ظاہر ہوگا کہ اسلام میں کمال بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔

انسان کی زندگی کو دو ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، ایک بعد از ولادت تا وفات، دوسرا بعد

از وفات تا ابد لا باد۔ پہلا دور فانی کہلاتا ہے، اور دوسرا دور بقا سے موسوم کیا گیا ہے۔ اسلام کا کمال یہ ہے کہ وہ زندگی کے ان دونوں ادوار کے بارے میں مکمل راہنمائی فراہم کرتا ہے اور اس کے فلسفہ حیات کے مطابق زندگی ان دونوں ادوار کے مجموعے کا نام ہے۔ اسلام کے مطابق دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء اور عمل و جزا کے مابین ربط و اتصال بدیہی امر ہے، لہذا دار العمل اور دار الجزاء کے مابین بھی اتصال و ربط ضروری ہوا۔ اسی لئے اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اپنے رب سے مانگنے کا جو طریقہ سکھایا اس میں واضح طور پر یہ بتا دیا کہ جب اللہ تعالیٰ سے مانگو تو زندگی کے ان دونوں حصوں اور ادوار کو مد نظر رکھ کر مانگا جائے اور دونوں ہی کے لئے دست سوال دراز کیا جائے۔ قرآن کریم میں یہ دعا اس طرح مذکور ہے:

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱﴾

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی

بھلائی عطا فرما، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ (۱۱)

آج کل دنیا میں جتنے بھی نظام رائج ہیں، خواہ ان کا تعلق کسی بھی نظریے سے ہو اور وہ کسی بھی جغرافیائی حیثیت کے حامل ہوں، اگر ان کی دوسری ان گنت خرابیوں کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تب بھی ان کی یہ خرابی مسلم ہے کہ ان کا تعلق زندگی کے صرف ایک ہی پہلو سے ہے۔ اس میں انسانی زندگی کے صرف ایک دور سے بحث ہوتی ہے، جس کا تعلق دنیا کی بے ثبات و چند ساعتوں کی محدود زندگی سے ہے۔ جبکہ حقیقی اور اصل زندگی ان کی نظروں سے یکسر اوجھل ہے۔ ان نظاموں کی دیگر خرابیوں اور مفاسد سے اگر کچھ دیر کے لئے صرف نظر کر بھی لیا جائے تب بھی یہی

(۱۰) المائدہ: ۳ (۱۱) البقرہ: ۲۰۱

آج کے زندہ مسائل

تعمیرِ شخصیت و فلاحِ انسانیت

ایک خرابی ان نظاموں کے ناممکن العمل ہونے کی کافی شہادت و دلیل ہے۔ اسی طرح دنیا کے تمام مروجہ مذاہب بھی جامعیت کی کسی تعریف پر پورے نہیں اترتے، اور ان کے باطل و ناقابلِ عمل ہونے کے دیگر دلائل و براہین سے قطع نظر ان کے بطلان کیلئے صرف یہی بات کافی ہے کہ ان کے ہاں بھی انسانی زندگی کے دونوں ادوار کے مابین اتصال و ربط کا کوئی تصور نہیں، وہ دنیاوی دور کو اخروی زندگی سے عملی طور پر بالکل الگ تھلک خیال کرتے ہیں۔ بہر صورت ان کے ہاں دارالعمل اور دارالجزا کے مابین کوئی وجہ مناسبت یا شکل ربط و اتصال موجود نہیں، اور یہ اس کے باوجود ہے کہ تقریباً تمام مکاتب فکر (محدثین و متکرمین قیامت کو چھوڑ کر) خواہ وہ یہود و عیسائی ہوں یا ہندو اور بدھ مت وغیرہ، سب اس جہان کے فانی اور دارالعمل ہونے کے قائل ہیں۔ اور جب دارالعمل اور دارالجزا کے درمیان ربط و اتصال ہی مفقود ہو جائے تو دارالجزا کی کامیابی و فلاح کی توقع کیوں کر ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مذاہب اور دنیاوی نظاموں کی عملی دنیا میں اسلام کے سامنے کوئی حیثیت و وقعت نہیں۔

آپ ﷺ نے افراد کی تربیت کے لئے جن باتوں کو سب سے زیادہ اہمیت دی اور جن کو کردار کی پختگی کے لئے لازم قرار دیا، انہیں چند ذیلی عنوانات کے تحت تقسیم کیا جاسکتا ہے

- | | | |
|-----------------|----------------|----------------|
| ۱۔ علم | ۲۔ تزکیہ نفس | ۳۔ اخلاق |
| ۴۔ اخوت و اتحاد | ۵۔ صدق و امانت | ۶۔ غفو و درگزر |

۱۔ علم

علم کا حصول تخلیقِ انسانی کا ایک ہم جز ہے۔ یہی وہ جوہر ہے جس کی بنا پر انسان کو فوری مخلوق فرشتوں پر بھی فضیلت عطا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ يَسْمِعُكَ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝
وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ

آج کے زندہ مسائل

۵۱

تعمیرِ خیریت و فلاحِ انسانیت

اَنْتُمْ رِیَاسَۃٌ هَؤُلَاءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝

اور (اے محمد ﷺ وہ وقت یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے ولما ہوں۔ انھوں نے (فرشتوں نے) کہا، کیا آپ اس (زمین) میں ایسے شخص کو (خلیفہ) بنائیں گے جو اس میں فساد اور خونریزی کرے گا؟ حالانکہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں اور اس پر تیری حمد بھی کرتے ہیں (کہ تو نے ہمیں اپنی تسبیح کی توفیق عطا فرمائی) اللہ نے فرمایا، بیشک (ان اسرار کو) میں جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے، اور اس (اللہ تعالیٰ) نے آدم کو تمام (چیزوں کے) نام سکھا دیئے، پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے کر کے فرمایا کہ اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو تو مجھے ان سب چیزوں کے نام بتاؤ۔ (۱۲)

ان آیات سے یہ بھی واضح ہوا کہ علم انسان کے خیر ہی میں ڈال دیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے اسے وہ صلاحیتیں ودیعت فرمائی تھیں جن کے بل پر اس کو دائمی فضیلت اور دوسری تمام مخلوقات پر اس کی حاکمیت قائم ہو سکتی ہے۔ علم کی اہمیت کی مزید واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِكْرِ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُونَ ۝

اور یہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے بیان کرتے ہیں اور ان کو وہی سمجھتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔ (۱۳)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ ہر طرح کی خیر و بھلائی کی طرف وہی شخص لپکتا اور اس کو قبول کرتا ہے جو علم و آگہی کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے اور جس کا ضمیر اپنے پروردگار کی عطا کردہ معرفت کی روشنی سے متور ہوتا ہے۔

اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

(۱۲) البقرہ: ۳۱، ۳۲ (۱۳) العنکبوت: ۴۳

آج کے زندہ مسائل ۵۲ تعریفِ شخصیت و فلاح انسانیت

هَذَا بَلَدٌ ثَلَاثٌ لَا يُنْذَرُ رُؤَايَاهُ وَلَيَعْلَمُوْا اَنْتَ مَا هُوَ
اِلَهُ وَاحِدٌ وَلَيَذْكُرُوْا اِلَّا الْكَابِٔ ۝

یہ ایک پیغام ہے جو تمام لوگوں کے لئے ہے اور تاکہ اس کے ذریعے
لوگوں کو خبردار کیا جائے اور تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ تو بس ایک ہی ہے اور
تاکہ عقل والے نصیحت حاصل کریں۔ (۱۴)

اس آیت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ نصیحت عقل والوں کے لئے ہی فائدہ مند ہوتی ہے اور اللہ
تعالیٰ کے اولین مخاطب یہی لوگ ہیں۔ اسی لئے اسلام امت مسلمہ پر یہ فریضہ عائد کرتا ہے کہ وہ تعلیم
یافتہ ہو، بلکہ ان میں خواندگی کا تناسب سب سے زیادہ ہو اور ناخواندہ افراد کی تعداد کم سے کم ہو۔
یوں بھی کسی تہذیب یافتہ، ترقی پسند اور مثالی ریاست کے لئے تعلیم ہر لحاظ سے ضروری ہے۔ اس
لئے اسلامی معاشرے میں اس کی اہمیت دو چند ہونا نہایت ضروری و لازمی ہے، کیونکہ اسلام ہی وہ
واحد نظام ہے جو ہر طرح کی فلاحی و مثالی ریاست کا عملی تصور پیش کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ
جہالت بجائے خود ایک اخلاقی کمزوری ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے حصول علم کی بہت تاکید
فرمائی۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

علم کی فضیلت عبادت کی فضیلت سے زیادہ ہے۔ (۱۵)

اور دوسری روایت میں فرمایا

مجھے علم کی فضیلت عبادت کی فضیلت سے زیادہ محبوب ہے۔ (۱۶)

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب علم ہوگا تو اس کو وہ بصیرت حاصل ہوگی جس سے وہ عبادت کی
روح اور اس کے فوائد و حقیقت کو سمجھ سکے گا اور پھر اس کو عبادت کا حقیقی لطف بھی حاصل ہوگا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ قلیل علم کثیر عبادت سے بہتر ہے۔ (۱۷)

(۱۴) ابراہیم ۵۲: (۱۵) طبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد (م ۳۶۰ھ) / المعجم الکبیر / مکتبہ العلوم و

الحکم، موصل، ۱۹۸۳ء، ج ۱۱، ص ۳۸ (۱۶) حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ (م ۴۰۵ھ) / المستدرک /

دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۰ء، ج ۱، ص ۱۷۰، رقم ۳۱۴

(۱۷) بیہقی، علی بن ابوبکر (م ۸۰۷ھ) / مجمع الزوائد / دارالکتب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ، ج ۱، ص ۱۲۰

آج کے زندہ مسائل

اس میں عبادت پر علم کی فضیلت اور سبب کی جانب اشارہ فرمادیا کہ جو عبادت جہالت کے ساتھ ہوگی وہ اگرچہ کثیر ہی کیوں نہ ہو اس میں گمراہی کا امکان ضرور ہے۔ جبکہ علم کے بعد گمراہی کا خطرہ باقی نہیں رہتا اور اس کو شیطان دھوکہ دینے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جبکہ ایک ایسا شخص جو محض عابد ہے، شیطان کے لئے ترنوالہ ثابت ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

ایک فقیہ ہزاروں عابدوں کے مقابلے میں شیطان پر بھاری ہے۔ (۱۸)

ایک روایت میں آنحضرت ﷺ نے عبادت کے مقابلے میں تحصیل علم کی فضیلت اس طرح بیان فرمائی۔ آپ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

اے ابوذر! صبح ہوتے ہی تم اللہ کی کتاب (قرآن کریم) سے ایک آیت سیکھ لو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم سو رکعتیں پڑھ لو، اور یہ کہ روزانہ تم علم کا ایک باب حاصل کر لو چاہے عمل کرو یا نہ کرو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ایک ایک ہزار رکعتیں ادا کرو۔ (۱۹)

ایک اور روایت میں ہے کہ عالم کو عابد پر ہنر درجے فضیلت حاصل ہے اور ہر دو درجوں کے مابین تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی ستر سال کی مسافت ہے۔ اس لئے کہ شیطان لوگوں کے اندر بدعات کو رائج کرتا ہے تو عالم اسے دیکھ لیتا ہے اور لوگوں کو اس سے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ جبکہ عبادت گزار اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہتا ہے اور اس بدعت کی جانب توجہ نہیں کرتا اور نہ اس کو اس امر کی واقفیت ہوتی ہے۔ (۲۰)

علماء کو (صرف علم کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ کے ہاں جو مقام حاصل ہے اس کا اندازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ علماء سے کہے گا جب وہ کرسی پر بندوں کے

(۱۸) ترمذی، ابویحییٰ محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹ھ) السنن، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج ۳، ص ۳۱۰۔

رقم ۲۶۸۷ (۱۹) ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی (م ۲۵۵ھ) السنن، دار المعرفہ، بیروت۔

۱۹۹۸ء، ج ۱، ص ۹۵ رقم ۲۱۹ (۲۰) المنذری، ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی (م ۶۵۶ھ) التذیب،

التذیب، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ، ج ۱، ص ۵۷، رقم ۱۳۵۔

آج کے زندہ مسائل

تبعیر شخصیت و فلاح انسانیت

درمیان فیصلہ کرنے بیٹھے گا کہ میں نے تمہارے اندر اپنا علم و حلم اس لئے رکھا تھا کہ میں تمہاری خطاؤں کو معاف کرنا چاہتا تھا، اور اس کے علاوہ مجھے کسی چیز کی پروا نہیں ہے۔ (۲۱)

اگر غور کیا جائے تو علم کی اور صاحبان علم کی فضیلت کے لئے یہی ایک حدیث بھی کافی ہے ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

جو شخص علم کے حصول اور اس کی تلاش میں چلتا ہے اس کے لئے اللہ جنت کی راہ آسان کر دیتا ہے۔ (۲۲)

اور علم کو ہدایت کا سبب قرار دیتے ہوئے فرمایا:

کوئی کمانے والا شخص اس علم کی فضیلت سے بہتر کوئی چیز نہیں کما سکتا جو علم ایک عالم دین کی ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا ہے، یا اسے گمراہی سے پھیر دیتا ہے اور کسی انسان کی دینداری اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کی عقل صحیح نہ ہو۔ (۲۳)

اور علم دوسروں تک پہنچانے اور اس کی تعلیم دینے والوں کا مقام یوں واضح فرمایا:

دو آدمیوں کے سوا کسی اور سے حسد (رشتک) کرنا جائز نہیں ہے۔ ایک وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا وہ اسے راہ حق میں خوب لٹاتا ہے، اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت (علم) سے نوازا اور وہ اس کے ذریعے فیصلے کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔ (۲۴)

حصول علم کے لئے زمان و مکان کی کوئی قید اسلام نے روا نہیں رکھی، اور اسلامی تعلیمات کے مطابق تعلیم کو کوئی ایسی مقررہ حد نہیں جسے منزل یا آخری حد قرار دیا جاسکے۔ آپ ﷺ نے

(۲۱) المغنم الکبیر ج ۲ ص ۸۴، رقم ۱۳۸۳ (۲۲) مسلم بن الحجاج ابو الحسن القشیری النیسابوری (م الصحیح) / دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۸ء، ج ۳ ص ۲۳۳، رقم ۲۶۹۹، ترمذی ج ۵ ص ۱۹۵، ابن حبان، ابو حاتم محمد التیمی (م ۳۵۴) / الصحیح / مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۹۹۳ء، ج ۱ ص ۲۸۲، رقم ۸۳ (۲۳) طبرانی (۲۴) بخاری، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم (م ۲۵۶ھ) / الصحیح / دار ابن کثیر بیروت، ۱۹۸۷ء، ج ۱ ص ۳۹، رقم ۷۳، مسلم ج ۱ ص ۴۵۱، رقم ۸۱۵

آج کے زندہ مسائل

تعمیر شخصیت و فلاح انسانیت

حصول علم کی خاطر دور دراز کے اسفار اختیار کرنے کو علمی جہاد سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا:

جو شخص علم کی طلب میں نکلا تو وہ اللہ کے راستے میں ہے جب تک لوٹ نہ

آئے۔ (۲۵)

اس روایت سے یہ بھی واضح ہوا کہ طلب علم کی خاطر اپنے علاقے کو چھوڑ کر دوسرے شہروں اور ملکوں کا سفر اختیار کرنا پسندیدہ اور باعث اجر و ثواب ہے اور علم کے حصول کے لئے صرف اپنے شہر و قصبے کی قید نہیں، یہ جہاں سے ملے اور جب بھی ملے اس کو حاصل کر لینا چاہئے۔ علم و حکمت کی آنحضرت ﷺ کی نگاہ میں اہمیت و ضرورت آپ کے اس قول سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ فرمایا:

حکمت کی بات مومن کی متاع بگمشدہ ہے جہاں وہ پائے اس کا وہ سب

سے زیادہ حقدار ہے۔ (۲۶)

عالم و متعلم کی بابت فرمایا:

آدمی تو دو ہی ہیں عالم اور متعلم، یہ دونوں خیر میں شریک ہیں اور باقی

لوگوں میں خیر کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ (۲۷)

ایک اور مفصل روایت میں علم سیکھنے اور سکھانے والوں کا ذکر اس طرح ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے دو افراد کا تذکرہ کیا گیا ان میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم۔ آپ نے فرمایا:

عالم کو عابد پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جیسے میری فضیلت تمہارے

ادنیٰ ترین آدمی پر۔ (۲۸)

پھر فرمایا:

(۲۵) ترمذی / ج ۴، ص ۲۹۵، رقم ۲۶۵۶ (۲۶) ایضاً، ج ۳، ص ۳۱۲، رقم ۲۶۹۶ (۲۷) طبرانی المعجم

الاوسط / دارالحرین قاہرہ ۱۴۱۵ھ / ج ۷، ص ۳۰۷، رقم ۷۵۷۵ (۲۸) ابن ماجہ / ج ۱، ص ۹۸، رقم ۲۲۹

(۲۸) ترمذی / رقم ۲۶۸۵ دارمی، عبد اللہ بن عبد الرحمن (م ۲۵۵) / السنن / قدیمی کتب خانہ،

کراچی / ج ۱، ص ۱۰۰، رقم ۲۸۹

آج کے زندہ مسائل ۵۶ تعمیری شخصیت و طالع انسانیت

بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اور تمام زمین و آسمان والے حتیٰ کہ چوہٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلیاں (پانی میں) ایسے شخص کے لئے دعائے خیر کرتی ہیں جو لوگوں کو بھلائی کی باتیں سکھاتا ہے۔ (۲۹)

۲۔ تزکیہ نفوس

کسی بھی مثالی اور صحیح اسلامی تعلیمات کی حامل شخصیت کی تعمیر کے لئے تزکیہ نفوس نہایت ضروری امر ہے، اس کے بغیر صحیح معنی میں مثالی شخصیت کی تعمیر ممکن نہیں۔ اسی لئے اسلام میں تزکیہ نفوس پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے، چنانچہ قرآن کریم نے آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے کے جو مقاصد بیان فرمائے ہیں ان میں سے ایک تزکیہ نفوس بھی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا
مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

بیشک اللہ نے مومنوں پر بڑا ہی احسان فرمایا جبکہ ان میں انہی کی جنس سے ایک ایسا رسول بھیجا جو ان لوگوں کو اس (اللہ تعالیٰ) کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان (کے ظاہر و باطن) کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ (۳۰)

تزکیے کے معنی طہارت کے ہیں، یعنی آپ ﷺ کو ظاہری اور باطنی نجاستوں سے پاک کرتے ہیں۔ انسان کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ جس طرح شریعت ظاہر کے لئے ہے بالکل اسی طرح باطن کیلئے بھی ہے جس طرح انسان کو بے شمار جسمانی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں اسی طرح اس کے قلب کے اندر بھی بے شمار بیماریاں ہیں، مثلاً کفر و شرک، بغض و حسد، کینہ و تکبر، حُب مال و جاہ وغیرہ، انسان کا دل اس کے جسم کا بادشاہ ہے اور تمام اعضا کا سردار ہے، دل کی اصلاح اور پاکیزگی پر تمام جسم انسانی کی اصلاح کا مدار ہے۔ حدیث شریف میں ہے آپ ﷺ

آج کے زندہ مسائل

نے فرمایا:

اے لوگو! آگاہ رہو کہ انسان کے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہو جاتا ہے تو تمام بدن درست ہو جاتا ہے اور جب وہ خراب و فاسد ہو جاتا ہے تو تمام بدن خراب و فاسد ہو جاتا ہے۔ آگاہ رہو کہ وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے۔ (۳۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جسم کے اعضاء کی درستی اور ان کا اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرنا دل کی درستی و پاکیزگی پر موقوف ہے۔ اس لئے دل (قلب) کی اصلاح کی کوشش کرنا واجب ہوا۔ اسی کوشش کرنے اور قلب کو ان بیماریوں سے پاک کر دینے کا نام تزکیہ قلب ہے، جس کی بنا پر قرب حق نصیب ہوتا ہے۔ درحقیقت اسی خلاص عمل کا نام تصوف ہے اور اسی اخلاص کے ساتھ کی جانے والی عبادت حقیقت میں عبادت کہلانے کی مستحق ہوتی ہے۔ مشہور حدیث، حدیث جبرائیل میں بھی تزکیہ نفوس کو خاص طور پر بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ اخلاق

افراد کی تربیت کا انحصار ان کی اخلاقی حالت کی بہتری پر ہوتا ہے۔ اگر یہ پہلو کمزور رہ جائے تو آئندہ ترقی تو کجا، تنزلی کا امکان غالب رہتا ہے۔ اس لئے آپ ﷺ نے اس پہلو پر بھی بھرپور توجہ مرکوز فرمائی۔ نیز کسی بھی معاشرے میں جرائم پیشہ افراد نہایت ضرر رساں ثابت ہوتے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ ایک مچھلی پورے تالاب کو گندہ کر دیتی ہے، اس لئے جرائم کا انسداد نہایت ضروری امر خیال کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ معاشرے کے افراد اخلاقی طور پر مکمل تربیت یافتہ ہوں۔ اسی لئے آپ ﷺ نے اپنی بعثت کا اولین مقصد ان الفاظ میں بیان فرمایا:

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (۳۲)

بلاشبہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔

(۳۱) مسلم / ج ۳ ص ۵۷ رقم ۱۵۹۹ / بخاری / ج ۱ ص ۲۸ رقم ۵۲ (۳۲) بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین (۳۵۸ م) / السنن الکبریٰ / مکتبہ دارالہجاز مکہ مکرمہ ۱۹۹۳ / ج ۱ ص ۱۹۱ رقم ۱۶۰۹

۵۸

آج کے زندہ مسائل

تعمیر شخصیت و فلاح انسانیت

اور ایک روایت میں تفصیل سے فرمایا:

ان اللہ بعثنی بتمام مکارم الاخلاق و کمال محاسن

الافعال (۳۳)

بلاشبہ اللہ نے مجھے تمام مکارم اخلاق اور محاسن افعال کے ساتھ مبعوث

فرمایا ہے۔

اور اس کی وضاحت مؤطا امام مالک کی روایت سے ہوتی ہے۔ اس میں آپ کا فرمان

یوں ذکر ہے:

بعثت لاتمم حسن الاخلاق (۳۴)

میں حسن اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں۔

چنانچہ وہ عظیم پیغام جس نے تاریخ حیات میں ان مٹ نقوش ثبت کئے، اس کی کرنوں

سے سارے عالم کو منور کرنے میں آپ ﷺ کی انتھک جدوجہد اور بے مثال و بے لوث محنت کے

ساتھ ساتھ آپ کے بلند و اعلیٰ اخلاق کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ آپ ﷺ ایسے بلند پایہ اخلاق

کے حامل تھے کہ آپ کے جانی دشمن بھی آپ کی متفقہ حیثیت الصادق والامین پر حرف گیری کی

جرات نہ کر سکے، اور آپ کو صابی (نعوذ باللہ) تک کہنے والے بھی اپنی امانتوں کے لئے سب سے

زیادہ قابل اعتبار شخص آپ ہی کو تصور کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ چھوٹی عمر میں ہی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تھے،

اور مسلسل دس سال آپ کے خادم رہے۔ آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں ان کا بیان سنئے،

وہ فرماتے ہیں:

میں نے بنی کریم ﷺ کی دس سال تک خدمت کی۔ بخدا آپ نے مجھے

کبھی آف نہ کہا اور نہ کسی چیز کے بارے میں پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا

اور ایسا کیوں نہ کیا؟ (۳۵)

(۳۳) المغم الاوسط / ج ۷ ص ۷۴ رقم ۲۸۹۵

(۳۴) مؤطا، مالک بن انس (۱۷۹م) / المؤطا / دار احیاء التراث العربی، بیروت / ج ۲ ص ۹۰۴ رقم ۱۶۰۹

(۳۵) بخاری / ج ۵ ص ۲۲۲۵ رقم ۵۶۹۱ / مسلم / ج ۳ ص ۳۳ رقم ۲۳۰۹

انہی سے یہ بھی روایت ہے:

میری والدہ رسول کریم ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیتی تھیں اور انہیں جہاں چاہتیں لے جاتی تھیں۔ جب کوئی شخص آپ ﷺ کے سامنے آتا اور آپ سے مصافحہ کرتا تو اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے الگ نہ کرتے، جب تک وہ خود ہی اپنا ہاتھ نہ کھینچ لیتا، اور نہ اپنے چہرے کا رخ اس کے چہرے سے ہٹاتے، تا آنکہ وہ خود ہٹا لیتا اور مجلسوں میں کبھی آپ کو اپنے ہم نشین سے آگے بڑھ کر بیٹھے ہوئے نہ دیکھا گیا۔ (۳۶)

اور عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رسول ﷺ نہ بدخلق تھے، نہ زبان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنے اخلاق میں سب سے اچھے ہوں (۳۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نرم دل ہے وہ نرم دلی کو پسند کرتا ہے اور نرم دلی پر جو صلہ عطا کرتا ہے وہ سختی کے بدلے نہیں دیتا، بلکہ اتنا صلہ کسی بھی چیز کے بدلے نہیں دیتا۔ (۳۸)

نرم دلی کی ہی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

جس چیز میں نرمی ہوگی وہ اسے خوبصورت بنا دے گی، اور جس چیز سے نرمی نکال دی جائے گی وہ بد صورت ہو جائے گی۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نرم دلی کے ساتھ جو ثواب دیتا ہے وہ حماقت کے بدلے نہیں دیتا اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو محبوب بنا لیتے ہیں تو اس کو نرمی عطا کرتے ہیں

(۳۶) شبلی نعمانی، سیرت النبی، دارالاشاعت کراچی، ج ۲ ص ۱۷۹

(۳۷) بخاری، ج ۳ ص ۱۳۷۲ رقم ۳۵۴۹، ابوبکر احمد بن عمرو (م ۲۹۲ھ) / مؤسسہ علوم

القرآن، بیروت ۱۴۰۹ھ / ج ۵ ص ۱۳۵ رقم ۱۷۲۳ (۳۸) مسلم، ج ۴ ص ۱۸۳ رقم ۲۵۹۳

آج کے زندہ مسائل

۶۰

تعمیر شخصیت و فلاح انسانیت

اور جو لوگ نرمی سے نرم ہو گئے ہیں وہ بہ خیر سے محروم ہو جاتے ہیں۔ (۳۹)

آپ ﷺ نے خود روایتی جملہ اہل ان والہ طرز ختم کر کے بلند ترین اخلاق اور بہترین طرز عمل کا مظاہرہ فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک بار میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا، آپ ایک موٹے کنارے والی نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ ایک اعرابی (دیہاتی) نے آکر وہ چادر زور سے کھینچی یہاں تک کہ وہ چادر شدت سے پھینکنے کی وجہ سے آپ کی گردن پر نشان پڑ گیا۔ پھر اس نے کہا، اے محمد (ﷺ) جو مال اللہ ہے تمہارے پاس اس میں سے میرا حصہ دلاؤ، آپ ﷺ اس کی جانب متوجہ ہوئے اور ہنس پڑے اور اس نے جواب دینے کا حکم دیا۔ (۴۰)

اگر غور کیا جائے تو یہ ایک عمدہ تعلیم ہے۔ اعلیٰ اخلاق عالیہ کے تعارف کے لئے کافی ہے۔ یہی وہ نمونہ عمل ہے جس کی جانب اللہ تعالیٰ اشارہ فرماتا ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی تربیت کا بھی ایسا بلند معیار پیش فرمایا کہ فہم و شعور رکھنے والوں کے لئے اس کی طرف لپکنے اس کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ پھر خود آپ نے اپنی تربیت کے اس اعلیٰ معیار سے مطمئن ہو کر اعلان فرمادیا:

اصحابی کالنجوم باہیم اقتدیتم اھتدیتم (۴۱)

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

اسلام میں ایمان کے بعد عبادات کو ارکان کا درجہ حاصل ہے، لیکن ان کی مشروعیت بھی انسانی تربیت کا حصہ ہے۔ اسی لئے نماز کو برائیوں سے روکنے والی فرمایا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ

(۳۹) مجمع الزوائد/ ج ۸ ص ۴۱ رقم ۱۲۶۴۳ (۴۰) بخاری/ ج ۵ ص ۲۱۸۸ رقم ۵۴۷۲

ابوداؤد، سلیمان بن اشعث جتانی (م ۲۷۵) / دار الفکر بیروت / ج ۳ ص ۲۶۳ رقم ۴۷۷۵

(۴۱) مشکوٰۃ المصابیح، خطیب عمری، ولی الدین محمد بن عبد اللہ (م ۷۴۳ھ) / قدیمی کتب خانہ، کراچی /

باب مناقب الصحابہ، فصل ثالث

آج کے زندہ مسائل

تعمیرِ شخصیت و فلاحِ انسانیت

بلاشبہ نماز فواحش اور منکرات سے روکتی ہے۔ (۴۲)

ایک حدیث قدسی میں آپ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

انما تقبل الصلوة ممن تواضع بها لعظمی ولم يستطع علی

خلقی ولم یست مصر اعلیٰ معصیتی وقطع نہارہ فی ذکرہ

ورحم المسکین وابن السبیل والازملۃ ورحم المصاب (۴۳)

میں صرف اسی کی نماز قبول کرتا ہوں جو میری عظمت کی وجہ سے انکساری

کرے، میری مخلوق پر احسان نہ جتائے اور میری نافرمانی پر اڑا نہ رہے

اور میری یاد میں دن گزارے۔ مسکینوں، مسافروں، گمراہوں، گمراہوں

اور مصیبت زدہ افراد پر رحم کرے۔

گویا نماز کی قبولیت کے لئے مخلوق پر رحم، مصیبت زدہ افراد کی مدد اور انکساری وغیرہ

صفات بھی ضروری ہیں۔ تربیت کا اس سے بہتر انداز اور کیا ہوگا۔

اسی طرح قرآن کریم نے زکوٰۃ کو پاکیزگی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ زکوٰۃ نکالنے کی

غرض و افادیت یوں بیان کی:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلَّ

عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلَوَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

اے نبی (ﷺ) آپ ان کے اموال میں سے صدقہ لے لیں تاکہ آپ

اس کے ذریعے ان (کے ظاہر و باطن) کو پاک و صاف فرمائیں اور ان

کے لئے دعائے خیر بھیجئے۔ بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے باعث تسکین

(قلب) ہے اور اللہ خوب سنتا (اور) جانتا ہے۔ (۴۴)

پھر آپ نے اسی صدقہ (زکوٰۃ) کو مزید وسیع مفہوم عطا کرتے ہوئے فرمایا:

اپنے بھائی کے سامنے مسکرا دینا صدقہ ہے، اپنے ڈول سے (پانی) اپنے

بھائی کے ڈول میں انڈیل دینا صدقہ ہے، اچھے کاموں کا حکم دینا

(۴۲) مشکوٰۃ: ۲۵ (۴۳) مجمع الزوائد/ ج ۲ ص ۱۴۷ (۴۴) التوبہ: ۱۰۳

آج کے زندہ سائل

تعمیرِ شخصیت و فلاحِ انسانیت

اور برے کاموں سے روکنا صدقہ ہے، راستے سے تکلیف دہ چیزیں،
کانٹے اور ہڈیاں دور کرنا صدقہ ہے، بھٹکنے کے مقام پر کسی شخص کی
راہنمائی کرنا صدقہ ہے۔ (۴۵)

اسی طرح قرآن کریم نے روزہ کو حصولِ تقویٰ کا ذریعہ بتایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ
مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۲۸۳﴾

تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسا کہ ان امتوں پر فرض کئے گئے تھے جو
تم سے پہلے تیزی میں، تاکہ تم پر ہیزار گار بن جاؤ۔ (۴۶)

اگرچہ روزہ اکل و شرب اور وظیفہٴ زوجیت کی ادائیگی سے ایک معین وقت تک رکے
رہنے کا نام ہے، لیکن آپ نے یہاں بھی اخلاقی پہلو کو نمایاں کرنے کی خاطر اس کے معنی کو وسعت
دیتے ہوئے فرمایا:

اگر کوئی شخص (روزہ رکھ کر) جھوٹ بولتا ہے اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑتا
تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے (۴۷)

دراصل زیادہ کھانے پینے اور نفسانی خواہشات میں مبتلا رہنے سے نفسانی اور شہوانی
قوتوں کی ترقی ہوتی ہے، جس کا لازمی نتیجہ گناہ، برائی، بے حیائی اور بداخلاقی ہے۔ اس کی تہذیب
کی خاطر روزہ فرض ہوا۔ اسی بنا پر اس کی فرضیت کی علت لعلکم تتقون سے بیان فرمائی۔
اسی طرح حج ایک اہم فریضہ اور اسلام کا رکن ہے۔ اس کی مشرعت میں بھی اخلاقی پہلو
نمایاں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا
فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ
اللَّهُ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ ﴿۲۸۴﴾

(۴۵) بزار/ ج ۹ ص ۴۵۸ رقم ۲۰۷۰ مسلم/ ج ۲ ص ۹۲ رقم ۱۰۰۹۔ ۸۔ مسلم کے الفاظ میں قدرے فرق ہے

(۴۶) البقرہ: ۱۸۳ (۴۷) بخاری/ ج ۱ ص ۲۳۰

آج کے زندہ مسائل

تعمیرِ شخصیت و فلاحِ انسانیت

حج کے چند معلوم مہینے ہیں، تو جو شخص ان معلوم مہینوں میں حج کا ارادہ کرے تو پھر کوئی بے ہودہ (فحش) بات نہ ہونے پائے اور نہ حد شرع سے گزرے اور نہ لڑائی جھگڑا کرے، اور جو تم نیکی کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے اور زادِ راہ ساتھ لے کر چلو، اور بہترین توشہ تقویٰ ہے، اور اے عقل والو مجھ ہی سے ڈرو۔ (۲۸)

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ حج کے مبارک فریضے سے بھی ایک غرض اخلاقی تربیت ہے، الغرض آپ ﷺ نے تربیتِ افراد کے سلسلے میں سب سے زیادہ توجہ اخلاقی تربیت پر مرکوز فرمائی اور اسی پر اس عظیم معاشرے کی مضبوط بنیادیں استوار کیں جو ہر طرح سے مثالی اور فلاحی تھا، اور جس کی آج ہمیں سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

۴۔ اخوت و اتحاد

افراد کی تربیت کے ذیل میں اخوت و اتحاد کی ضرورت و اہمیت بھی مسلم ہے۔ اس عالمِ آب و گل میں تمام انسانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ سب مل کر ایک ایسا معاشرہ تشکیل و ترتیب دیں، جہاں تمام معاملات کی بنیاد اخوت و محبت پر ہو، جہاں تمام فیصلے اسی بنیاد پر ہوں۔ جہالت، اور اسلام کی تعلیمات سے ناواقفیت و عصیت کو فروغ دیتی ہے، جو اخوت و اتحاد کی ضد ہے۔ عصیت کی بنیاد علاقیت، قبائل اور زبان و ثقافت پر ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اس کی واضح طور پر تردید کر کے اخوت کا درس دیا۔ ارشاد باری ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَوٍّ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقْوَاهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣٩﴾

اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد و عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے

شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے

زیادہ متقی ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا باخبر ہے۔ (۴۹)

یعنی قبائل اور برادریاں صرف باہم متعارف ہونے کے لئے قائم کی گئیں۔ ان کو نفرت

و حقارت کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا۔ نیز قبائلی اونچ نیچ اور ذات پات کی برتری اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی

حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر عند اللہ کوئی قابل وقعت اور مقبول چیز ہے تو وہ تقویٰ ہے۔

درحقیقت اخوت و اتحاد ہی وہ بنیادی عنصر ہیں جن سے کام لے کر کسی بھی قوم کی شیرازہ

بندی کی جاسکتی ہے۔ اسلام نے تمام عبادات کو اتحاد و اخوت کی ترویج کے لئے استعمال کیا، اس

لئے جگہ جگہ اس کی تلقین کی گئی۔ آپ ﷺ نے ایک مسلمان کو دوسرے کے ساتھ اخوت کا درس

دیتے ہوئے فرمایا:

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں: ۱۔ سلام کا جواب دینا،

۲۔ بیمار کی عیادت کرنا، ۳۔ جنازے کے ساتھ جانا، ۴۔ دعوت قبول کرنا،

۵۔ چھینک آنے پر یرمک اللہ کہہ کر اس کے لئے دعائے رحمت کرنا۔ (۵۰)

دوسری حدیث میں اس سے بھی واضح الفاظ میں باہمی محبت و الفت کی ترغیب یہ کہہ کر

فرمائی کہ ایمان کی بنیاد باہمی محبت پر ہے۔ نیز فرمایا:

تم اس وقت تک جنت میں نہیں جاسکتے جب تک کہ صاحب ایمان نہ ہو جاؤ

اور تم پورے مومن اس وقت تک نہیں ہو سکتے جب تک تم میں باہمی محبت نہ ہو

آپ ﷺ نے فرمایا:

کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں کہ اگر تم اس پر عمل کرنے لگو تو تم میں

باہم محبت پیدا ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ تم آپس میں سلام پھیلاؤ اور اسے

عام کرو۔ (۵۱)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دوسرے کی

(۴۹) الحجرات: ۱۳۔ (۵۰) مسلم/ ج ۳ ص ۴۱۱ رقم ۴۱۶۲، ابو داؤد/ ج ۴ ص ۳۲۸ رقم ۵۰۳۰

(۵۱) مسلم/ ج ۱ ص ۷۸، رقم ۵۴

آج کے زندہ مسائل
تعمیرِ شخصیت و فلاحِ انسانیت

تعمیم کی غرض سے غمیوں کی طرح مت کھڑے ہو کر۔ (۵۲)

اسی لئے ہر مسلمان پر یہ لازم ہے کہ جب وہ اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو اسلامِ عظیم کہے۔ سلام میں پہل کرنے والے کو تیس ٹکیوں کا حق دار قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لوگوں میں سے اللہ کے قریب اور اس کی رحمت کا زیادہ مستحق وہ بندہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔ (۵۳)

انسان جب تک اپنے دوسرے بھائی کے حقوق کا پاس نہ کرے اور اسے اپنی طرح تمام سہولتوں اور ضروریات کا حق دار نہ سمجھے اس وقت تک کسی بھی معاشرے میں اخوت و اتحاد کی روح پیدا نہیں ہو سکتی۔ آپ ﷺ نے اس امر کی جانب بھی مختلف انداز سے لوگوں کو متوجہ کیا۔ ایک بار آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے پوچھا کہ تم جانتے ہو مفلس کسے کہتے ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ مفلس (عرف عام میں) اسے کہتے ہیں جس کے پاس درہم و دینار نہ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوگا، اس نے نمازیں پڑھی ہوں گی، زکوٰۃ دی ہوگی اور روزے بھی رکھے ہوں گے لیکن کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، کسی کا مال ہزپ کیا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا۔ تو اس کی تمام نیکیاں ان مظلوموں کو دے دی جائیں گی۔ اگر اس کے مظالم ختم ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو مظلوموں کی غلطیاں اور ان کے گناہ اس کے سر پر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (۵۴)

اب ظاہر ہے کہ ایسا شخص جو لاکھوں کروڑوں روپے مالیت کا بینک بینکس اور جائیداد رکھتا

(۵۲) ابوداؤد ج ۴ ص ۴۰، رقم ۵۲۲۹، ترمذی ج ۳ ص ۳۷، رقم ۲۷۶۳

(۵۳) ابوداؤد ج ۴ ص ۳۹، رقم ۵۱۹۷ (۵۴) ابن حبان ج ۱ ص ۲۵۹، رقم ۴۴۱۱، رقم ۸۰۱۶

۱۵۱ احمد بن محمد بن حنبل ابو عبد اللہ الشیبانی (م ۲۴۱ھ) مؤسسہ قریبہ، مصر ج ۲ ص ۳۰۳

ہو مگر اس سے کئی گنا زیادہ رقم کا قرض دار ہو آخر کیسے ماند دار کہلا سکتا ہے؟

خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے مختلف انداز سے اتحاد و اتفاق کی تلقین فرمائی ہے اور آپس میں محبت و الفت قائم کرنے کا درس دیا ہے۔

۵۔ صدق و امانت

راست گوئی اور حق پرستی کے فی نفسہ محمود و مطلوب ہونے میں کسی کو کلام نہیں، اور ایک فلاحی ریاست کی تشکیل کیلئے مطلوب افراد کی تربیت میں بھی صدق و امانت کی اہمیت تسلیم شدہ امر ہے۔ ایک مسلمان کے لئے ہر معاملے میں سچائی ہے وابستہ رہنا اور تمام مسائل کو اسی زاویہ نگاہ سے دیکھنا از بس ضروری ہے۔ اس کے برعکس جھوٹ ایک بہت بڑی لعنت ہے۔ یہ ایسی برائی ہے جو جھوٹے شخص کے اندرونی فساد کی غماز ہے۔ اس لئے آپ ﷺ نے صاف صاف فرمادیا کہ مومن کا جھوٹ سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ نے فرمایا:

مومن کے اندر تمام خرابیاں پائی جاسکتی ہیں سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔ (۵۵)

ایک اور روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

نہیں آدمی جنت میں نہیں جاسکتے۔ ایک بوڑھا زانی، دوسرا جھوٹا سربراہ، تیسرا تنگ دست مشکبر۔ (۵۶)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جھوٹ سے زیادہ کسی بری عادت سے نفرت نہ تھی۔ اگر آپ کو اس طرح کی کوئی اطلاع ملتی کہ فلاں شخص نے دروغ گوئی سے کام لیا ہے تو آپ اس کا احترام اور وقار دل سے نکال دیتے جب تک کہ آپ کو یہ علم نہ ہو جاتا کہ اس نے توبہ کر لی ہے۔ (۵۷)

یہ حقیقت ہے کہ اگر آدمی اپنی باتوں میں سچا اور اپنے اقوال میں راست باز ہے تو اس

(۵۵) احمد ج ۵ ص ۲۵۲، سنن ابی نعیم شعب الایمان دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۰ھ/ ج ۳ ص ۳۲۳ رقم

۵۲۶۷ (۵۶) بزار ج ۱ ص ۳۹۳ رقم ۲۵۲۹ (۵۷) احمد ج ۶ ص ۱۵۲

آج کے زندہ مسائل

کے اعمال میں بھی سچائی اور خلوص اور احوال میں فلاح و صلاح لازم پیدا ہوگی۔ حق گوئی و راست بازی کو اختیار کرنے کا اثر براہ راست دل و دماغ پر بھی ہوتا ہے اور اس کی روشنی سے دل و دماغ کی ظلمتیں بھی کا فور ہو جاتی ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۖ يُصَدِّقْ
لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَ
رَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور درست بات کیا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے گا وہ بہت بڑی کامیابی حاصل کرے گا۔ (۵۸)

سچا اور کھر اعمل ہی مطلوب ہے، کیونکہ اس میں کھوٹ کا کوئی تصور نہیں ہوتا اور وہ اخلاص سے پُر ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے سچائی ہی کی تلقین کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا:

سچائی کو اختیار کرو، اس لئے کہ سچائی نیکی کی راہ دکھاتی ہے اور نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے۔ ایک شخص مسلسل سچ بولتا رہتا ہے اور سچائی کو اختیار کئے رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں اس کو صدیق (راست باز) لکھ دیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ سے بچو، اس لئے کہ جھوٹ فسق و فجور کی طرف اشارہ پہنچاتا ہے اور فسق و فجور (آخر کار) جہنم میں جاگرا دیتا ہے، لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ سے چمٹا رہتا ہے حتیٰ کہ اسے اللہ کے ہاں لڈا ب (نہایت جھوٹ) لکھ دیا جاتا ہے۔ (۵۹)

چنانچہ آپ ﷺ کے زمانے میں اور آپ کے بعد کافی عرصے تک مسلمانوں کا یہی طر عمل تھا ان کے آپس کے تعلقات فضائل و کردار کی بنیاد پر تھے۔ انسان کے اندر خیانت کے پید

(۵۸) الاحزاب: ۷۰، ۷۱، (۵۹) بخاری، ج ۵ ص ۲۶۱، رقم ۶۳۷۷

☆ بخاری، الادب المفرد، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، ج ۱ ص ۱۴۰، رقم ۳۸۰

آج کے زندہ مسائل

تعمیر شخصیت و فلاح انسانیت

ابو نے میں بھی کذب کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اگر انسان فطرنا راست باز اور حق گو طبیعت کا مالک ہو تو وہ قطعاً اس فعل مذموم کی جانب راغب نہیں ہوگا۔ اس لئے امانت کا صدق کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اہمیت کی پیش نظر امانت پر کافی زور دیا ہے۔ آپ ﷺ اپنے خطبات میں عام طور پر یہ جملہ ارشاد فرماتے تھے:

لا ایمان لمن لا امانة له (۶۰)

اس شخص کا ایمان نہیں جس میں امانت نہیں۔

صدق و امانت کا ایک بڑا سہما تعلق تجارت سے بھی ہے، تا جرحضرات (الہامشا، اللہ) اپنے مال کو جھوٹے اور زیادہ منافع حاصل کرنے کی غرض سے عموماً جھوٹ سے کام لیتے ہیں۔ اور ہمارے ہاں تو تجارت کی بنیاد ہی حد سے تجاوز کرتے ہوئے طمع و ابلج پر قائم ہے۔ ایک جانب اگر دکاندار زیادہ منافع کا خواہش مند ہوتا ہے تو دوسری جانب خریدار اشیاء مفت ہی حاصل کر لینا چاہتا ہے۔ اس کشمکش کے دوران کئی مراحل پر صورت حال صدق و امانت کے تقاضوں کو پورا کرتی نظر نہیں آتی۔ آپ ﷺ نے اس کے سد باب کے لئے بھی عملی کوشش فرمائی ایک روایت میں فرمایا کہ خرید و فروخت کرنے والوں کو جدا ہونے سے پہلے اپنے اختیار ہے (۶۱) اگر ان دونوں نے سچائی سے کام لیا اور ایک دوسرے کی خرابیوں کی وضاحت کر دی تو ان کے معاملے میں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے گا، اور اگر ان دونوں نے جھوٹ سے کام لینا چاہا اور عیوب کو چھپایا تو ہو سکتا ہے کہ انہیں کچھ فائدہ حاصل ہو جائے، لیکن ان کی تجارت سے برکت اٹھ جائے گی۔ (۶۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خود نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ (سامان بیچتے وقت دکاندار کی) قسم سے سامان تو جلد تک جاتا ہے مگر اس میں برکت نہیں رہتی۔ (۶۳)

اسی تجارتی جھوٹ اور تجارت کی شاعت آپ ﷺ نے ایک روایت میں اس طرح

(۶۰) ابن حبان/ ج ۳ ص ۴۲۲ رقم ۱۹۳، ابن ابی شیبہ، ابو بکر عبد اللہ بن محمد (م ۲۳۵ھ) المصنف/

مکتبۃ الرشید، ریاض ۱۴۰۹/ ج ۶ ص ۱۵۹ رقم ۳۰۳۲۰ (۶۱) بخاری/ ج ۲ ص ۴۳ رقم ۲۰۲

(۶۲) بخاری/ ج ۲ ص ۴۳ رقم ۲۰۲ (۶۳) بخاری/ ج ۲ ص ۳۵ رقم ۱۹۸۱

ظاہر فرمائی، حضرت واعلم بن اسحاق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے کوئی عیب والی چیز کسی کے ہاتھ فروخت کی، اور خریدار کو وہ عیب نہیں بتایا تو اس پر ہمیشہ خدا کا غضب رہے گا، اور فرشتے اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔ (۶۴)

اسلام نے امانت کو وسیع مفہوم میں لیا ہے۔ اس کے فلسفے کے مطابق صرف امانت رکھ کر مکر جانا ہی خیانت نہیں بلکہ عہدوں اور مناصب کی تقرری فرما، انصاف کی ادائیگی، خدا کی ودیعت کردہ صلاحیت و دولت اور دوسروں کے راز یہ تمام امانت میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے خلاف کوئی بھی قدم اٹھانا خیانت ہوگا۔

۶۔ عفو و درگزر

کسی بھی معاملے میں جذبات سے مغلوب ہونا بھوش و خرد سے بے گانہ کر دیتا ہے، اور غصے کی حالت میں کئے جانے والے اکثر ہنگامہ تقریباً تمام افعال بعد میں پچھتاوے کا باعث بنتے ہیں۔ یہ نقصان عام طور پر توفرد و واحد کے ساتھ خاص ہوتا ہے، لیکن ایک فلاحی اور مثالی ریاست میں ایسے مغلوب الغضب افراد سے پورے معاشرے کا متاثر ہونا بدیہی امر ہے۔ غصے کی ان تباہ کاریوں اور مسلم سوسائٹی پر پڑنے والے اس کے منفی و مہلک اثرات کو دیکھتے ہوئے آپ ﷺ نے اس کی بیخ کنی پر بھرپور انداز میں توجہ دیتے ہوئے حلم و عفو اور درگزر کا درس دیا۔ آپ ﷺ نے ایک روز خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

سن لو! ان میں سب سے بہتر وہ ہیں جو دیر میں غصہ ہوتے ہیں اور فوراً اس سے توبہ کر لیتے ہیں، اور ان میں سب سے برے وہ ہیں جو جلد غصہ ہو جاتے ہیں، لیکن ان کی واپسی بہت دیر میں ہوتی ہے۔ (۶۵)

غصہ اس لئے بھی ناپسندیدہ ہے کہ اس کی لپٹیں بھڑک کر اپنی دسترس میں آنے والے تمام

امور کو بھسم کر دیتی ہیں، ایسے شخص سے عقل و شعور معدوم ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے آپ ﷺ نے صاحبِ حلم کو پہلوان سے تشبیہ دی، جیسے پہلوان اپنے مد مقابل کو پچھاڑ دیتا ہے، اسی طرح غصے پر قابو پانے والا شخص اپنے سب سے سرکش حریف (نفس) کو پچھاڑنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، بلکہ نفس کے پچھاڑنے والے شخص کو آپ ﷺ نے اصلی پہلوان قرار دیا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ پہلوان کسے کہتے ہو، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ جس کو کوئی شخص زیر نہ کر سکے وہ پہلوان ہے۔ آپ نے فرمایا:

نہیں پہلوانی پچھاڑنے کا نام نہیں بلکہ اصل پہلوان تو وہ شخص ہے جو غصے

کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔ (۶۶)

اسی طرح ایک شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ مجھے کوئی ایسا مختصر حکم فرمائیے کہ میرے دماغ میں آجائے آپ ﷺ نے فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو، اس نے بار بار اپنا سوال دہرایا مگر آپ ﷺ نے ہر بار یہی فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو۔ (۶۷) اس سوال کا اس سے مختصر اور اس سے بہتر جواب اور کیا ہو سکتا تھا؟

اہل عرب کی جاہلیت کی بنیاد سرکشی و عداوت پر تھی اور طیش و غضب ان کا خاص شعار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مقابل عفو و درگزر کی ترغیب دے کر زمانہ جاہلیت کی تیزی و شدت اور عداوت و جذباتیت کا خاتمہ کر دیا۔ معاشرے میں بھائی چارے اور رواداری کے فروغ کے لئے آپ ﷺ نے کئی انداز سے نصیحتیں فرمائیں۔ ظلم و زیادتی اور طیش و غضب کو اسلام کے دائرے سے خارج قرار دیا، اور گالی گلوچ کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا:

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑائی جھگڑا کرنا کفر ہے۔ (۶۸)

حلم و بردباری اور عفو و درگزر کی تعلیم و ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

باہم گالی گلوچ کرنے والوں میں سارا گناہ اس کے اوپر جائے گا جو اس کی

ابتدا کرنے والا ہے۔ سوائے اس کے کہ مظلوم حد سے تہاؤ ذکر جائے (۶۹)

(۶۶) بخاری ج ۵ ص ۲۲۶ رقم ۵۷۲۳، مسلم ج ۳ ص ۱۹۰ رقم ۲۶۰۹ (۶۷) بخاری

ایضاً، رقم ۵۷۲۵ (۶۸) بخاری ج ۵ ص ۲۷۲ رقم ۵۸۲۸، مسلم ج ۳ ص ۲۹۱ (۶۹) مسلم ج ۳ ص ۱۸۱ رقم ۲۵۸۷

آج کے زندہ مسائل

تعمیر شخصیت و فلاح انسانیت

تیز و تند جذبات کے موقع پر بھی حلم و بردباری سے کام لینا ہی مناسب ہے۔ اس طرح جہاں جھگڑا طول نہیں پکڑتا وہیں مخالف فریق کو بھی نصیحت ہوتی ہے، اور جلد یا بدیر اس کو اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا ہے۔

آپ کی ان ہدایات اور تربیت کا اثر یہ ہوا کہ دور جہالت کی سب سے خطرناک اور ضرر رساں بیماری انتقام کی جڑ کٹ گئی اور صدیوں سے جاری وہ تیزی اور جذباتیت ختم ہو گئی جو جاہلیت کی پہچان اور ان کی معاشرت کا حصہ تھی۔ پورے معاشرے میں غفور و رزاکا چلن عام ہوا اور لوگ باہمی حقوق ادا کرنے پر ہمہ وقت کمر بستہ رہنے لگے۔ آپ ﷺ نے ایسا نظام قائم فرمایا کہ اگر کوئی شخص معاف کرنے پر تیار نہ ہو تو وہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اپنا حق حاصل کر لے۔

فلاح انسانیت

اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ اگر افراد کی اصلاح ہو جائے تو معاشرے کے تمام منفی پہلو تبدیل کیے عمل کو قبول کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں اور معاشرے کی اصلاح کا عمل کسی رکاوٹ کے بغیر جاری ہو سکتا ہے۔ لیکن بہت سے معاملات ایسے ہیں جن کا تعلق انسانیت کے مجموعے سے ہے، اور افراد کی تعمیر کے باوجود ان میں اصلاح کی گنجائش موجود رہتی ہے، بلکہ اگر اس پہلو کو نظر انداز کر دیا جائے تو افراد کی تربیت کے سلسلے میں کی جانے والی کوششوں کے ضیاع کا امکان بھی خاصی حد تک موجود رہتا ہے۔ کیوں کہ یہ مسلمہ امر ہے کہ افرادی کے ذریعے تربیت پانے والا معاشرہ افراد کی صلاحیتوں اور ان کی نظریات پر براہ راست اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرد کے ساتھ ساتھ پورے انسانی معاشرے کی اصلاح و رہنمائی کے لیے ایسے قوانین مرتب فرمائے جن کی بنیاد پر وہ خالص انسانی معاشرہ وجود میں آیا جہاں حیوانوں کے حقوق کا بھی تحفظ ریاست کے بنیادی فرائض میں شامل تھا، جہاں اگر بشری کمزوریاں تھیں تو ان کا انسداد بھی تھا، اگر خطا تھی تو اس کی تلافی کا نظام بھی موجود تھا۔ آپ ﷺ نے یہ سب کچھ پیش فرما کر ثابت کر دیا کہ اگر انسان چاہے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ودیعت کردہ

آج کے زندہ مسائل

تعمیرِ شخصیت و فلاحِ انسانیت

سلاہیتوں کے بل پر ایسا معاشرہ تشکیل پاسکتا ہے جو ہر لحاظ سے قابل رشک اور قابل تقلید ہو۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں کسی معاشرے میں استحکام و ارتقا کے بعد انہدام و افساد کی صورت پیدا ہوئی تو اس کا واحد سبب یہی تھا کہ انہوں نے تعلیمات محمدی ﷺ کو پس پشت ڈال دیا تھا اور اپنے بنائے ہوئے نظام پر چلنے لگے تھے۔ جبکہ اس حقیقت کو کون جھٹلا سکتا ہے کہ خدا کے منتخب کردہ نظام کے مقابل، خواہ نظامِ حکومت و سیاست ہو یا نظامِ معیشت و تجارت، انسان ساختہ نظام کی کیا حقیقت و وقعت ہو سکتی ہے، کیوں کہ کسی بھی ”انسان ساختہ نظام“ کی دوسری خرابیوں سے قطع نظر اس کی سب سے بڑی خرابی یہی ہوتی ہے کہ وہ انسان کا اپنا بنایا ہوا ہے۔ جب خود انسان ہی میں جامع کمالات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے بعد صفت کمال معدوم و مفقود ہے تو اس کا تراش ہوا کوئی بھی نظام صفت کمال کے ساتھ کیوں کر متصف ہو سکتا ہے؟

دنیا میں حکومت و سلطنت کا عطا ہونا اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے۔ اس نعمت کا حقیقی سبب تو اللہ کی دین ہے۔ یہ اس پر موقوف نہیں کہ کوئی شخص پہلے سے اپنے اعلیٰ نسب و حسب کی بنا پر اس کی قابلیت و اہلیت اور استحقاق رکھتا ہو۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ اس کے پاس علم اور قوتِ بدنہ کے ساتھ ساتھ اس کے مطابق عمل کرنے کی قدرت بھی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی اس نعمت کے مطاع کرنے کا جو وعدہ کیا ہے اس کے حصول کا ذریعہ صرف اس کی بندگی ہے، اور بندگی یہ ہے کہ اس کے احکام کو دل و جان سے قبول کر کے ان پر عمل کرے، اسی کا نام ایمان اور عمل صالح ہے۔ اسی سے اللہ کی رضا حاصل ہوگی جس کا ثمرہ آخرت میں جنت کی شکل میں اور دنیا میں اس کی رحمتوں اور برکتوں کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

بہر حال اس بارے میں کوئی ابہام نہیں کہ انسانی فلاح و بہبود پر مبنی معاشرے کے قیام کے لئے صرف اور صرف سیرتِ طیبہ، تعلیماتِ نبوی اور آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہی مشعلِ راہ ہو سکتا ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کو اس باب میں چند ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۲۔ نظامِ زکوٰۃ

۱۔ اجتماعیت

۴۔ عدل و انصاف

۳۔ مساوات و اعتدال

۱۔ صبر و استقامت

۵۔ نظامِ جزا و سزا

۷۔ فلاحِ عالم

ذیل میں ان عنوانات پر قدرے وضاحت سے روشنی ڈالی جاتی ہے۔

۱۔ اجتماعیت

ہر شخص اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ اجتماعیت ہر معاشرے کی ضرورت ہے۔ ہر فرد کسی نہ کسی درجے میں دوسرے فرد کا محتاج نظر آتا ہے، جبکہ خود پسندی اور خود غرضی اجتماعیت کی دشمن ہیں۔ ایسے اشخاص فلاحی معاشرے کی تشکیل میں رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں۔ یہ مرض اگرچہ انفرادی ہے مگر اس کے اثرات دور رس اور اجتماعی زندگی کے لئے نہایت نقصان دہ ہیں۔ خود غرضی جب کسی انسان پر چھاتی ہے تو اس کو محدود کر دیتی ہے اور وہ اپنے خول میں بند ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ بیماری اس کی اچھائیوں کو ختم کر کے برائیوں کی نشوونما میں تیزی سے اضافہ کرتی ہے۔ ایسے شخص کے خوشی و غم اس کی ذات سے متعلق ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس کو اپنے آس پاس کے ماحول سے سروکار صرف اسی وقت ہوتا ہے جب اس کی اپنی کوئی غرض اس سے وابستہ ہو۔ اس بیماری کا خاتمہ بھی اجتماعیت ہی سے ممکن ہے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعیت پر خاص طور پر زور دیا اور اس کے ساتھ ہی افتراق کی بھی بھرپور مذمت فرمائی، کیونکہ افتراق کی نفی اجتماع کا احیاء ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ فَارَقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا كُتِبَتْ مِنْهُمْ فِي
إِسْمَائِهِمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا
يَفْعَلُونَ ﴿۷۰﴾

جن لوگوں نے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور وہ بہت سے فرقے ہو گئے تو
آپ کو ان کی کسی بات سے بھی کچھ سروکار نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد
ہے، پھر وہ ان کو بتادے گا جو کچھ وہ کرتے تھے۔ (۷۰)

آج کے زندہ مسائل

تعمیرِ شہنیت و فلاحِ انسانیت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر تفرقہ ڈالنے والوں کی مذمت کی ہے۔ اسلام نے اپنی اجتماعیت کی شان کو مختلف مواقع پر نمایاں فرمایا ہے۔ ایمان کے بعد ارکانِ اسلام میں پہلا درجہ نماز کا ہے۔ اسلام کے فلسفہ اجتماعیت کو سمجھنے کے لئے نماز ایک مثال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی نہایت تاکید فرمائی اور جماعت کے ساتھ ادا کی گئی نماز کو تنہا پڑھی جانے والی نماز کے مقابلے میں اجر و ثواب کے اعتبار سے ستائیس گنا زیادہ فرمایا، ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

صلاة الرجلین یوم احدہما صاحبہ ازکی عند اللہ من
صلاة اربعة تتری، و صلاة اربعة یوم احدہم ازکی عند اللہ
من صلاة ثمانية تتری، و صلاة ثمانية یوم احدہم ازکی
عند اللہ من مائة تتری (۷۱)

دو افراد کا باہم جماعت سے نماز پڑھنا اللہ کے نزدیک چار افراد کے علیحدہ علیحدہ نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور چار افراد کا باہم جماعت سے نماز پڑھنا اللہ کے نزدیک آٹھ افراد کے علیحدہ علیحدہ نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور آٹھ افراد کا باہم جماعت سے نماز پڑھنا ستر افراد کے تنہا تنہا نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

نماز اگرچہ جماعت کے بغیر بھی ادا کی جاسکتی ہے لیکن اس میں اجتماعیت کی شان پیدا نہیں ہوتی، بلکہ یہ ایک طرح سے افتراق کی علامت ہے۔ اس لئے نماز پنج گانہ کی جماعت کے ساتھ ادائیگی مسلمانوں میں اجتماعیت کو تقویت پہنچاتی ہے۔ پھر اس میں رحمت پیدا کرنے کے لئے پورے علاقے کے لوگوں کے لئے ہفتے میں ایک بار جمعہ کی ادائیگی فرض قرار دی گئی اور اس کو مسجد کے ساتھ مشروط کیا گیا۔ جبکہ اس کے دانستہ ترک پر سخت ترین وعید سنائی گئی اور فرمایا:

جو شخص متواتر تین جمعے ترک کرتا ہے تو اللہ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے (۷۲)

یہ سب تاکید اس لئے ہے کہ عام ایام میں سستی کرنے والے افراد کو بھی باہم مل بیٹھنے کا موقع

آج کے زندہ مسائل

فراہم ہو سکے۔ پھر سال میں دو بار عید کے نام سے جمع ہونے کی تاکید فرمائی گئی تاکہ ایک علاقے کے لوگ دوسرے علاقے والوں کے ساتھ جمع ہو کر اسلام کی اجتماعی شان کو دوبالا کر سکیں۔ اسی لئے عیدین کے لئے میدان اور کھلی جگہ کو پسند کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں صرف ایک بار مسجد نبوی میں نماز عید ادا فرمائی اور وہ بھی بارش کی بنا پر، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ عید کے دن بارش ہوئی تو آپ ﷺ نے ہمیں عید کی نماز مسجد نبوی میں پڑھائی۔ (۷۳)

ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تین صفات ایسی ہیں جن کے خلاف کسی مسلمان کے دل میں کیڑہ نہیں ہونا چاہئے۔ (وہ تین صفات یہ ہیں) ۱۔ اخلاص ۲۔ مسلمانوں کی خیر خواہی ۳۔ اجتماعیت پسندی۔ جس میں یہ صفات ہوں گی اس کی دعا تمام افراد کی خیر خواہی پر مشتمل ہوگی۔ (۷۴)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام کی اجتماعیت پسندی نماز تک محدود نہیں بلکہ اس نے امت کو اکٹھا رکھنے اور انتشار و افتراق سے بچانے کے لئے مختلف انداز سے ترغیب دی ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں اتحاد و اتفاق کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

عليكم بالجماعة فان يد الله على الجماعة وان الشيطان مع الواحد وهو من الاثنین ابعد (۷۵)

تم پر جماعت کی پیروی لازم ہے، اور شیطان ہر تنہا شخص کے ساتھ ہوتا ہے، اور دو افراد سے دور بھاگتا ہے۔

مشاورت

اجتماعیت کیلئے مشاورت کی اہمیت بھی مسلمہ ہے کیونکہ اس کے بغیر امور سلطنت سے عوام کا کوئی رابطہ نہیں رہتا، جبکہ مشاورت کے نتیجے میں ایک تو تمام اراکین مملکت اور باشندگان سلطنت اپنے آپ کو براہ راست حکومت میں شریک تصور کرتے ہیں، جس سے نظام حکومت میں کسی قسم

(۷۳) ابوداؤد/ج ۱ ص ۴۳۱، رقم ۱۱۶۰، ۱۱۶۱ ابن ماجہ/ج ۲ ص ۴۲۲، رقم ۱۳۱۳

(۷۴) (رواہ ہزار (۷۵) شعب الایمان/ج ۲ ص ۴۸۸، رقم ۱۱۰۸۵

آج کے زندہ مسائل

کے فساد کا خطہ باقی نہیں رہتا، دوسرے اس کی وجہ سے ذہین اور باصلاحیت افراد کی صلاحیتوں سے سلطنت براہ راست مستغید ہوتی ہے۔ اسی بنا پر اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کو بھی مشاورت کا علم دیا، ورنہ پوری امت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ وحی سے قطع نظر آپ ﷺ عقل و دانش اور علم و فہم میں بھی تمام لوگوں سے برتر تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ

اور آپ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر لیا کیجئے۔ (۷۶)

چنانچہ آپ ﷺ نے خود بھی اس پر عمل فرمایا اور مسلمانوں کو بھی باہم مشاورت قائم کرنے کی تاکید فرمائی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف میں فرمایا:

وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ

ان مسلمانوں کے معاملات کا بھی مشورے سے انجام پاتے ہیں (۷۷)

چنانچہ غزوہ بدر کے قیدیوں کا معاملہ ہو یا غزوہ خندق کے موقع پر خندق کھودنے کی تجویز، یا غزوہ حنین میں قیدیوں کی واپسی کا معاملہ، آپ نے ہر موقع پر اور ہر معاملے میں صحابہ کرام سے مشورے کے بعد ہی کوئی قدم اٹھایا۔ یہ صرف امت کی تعلیم کے لئے تھا ورنہ اگر آپ فیصلہ فرمادیتے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے وہ یقیناً بشارت طبع کے ساتھ واجب التعمیل ہوتا۔

تعیش پسندی کی ممانعت

امرا اور سرمایہ داروں کی بقا کے لئے تعیش پسندی ضروری ہے۔ اس کا سہارا لے کر وہ معاشرے میں مصنوعی طبقاتی تقسیم پیدا کر دیتے ہیں، اور پھر معاشرہ دو حصوں میں بٹ جاتا ہے، ایک امیر ترین افراد کا طبقہ اور دوسرا غریب افراد کا۔ یہ چیز اجتماعیت کی ضد اور فلاحی معاشرے کے لئے نہایت ضرور رساں ہے۔ اسی بنا پر آپ نے مصنوعی تقسیم کو ختم فرما کر اجتماعیت کی روح کو زندہ کیا۔ اس زمانے میں عام رواج تھا کہ بادشاہ اور سلاطین اونچے اونچے محلوں اور ایوانوں میں قیمتی لباس اور سونے چاندی اور جواہرات سے آراستہ ہو کر پیش بہانتھوں پر بیٹھا کرتے تھے۔ ان کے امرا بھی سونے چاندی کی مرصع کرسیوں اور دریشمی گدوں پر متمکن ہوتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان

آج کے زندہ مسائل

مصنوعی امتیازات کو یکسر ختم کر کے رکھ دیا۔ آپ نے مردوں کیلئے سونا چاندی کے سامان اور ریشمی لباس و فراش کو حرام ٹھہرایا۔ حاکم وقت کے لئے مسجد اور اس کا صحن ہی ایوان تھا۔ دربان و چوب دار ممنوع قرار دیئے، چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر اور دیگر حکام عوام کے کندھے سے کندھے ملا کر چلنے لگے اور تفریق و انتشار کا باب بند ہو کر اجتماعیت کی راہ ہموار ہو گئی۔

انسداد رشوت

معاشرے کی اجتماعیت کیلئے جو چیز سب سے بڑا خطرہ ثابت ہوتی ہے وہ رشوت کی لعنت ہے، جس نے اچھے اچھے معاشروں کا قلیل ترین مدت میں شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ رشوت معاشرے میں ظلم و استبداد کو جنم دیتی ہے، برائیوں اور بدعنوانیوں کو پروان چڑھاتی اور عدل و انصاف کا قلع قمع کرتی ہے۔ اس کے باعث لوگوں کے جائز حقوق غصب کئے جاتے ہیں اور ان کے جان و مال پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے۔ اس سے بدعنوانی اور بددیانتی کو فروغ ملتا ہے، حق تلفی، فریب کاری، حرص و طمع اور عہد شکنی و باہمی نزاع کا دروازہ کھل جاتا ہے، ظلم و ستم کا دور دورہ ہوتا ہے۔ اہل حق کے لئے اپنا حق حاصل کرنا ممکن ہو جاتا ہے، شرفاء کی عزت باقی نہیں رہتی، فتنہ گردی اور قتل و غارت گری عام ہو جاتی ہے، اور امن و امان تباہ ہو جاتا ہے، اسی لئے نہ تو رشوت زدہ معاشرہ فلاح پا سکتا ہے اور نہ ترقی کا سفر طے کر سکتا ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے رشوت دینے اور لینے والے پر لعنت فرمائی۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے رشوت دینے اور لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (۷۸)

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت میں یہ آیا ہے کہ جو شخص فیصلے کے بارے میں رشوت لے یا دے ان دونوں پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے (۷۹)

۲۔ نظام زکوٰۃ

نظام زکوٰۃ اسلام کی ان گنت خصوصیات میں سے ایک ہے، اس کی افادیت کئی جہت سے ہے۔ اس کا ایک پہلو جو سب سے اہم ہے وہ یہ ہے کہ اس سے دولت پرستی اور حب مال کے

(۷۸) ترمذی / رقم ۱۳۷۷، ابوداؤد ج ۳ ص ۲۹۱، رقم ۳۵۹۰ (۷۹) ترمذی ج ۳ ص ۶۵، رقم ۱۳۷۷

آج کے زندہ مسائل

موزی مرض کی بچ کئی ہو جاتی ہے، جو معاشرے میں اتحاد و اتفاق کے لئے سدا رہا ہے۔ اس سے ضرورت مند اور پریشان حال افراد کی ضروریات کا ایک بڑا حصہ پورا ہوتا ہے۔ اس سے غربا کے دلوں میں بھی معاشرے کی اہمیت اور اجتماعی فوائد کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ فلاح انسانیت کے بارے میں آپ ﷺ کا یہ ایک بڑا کارنامہ ہے، کیونکہ اس کے سب سے پہلے داعی آپ ہی تھے۔ آپ سے پہلے اس کو کوئی تصور نہ تھا۔ اس نظام پر عمل درآمد کے نتیجے میں خلفائے راشدین کے زمانے میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ زکوٰۃ دینے والے ہاتھوں میں زکوٰۃ لئے مستحق لوگوں کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے تھے، اور کوئی زکوٰۃ کا مستحق تو کجا کوئی ایسا شخص بھی نہ ملتا تھا جو زکوٰۃ لینے کے استحقاق کا صرف دعوے داری ہوتا۔

مالی امور ہمیشہ نازک اور حساس ہوتے ہیں، ان سے جہاں ایک جانب معاشرے کے اتحاد و اتفاق کی راہیں ہموار ہوتی ہیں، وہیں ان سے افتراق و انتشار کا اندیشہ بھی رہتا ہے۔ اسی لئے محسن انسانیت ﷺ نے مال و دولت کو صحیح مصرف پر کامل دیانت داری اور مکمل ذوق و شوق کے ساتھ خرچ کرنے کی نہ صرف مسلمانوں کو ہدایت فرمائی بلکہ اس کے لئے مختلف ترغیبات بھی دیں۔

حضرت مرشد بن عبد اللہ تابعی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی ہے کہ قیامت کے روز مومن پر اس کے صدقے کا سایہ ہوگا۔ (۸۰)

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے۔ (۸۱)

آپ ﷺ نے بلا ضرورت زکوٰۃ لینے کی ممانعت فرمائی، نیز حصول زکوٰۃ کو صرف بقدر ضرورت اور بوقت ضرورت جائز قرار دیا اور اس کے حصول کے عموم کی بھی نفی فرمادی:

عبد المطلب بن رجبہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

یہ صدقات (زکوٰۃ وغیرہ) لوگوں کے مال و دولت کا میل کچیل ہیں اور

(۸۰) مسند احمد، ج ۴ ص ۲۳۳ رقم ۱۸۰۷۲، مجمع الزوائد، ج ۳ ص ۵۰۲ رقم ۶۹۱۳

(۸۱) ترمذی، ج ۲ ص ۱۳۶ رقم ۶۶۴

محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کے لئے حلال نہیں ہیں۔ (۸۲)

صدقات کو میل کچیل اس لئے فرمایا کہ جس طرح کپڑا میل کچیل دور ہونے کے بعد صاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مال کی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد وہ مال بھی پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے گداگری کے قبیح فعل کی بھی مذمت فرمائی ہے۔ ایک طویل روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک انصاری صحابی کا واقعہ مروی ہے جس میں حضور ﷺ نے زبانی ترغیب دینے کے ساتھ ساتھ عملی طور پر اسے محنت مزدوری پر لگا دیا، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کر رہے ہیں کہ ایک انصاری شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے کچھ سوال کیا (مانگا) آپ نے پوچھا کہ تیرے گھر میں کچھ ہے؟ اس نے کہا کیوں نہیں ایک کمل ہے جس کا کچھ حصہ ہم اوڑھتے ہیں اور کچھ حصہ بچھاتے ہیں، اور ایک پیالہ ہے جس سے پانی پیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ دونوں چیزیں لے آؤ، راوی کہتے ہیں کہ وہ دونوں چیزیں لے آیا، رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں کون خریدے گا، ایک شخص نے کہا کہ میں ایک درہم میں یہ دونوں چیزیں لیتا ہوں، حضور ﷺ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا کہ ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں دو درہم میں لیتا ہوں، آپ ﷺ نے دونوں چیزیں اس شخص کو دے دیں اور دو درہم لے لئے، اور اس انصاری کو دے کر فرمایا کہ ایک درہم سے تو کھانے کی چیزیں لے لو اور اپنے گھر والوں کو دے دو اور ایک درہم کی کلباڑی لے کر آؤ، وہ انصاری کلباڑی لے کر آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس میں دستہ اگایا اور پھر اس سے کہا کہ جاؤ اور لکڑیاں کاٹ کر لاؤ اور بیچو اور پندرہ روز تک میں تمہیں یہاں نہیں دیکھوں، چنانچہ وہ شخص چلا گیا اور لکڑیاں کاٹ کر لاتا تھا اور بیچتا تھا، پھر (ایک روز) وہ آیا اس کے پاس دس درہم تھے، اس نے کچھ کپڑا خریدا اور کچھ کاغذ، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ تیرے مانگنے کی وجہ سے روز قیامت تیرے چہرے پر ایک داغ ہو، (یاد رکھو) دست سوال دراز کرنا صرف تین طرح کے افراد کے لئے جائز ہے۔ ۱۔ وہ انتہائی تنگ دست شخص جو خاک میں لوٹتا ہو، ۲۔ وہ شخص جو انتہائی گھبراہ دینے والا قرض سر پر رکھتا ہو، ۳۔ وہ شخص جس سے قتل

آج کے زندہ مسائل

۸۰

تعمیرِ شخصیت و فلاحِ انسانیت

ہو گیا ہو اور وہ دیت ادا نہ کر سکتا ہو۔ (۸۳)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اوپر والا ہاتھ دینے والا ہے

اور نیچے والا ہاتھ مانگنے والا ہے۔ (۸۴)

نظامِ زکوٰۃ کا ایک اور پہلو جو قابلِ ذکر اور اپنی اہمیت کی بنا پر لائقِ توجہ ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنی محنت سے کمائے ہوئے مال پر جب اپنے رب کے نام کا حصہ بطورِ زکوٰۃ نکالتا ہے تو وہ نماز، روزے کی طرح اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اقرار کرتے ہوئے اس کا عملی مظاہرہ کرتا ہے۔ جیسے نماز میں سجدہ غایتِ تذلل کی علامت ہے، اسی طرح محنت و مشقت سے اکٹھے کئے ہوئے مال میں سے سال کے سال عاملِ زکوٰۃ کے کہنے پر فقط اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ایک حصہ نکال دینا اس غایت درجے کے تذلل سے کم نہیں۔ آنحضرت ﷺ کی ان تعلیمات کا نتیجہ یہ ہے کہ فرد کی خود غرضانہ سوچ اور اپنی ذات سے وابستہ فوائد ملتے چلے جاتے ہیں، اور ان کے اندر اجتماعی سوچ بیدار ہو جاتی ہے۔ وہ دوسروں کی بھلائی چاہنے لگتا ہے۔ اور اس کی تمام تر سرگرمیاں فلاحِ انسانیت کیلئے وقف ہو جاتی ہیں۔

۳۔ مساوات و اعتدال

آپ ﷺ نے معاشرے میں اونچ نیچ ختم کرنے پر بھی زور دیا ہے، اور مساوات و اعتدال کا درس دیا ہے۔

جاہ و مال کی غیر نسواری مناش کا واحد مقصد اپنی برتری کا اظہار ہوتا ہے، اور اس قسم کی منافی سوچ اجتماعیت کے مقصد کو فوت کر کے اتحاد و اتفاق پر مبنی معاشرے کی تباہی کا سبب بن جاتی ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آرائش پر تو پابندی عائد نہیں کی لیکن مناش کو قطعاً ممنوع قرار دیا ہے، اور سرِ معاملے میں مساوات کا درس دیا ہے تاکہ معاشرتی وقار مناش پسندوں کا شکار نہ ہو سکے۔ چنانچہ عبادت و ریاضت، کھانے پینے، سونے جاگنے، اٹھنے بیٹھنے، ملنے جلنے اور رہنے سہنے سے لے کر لباس

(۸۳) ابوداؤد ج ۲ ص ۴۱ رقم ۱۶۴۱ (۸۴) مسند ج ۲ ص ۱۰۴ رقم ۱۰۳۳

آج کے زندہ مسائل

و مکان تک ہر مقام پر آپ ﷺ کی ارشادات اعتدال کا درس دیتے نظر آتے ہیں، اور اگر ہر معاملے میں اعتدال و میاندروی کو اختیار کر لیا جائے تو مساوات خود بخود قائم ہو سکتی ہے۔

انسان نمائش کی ابتدا عموماً اپنے لباس سے کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس بارے میں اعتدال پر مبنی ہدایات فرمائیں۔ آپ ﷺ نے جہاں ایک طرف غریب و فقرا کو ان کے لباس سے قطع نظر ان کے باطنی حالات کے پیش نظر قبولیت کی سند عطا فرمائی، وہیں مالدار افراد کو بھی حیثیت کے مطابق زندگی بسر کرنے کا علم دیا، تاکہ افراط و تفریط کے مابین توازن قائم ہو سکے اور اعتدال کا قیام عمل میں آ سکے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

کتنے ہی پرانگندہ حال جیتھروں میں ملبوس انسان ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ

اللہ کی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرتے ہیں۔ (۸۵)

اور خود آپ ﷺ نے کس حالت میں زندگی بسر کی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گواہی ملاحظہ ہو۔ ابو بردہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے پیوند لگی ہوئی چادر اور ایک یمن کی بنی ہوئی لنگی پیش کی اور خدا کی قسم کھا کر کہا کہ اللہ کے رسول نے انہی دو کپڑوں میں اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کی تھی۔ (۸۶)

دوسری جانب آپ ﷺ نے مالدار افراد کو تلقین کی:

اگر کوئی شخص خوشحال ہے تو کیا حرج ہے کہ اگر وہ کامیاب کاج کے دو کپڑوں

کے علاوہ جمعہ کے دن کے لئے بھی دو کپڑے رکھے۔ (۸۷)

اسی طرح ایک شخص کو میلے کپڑے لباس میں دیکھا تو فرمایا کہ اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ

کپڑے دھو لیا کرے۔ (۸۸)

ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے بدن پر پھنسا پرانا لباس تھا۔ آپ

ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس مال ہے؟ اس نے کہا جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا

(۸۵) ترمذی، ج ۵ ص ۵۵۹، رقم ۳۸۸۰ (۸۶) بخاری، ج ۵ ص ۲۱ (۸۷) ابن ماجہ، ج ۳ ص ۸۷

رقم ۳۵۵۰ (۸۸) ابوداؤد، ج ۵ ص ۵۰۵، رقم ۱۰۷۸ (۸۹) ابوداؤد، ج ۵ ص ۱۲، رقم ۵۰۶۲

آج کے زندہ مسائل
کس قسم کا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اللہ نے مجھے ہر قسم کے مال سے نوازا رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

جب اللہ نے تجھے مال دے رکھا ہے تو اللہ کی نعمت اور سخاوت کا اثر بھی ظاہر کر۔ (۸۹)

لیکن اسلام نے خوش پوشاکی کی حد سے نژدہ راسخ اف کی حدود میں داخل ہو جانے والی آرائش کی سختی سے ممانعت کی ہے جو دراصل نمائش اور دکھلاوے کی خاطر کی جاتی ہے، کیونکہ یہ راہ اعتدال سے ہٹ کر ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: فرمایا:

جس نے دنیا میں شہرت کا لباس زیب تن کیا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا اور اس میں آگ بھڑکائے گا۔ (۹۰)

زیورات خواتین کی فطری خواہش ہیں۔ آپ ﷺ نے اس فطری تقاضے پر پابندی عائد نہیں کی، البتہ افراط سے وہاں بھی منع فرمایا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بہن سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اے عورتو! کیا زیور بنانے کے لئے تمہارے لئے چاندی کافی نہیں ہے؟
خبردار! جو عورت بھی سونے کا زیور بنائے گی اور اس کے ذریعے زینت کا اظہار کرے گی اسے اسی زیور سے عذاب دیا جائے گا۔ (۹۱)

یہ وعید ان عورتوں کے لئے ہے جو زیورات کی دیوانی ہوتی ہیں اور جو رنگ و نور کے سیلاب میں کھو کر فرائض اور حقوق سے غافل ہو جاتی ہیں۔

انسان کھانے پینے کے معاملے میں بہت زیادہ آزاد خیال ہے اور اس موقع پر احتیاط کا دامن مومو اچھوٹا نظر آتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس پہلو پر بھی تنبیہ فرمائی۔ فرمایا:

جو لوگ دنیا میں سب سے زیادہ شکم سیر ہیں، روز قیامت وہی سب سے زیادہ بھوکے ہوں گے۔ (۹۲)

(۸۹) ابوداؤد ج ۳ ص ۱۶، رقم ۴۰۶۳ (۹۰) ابن ماجہ ج ۵ ص ۵۰۳، رقم ۳۶۰۷

(۹۱) ابوداؤد ج ۳ ص ۷۰، رقم ۴۲۳ (۹۲) رواہ بزار

آج کے زندہ مسائل

زیادہ کھانے سے خود انسان کی صحت پر بھی برا اثر پڑتا ہے اور وہ طرح طرح کی مہلک بیماریوں کا شکار ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس امر کی جانب آپ ﷺ نے یوں اشارہ کیا:

اولاد آدم پیٹ سے زیادہ برا برتن اور کوئی نہیں بھرتی۔ (۹۳)

مالدار حضرات کا سب سے زیادہ زور تعمیرات میں صرف ہوتا ہے، اور اس موقع پر عموماً حد اعتدال کو برقرار نہیں رکھا جاتا، اس کا ایک مقصد نمائش کے علاوہ عیش کوشی اور آرام طلبی ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہلو کو بھی تشبیہ نہیں چھوڑا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی جانب گورنر بنا کر روانہ فرمایا تو یہ نصیحت بھی کی:

عیش کوشی سے دور رہنا، کیونکہ اللہ کے بندے آرام طلب نہیں ہوتے (۹۴)

یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ نے سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا حرام فرمادیا اور مردوں کے لئے حریر و ریشم کے استعمال کو ممنوع قرار دیا۔

اس پوری بحث کو ایک حدیث میں یوں مختصر بیان کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

میری امت میں ایسے لوگ آنکس کے جو رنگ برنگ کے کھانے کھائیں

گئے، انواع و اقسام کے مشروبات استعمال کریں گے اور طرح طرح کے

لباس زیب تن کریں گے اور منہ پھر ڈھچکا کر باتیں بنائیں گے، یہی لوگ

میری امت کے بدترین افراد ہوں گے۔ (۹۵)

خود آپ ﷺ نے عملی طور پر اسلامی حکومت کے قیام کے بعد مساوات کا وہ عظیم

الشان نمونہ پیش فرمایا کہ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے آج بھی قاصر ہے۔ آپ ﷺ کے اور

صحابہ کرام کے مابین لباس کے اعتبار سے بھی کوئی فرق موجود نہ تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ کی

نشست بھی ایسی عام اور کسی امتیاز کے بغیر ہوتی تھی کہ باہر سے آنے والے شخص کو آپ کے بارے

میں پوچھنا پڑتا تھا۔ صحابہ کرام نے آپ کے بیٹھنے کے لئے ایک دیوتا بنانا چاہا تو آپ ﷺ نے

اس کو بھی پسند نہ فرمایا۔

ترجمہ: مولانا محمد رفیع الدین، دارالحدیث، لاہور

آن کے زندہ نمائے

تعمیرِ شریعت و فلاحِ انسانیت

۴۔ عدل و انصاف

دنیا کا یہ سارا نظام جو آسمان سے زمین تک پھیلا ہوا ہے صرف اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کی بنا پر قائم ہے، اور قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی، انیس یہ بیان کی ہے کہ وہ اپنی تمام مخلوقات پر اپنی حکمرانی کمال انصاف، اور کامل عدل کے ساتھ قائم رکھے ہوئے ہے، ارشاد خداوندی ہے:

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ
قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨٠﴾

اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور اہل علم نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ انصاف قائم کرنے والا ہے، اس کے سوا کسی کی بندگی جائز نہیں، وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عدل و انصاف صرف نظامِ حکومت، سطوت کے برقرار رکھنے کے لئے ضروری نہیں۔ یہ وہ صفات ہیں جن کا ہونا ہر شعبہ میں ضروری ہے۔ ان کی اس اہمیت پر پیش نظر قرآن کریم میں جہاں چند اچھے کاموں کے کرنے کا حکم مذکور ہے، وہاں سب سے پہلے عدل کا ذکر ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

رَبُّكَ اللَّهُ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ

ہاں اللہ تعالیٰ انصاف و احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔ (۹۷)

معلوم ہوا کہ فلاحِ انسانیت کے لئے معاشرے میں قانون کی بالادستی، اس کا احترام اور عدل و انصاف کا قیام بھی نہایت ضروری ہے، عام طور پر شاہی حکومتوں میں بادشاہ اور شاہی خاندان کے افراد قانون سے بالاتر ہوتے تھے، جبکہ رعایا کی ذرا سی بے ادبی و گستاخی بھی ناقابلِ معافی اور سخت ترین سزا کی موجب ہوتی تھی۔ اس کے برعکس آپ ﷺ نے اسلامی قانون کی بالادستی قائم کی، امیر، مامور، حکم و محکوم اور راعی و رعایا کو قانون کی نظر میں یکساں کر دیا۔

آج کے زندہ مسائل

تعمیر شخصیت و فلاح انسانیت

حیثیت کا حامل قرار دیا، اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ دیگر معاملات کی طرح یہاں بھی قانون الہی کی تعمیل کا اصل نمونہ بطور مثال اپنی ذات اور اپنے اہل بیت کے ذریعے پیش فرمایا۔ زکوٰۃ صدقات اور عشر وغیرہ خاندان نبوت پر بھی عام مسلمانوں کی طرح واجب تھے۔ ایک بار ایک مخزومی عورت فاطمہ بنت قیس نے چوری کی۔ آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، چونکہ اس کا تعلق معزز خاندان سے تھا اس لئے صحابہ کرام نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو آپ کی خدمت میں بھیج کر۔ غدارش کرانی چاہی۔ آپ ﷺ حضرت اسامہ سے بہت زیادہ انس رکھنے کے باوجود ان پر غصے ہوئے، اور فرمایا کہ پہلی امتیں اسی بنا پر تباہ و برباد ہوئیں کہ ان کے ہاں جب کوئی معمولی آدمی جرم کرتا تو اس کو سزا دیتے اور جب وہی جرم کسی بڑے رتبے والے آدمی سے سرزد ہو جاتا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ پھر فرمایا:

اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی یہ جرم کرتی تو میں یقیناً اس کا ہاتھ کاٹتا (۹۸)

یہ تھ آپ ﷺ کا عدل و انصاف جس نے فلاح انسانیت پر مبنی مثالی اور کامیاب معاشرے کی بنیاد رکھی۔

آپ ﷺ نے جس عالمگیر عدل و انصاف کی ترغیب دی اور اس کو عملی طور پر رائج کر کے دکھایا، اس کی رو سے سب انسان برابر تھے اور آپ ﷺ اسلام کے اور اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ بھی اسی انصاف سے کام لیتے تھے جس کے ذریعے اپنے صحابہ کے مابین فیصلہ فرماتے، اور کسی سے اس بنا پر تعصب کا مظاہرہ نہ ہوتا کہ وہ شخص مسلمان نہیں۔ یہود کی دشمنی کوئی پوشیدہ امر نہیں، اس کے باوجود آپ ﷺ نے کسی معاملے میں بھی ان کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں فرمایا۔ خیبر کی زمین جب تقسیم کی گئی تو ایک مرتبہ عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کھجوروں کی بنائی کے لئے گئے۔ ان کے چچا زاد بھائی حمیدہ رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ تھے۔ مہد اللہ ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ کسی نے ان پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دیا اور ان کی ایش ایک گڑھے میں ڈال دی۔ حمیدہ نے آپ ﷺ کے پاس استغاثہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تم قسم کھا سکتے ہو کہ یہودیوں نے ان کو قتل کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر یہودیوں سے حلف

(۹۸) بخاری/ ج ۳ ص ۱۲۸۲، رقم ۳۲۸۸، مسلم/ ج ۳ ص ۱۲۹، رقم ۱۲۸۸

آج کے زندہ مسائل

لیا جائے۔ تحیصہ نے عرض کی یہودیوں کی قسم کا کیا اعتبار؟ یہ تو سومتہ بھی جھوٹی قسمیں کھالیں گے۔ خیبر میں یہود کے علاوہ اور کوئی قوم آباد نہیں تھی، اس لئے یہ امر یقینی تھا کہ عبداللہ کے قاتل یہودی ہی ہیں۔ مگر چونکہ یہی شہادت موجود نہ تھی اس لئے آپ ﷺ نے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی اور عبداللہ کی دیت کے سوانٹ بیت المال سے دلوادے۔ (۹۹)

یہ آپ ﷺ کے عدل ہی کا نتیجہ تھا کہ یہودی اسلام اور آپ کے شدید ترین دشمن ہوتے ہوئے بھی اپنے مقدمات آپ ہی کے پاس لاتے تھے اور آپ ﷺ کی شریعت کے مطابق فیصلے کروا دیتے تھے۔

۵۔ جزا و سزا

جزا و سزا کا تصور نیا نہیں ہے۔ جب سے انسان کا وجود ہے اسی وقت سے یہ قانون بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام اس جہان آب و گل میں وارد ہوئے اور آپ کی اولاد اس دنیا میں پھیلی، تو نیکی و بدی نے بھی اس کے ساتھ جنم لیا۔ اس کے بعد جرائم کو کنٹرول کرنے اور ان کے انداد کیلئے جزا و سزا کا عالمگیر ضابطہ بھی وجود میں آیا۔ اچھے کاموں کا بدلہ جزا کہلاتا ہے اور بدی کے بدلے کو سزا کہتے ہیں۔ اسلام نے اس فطری نظام کی تہذیب و ترتیب کی ہے اور اس کو فطری تقاضوں، بشری کمزوریوں اور حالات سے ہم آہنگ کر کے پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ۝

نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہے؟ (۱۰۰)

اس بنا پر جن لوگوں کو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی جانب حکومت و سلطنت عطا ہو جائے ان کے لئے اسلام کا درس یہ ہے کہ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں۔ جو لوگ مملکت میں بغاوت کریں، ڈاکہ ڈالیں، لوٹ مار کریں تو قرآن کی رو سے اس کی سزا قتل، پھانسی، ہاتھ کاٹنا اور جلا وطنی ہے۔ اسلام ان حدود کے جاری کرنے میں کسی رو رعایت اور نرمی کی اجازت نہیں دیتا۔

(۹۹) نسائی، احمد بن شعیب ابو عبد الرحمن (م ۲۱۵ھ) کتاب القسامۃ، باب تہرئة اہل الدم فی القسامۃ

(۱۰۰) الرحمن: ۶۰

آج کے زندہ مسائل
چنانچہ ان کی مشروعیت و فلاح انسانیت کے لئے ہوئی ہے، اور ان پر صحیح طرح عمل کرنے ہی میں انسانیت کی فلاح و اصلاح ہے۔

انسانی زندگی کے لحاظ سے جزا و سزا کے دو پہلو ہیں۔ ایک دنیاوی دوسرا اخروی۔ اسلام نے دونوں پہلوؤں کا نہایت کامل و مکمل تصور پیش کیا ہے، اسلام سب سے پہلے وہ اسباب تلاش کرتا ہے جو جرائم کا سبب بنتے ہیں، پھر ان اسباب کا خاتمہ کرتا ہے۔ مثلاً انسان کو چوری پر آمادہ فاقہ کشی یا ضروریات زندگی کی فراہمی ابھارتی ہے، اس لئے اسلام ایسا انتظام پیش کرتا ہے جس کے بعد اسباب زہست اتنی وافر مقدار میں موجود ہوں جو اس کو اس ناپاک اقدام سے بے نیاز کر دیں۔ تقریباً یہی معاملہ دوسرے جرائم کے بارے میں ہے۔

لیکن جب کوئی اس کے باوجود جرم کا ارتکاب کرتا ہے، تو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کو پامال کرتا ہے اور وہ انسانی معاشرے کو فساد کی نظر کر دینا چاہتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ پورے معاشرے کا قاتل ہے۔ ایسے شخص کو آخر کو ن قابل رحم قرار دے گا؟

اسلام نے جو سزائیں نافذ کی ہیں وہ فی الحقیقت ایک اصلاحی و فلاحی معاشرے کو برقرار رکھنے اور انسانی سوسائٹی کو مجرموں اور ان کی منفی و مضر سرگرمیوں سے بچانے کے لئے ہیں، اور ظاہر ہے ایسا شخص جو معاشرے کی اقدار اور اس کے انصاف کو ختم کر کے اس کی اصلاح کو فساد میں بدل دیتا ہے کس کے نزدیک معافی و درگزر کا مستحق ہوگا؟

یہی وجہ ہے کہ اسلام پوری انسانی سوسائٹی کو بچانے کے لئے ایسے اشخاص کو تحفظ دینا پسند نہیں کرتا جن کے جرائم کھلے اور واضح ہوں اور جن کے ضرر و رساں ہونے میں کسی کو کوئی شبہ نہ ہو۔ دنیاوی لحاظ سے اسلام اگرچہ جرائم کی سزا کو نافذ کرنے پر زور دیتا ہے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ کا واضح ارشاد ہے۔ آپ نے فرمایا:

امام کسی کو غلطی سے معاف کر دے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ غلطی سے کسی کو سزا دے۔ (۱۰۱)

لیکن دنیا کا نظام قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ اچھے اعمال والوں کو ان کے اعمال کا اچھا

(۱۰۱) ترمذی، رقم ۱۳۲۳

بدلہ دنیا میں بھی ملے، اور اسی طرح برے اعمال والوں کو ان کی برائی کی سزا بھی دنیا میں ملنا ضروری ہے۔ اسی صورت میں یہ نظام قائم و برقرار رہ سکتا ہے۔

جزا و سزا کا دوسرا پہلو آخرت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس بات کا کوئی منکر نہیں کہ ہر شخص کی دنیاوی زندگی ایک نہ ایک دن ختم ہوگی اور ہر شخص پر موت آنی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

ہر شخص کو موت کا مزا چکھنا ہے۔ (۱۰۲)

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

جو کچھ بھی زمین پر ہے سب فنا ہونے والا ہے۔ (۱۰۳)

انسان کے سامنے جب تک موت کا تصور قائم رہے گا اس وقت تک شرکی قوتیں اس کو جرائم کی جانب مائل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ انسان جرم کرتا ہی اس وقت ہے جب اس کی نگاہوں سے خوفِ خدا اور موت کا تصور محو ہو جاتا ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے موت کو یاد کرتے رہنے کی تاکید کی ہے، تاکہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کی تفسیر کسی بھی وقت آنکھوں سے اوجھل نہ ہو سکے، اور پھر چونکہ اسلام کا مقصد اصلاح ہی ہے اس لئے مجرم کو اخروی لحاظ سے یہ موقع بھی فراہم کیا گیا ہے کہ وہ اپنے فعل سے تائب ہو کر آخرت میں ملنے والی سزا سے بچ سکے۔

قرآن کریم میں چار کے متعلق فرمایا:

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ
إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

پھر جو ظلم کرنے کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح کر لے تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا، رحم کرنے والا ہے۔ (۱۰۴)

ہر مذہب و ملت میں آخرت اور پھر اس کی جزا و سزا کا تصور کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے،

آج کے زندہ ممالک
البتہ آپ ﷺ نے اس کا تصور نہایت کامل انداز میں پیش کیا ہے اور آخرت کی زندگی کے لئے بہترین اکل و عمل تجویز کیا ہے۔ اگر انسان آپ ﷺ کے پیش کردہ اخروی حیات کے تصور کو سامنے رکھے تو اس کیلئے جرائم کی جانب مائل ہونا ممکن ہی نہ رہے۔ خلاصہ یہ کہ اسلام کا جزا و سزا کا تصور انداد و جرائم کے لئے بہترین نظام عمل ہے اور اس پر عمل ہو جانے کی صورت میں فلاح انسانیت کے لئے بہت سی راہیں آسان ہو سکتی ہیں۔

۶۔ صبر و استقامت

صبر کا لفظ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر استعمال ہوا ہے لیکن موقع محل اور حالات کے لحاظ سے، تھوڑے بہت فرق سے قطع نظر اس کا مفہوم ہر جگہ تقریباً ایک ہی ہے اور وہ ہے ثابت قدمی اور استقامت۔

صبر و استقامت جس طرح انفرادی زندگی میں ضروری ہے اسی طرح اجتماعی زندگی کی سیاست اور فلاح انسانیت کے سلسلے میں بھی اس کی اہمیت مسلم ہے، یہی وہ صفت ہے جس کو مضبوطی سے تمام کمرنگی سیاست کو مستحکم بنایا جاسکتا ہے اور دشمن کے حیوں، مکر و فریب اور اس کی تباہ کن تدابیر سے انفرادی اور اجتماعی طور پر محفوظ رہا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُ هُمْ شَيْئًا

اگر تم صبر اور پرہیزگاری اختیار کرو تو ان کا مکر و فریب تمہیں کچھ نقصان نہ

پہنچا سکے گا۔ (۱۰۵)

اس آیت میں مسلمانوں کو فتح و کامرانی اور ہر قسم کی مصیبت و پریشانی اور آزمائش و امتحان میں صبر و تقویٰ اختیار کرنے کے لئے کہا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کے ذریعے منافقین و منافقین کی سازشوں اور ان کے مکر و فریب سے بچا جاسکتا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ان مومنوں کو جو دنیا میں پیش آنے والی تکلیف پر صبر کرتے ہیں اور گناہوں سے بچتے ہیں بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

لِنَّهٗ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ

(۱۰۵) آل عمران ۱۲۰

آج کے زندہ مسائل

تعمیر شخصیت و فلاح انسانیت

ابنتہ جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور صبر کرتا ہے تو اللہ نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (۱۰۶)

یہی مفہوم ایک حدیث میں اس طرح بیان ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مومن مردہ عورت زندگی کے اندر مصائب میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی ان کو جان کی تکلیف پہنچتی ہے تو کبھی اولاد کی اور کبھی مال میں نقصان آجاتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس طرح حاضر ہوتے ہیں کہ ان مصائب پر صبر کرنے کی وجہ سے ان کے تمام گناہ مٹ چکے ہوتے ہیں۔

قرآن کریم میں صبر کرنے والوں کا اجر اس طرح بیان ہوا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

إِنَّمَا يُوفَى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

بلاشبہ صبر کرنے والوں کی ان کا اجر بڑا حساب ملے گا۔ (۱۰۷)

آنحضرت ﷺ نے صبر کرنے پر ملنے والے اجر کو یوں بیان فرمایا ہے: مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اس کے لئے اس کا سارا معاملہ خیر ہی خیر ہے اور یہ (سعادت) مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اگر اسے دکھ پہنچتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ اس کے لئے بہتر ہوتا ہے، اور اگر اسے خوشی حاصل ہوتی ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے اور یہ بات (بھی) اس کے لئے بہتر ہوتی ہے۔ (۱۰۸)

اور قرآن کریم میں ایک مقام پر تو صرف دو لفظوں میں صبر کی اہمیت کو واضح فرمادیا۔

ارشاد ہے:

وَأَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ

اور صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ (۱۰۹)

یعنی جب بھی کوئی مشکل پیش آئے، کسی مصیبت کا سامنا ہو تو صبر کرو اور نماز کے ذریعے

آج کے زندہ مسائل

تعمیرِ خیریت و فلاح انسانیت

اپنی مشکلات کا تدارک کرو، اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کو جب کوئی کام مشکل اور رنج و غم میں ڈال دیتا تو آپ فوراً نماز میں مشغول ہو جاتے۔ (۱۱۰)

اسی طرح غزوہ بدر کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کی رات میں نے دیکھا کہ ہم سب سو گئے مگر آپ ﷺ صبح تک نماز و دعائیں مشغول رہے۔ (۱۱۱)

صبر کا اجر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس روایت سے بھی واضح ہے، فرمایا: جس شخص کو کوئی مالی یا جانی نقصان پہنچے اور وہ اسے پوشیدہ رکھے (یعنی لوگوں سے اس کی شکایت نہ کرے) تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہو جاتا ہے کہ وہ اس کی مغفرت فرمائے۔ (۱۱۲)

اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان کے دو حصے ہیں آدھا صبر اور آدھا شکر۔ (۱۱۳)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ صبر نصف ایمان ہے (۱۱۴) خلاصہ یہ کہ صبر و استقامت اختیار کرنے سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نظم و نسق پیدا ہوتا ہے۔

۷۔ فلاحِ عالم

اسلام کے پیش نظر پورے عالم کی فلاح ہے، اس لئے آپ ﷺ نے جو ہدایات جاری فرمائی ہیں، ان کا تعلق اس زمین پر بسنے والے ہر طبقے، ہر مخلوق اور ہر قوم سے ہے، اور آپ ﷺ نے نہ صرف زندہ انسانوں کی مختلف حیثیتوں کے مطابق ان کے حقوق کا تعین فرمایا، بلکہ مردوں اور جانوروں تک کے حقوق کو صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اور ان کو پورا کرنے کی تاکید فرمائی ہے، یہاں ان کا علیحدہ عنوانات کے تحت مختصر اذکر کیا جائے گا۔

(۱۱۰) ابو داؤد/ رقم ۱۳۱۹ (۱۱) ابن کثیر، اسماعیل بن عمر (م ۷۷۷ھ) / التفسیر / دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۱ھ

(۱۱۲) بخاری/ ج ۴ ص ۸۳ (۱۱۳) بیہقی (۱۱۴) شعب الایمان/ ج ۱ ص ۷۴ رقم ۸۸۴

14248

مسلمان کے حقوق

ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر آپ ﷺ نے پانچ حقوق بیان فرمائے ہیں:

- ۱۔ سلام کا جواب دینا، ۲۔ بیمار کی عیادت کرنا، ۳۔ جنازے کے ساتھ چلنا، ۴۔ دعوت قبول کرنا، ۵۔ چھینک آنے پر یرحمک اللہ کہہ کر اس لئے دعائے رحمت کرنا۔ (۱۱۵)
- ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے ایک مومن کو دوسرے کے لئے آئینہ قرار دیا اور فرمایا:

مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے اور مومن، مومن کا بھائی ہے وہ اسے نقصان دہ چیز سے بچاتا ہے اور اس کی غیر حاضری میں اس کی حفاظت کرتا ہے۔ (۱۱۶)

ایک اور روایت میں یوں فرمایا:

جب تم میں کوئی اپنے مسلمان بھائی سے مشورہ لینا چاہے تو اس کو مشورہ دے دینا چاہئے۔ (۱۱۷)

ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے لئے حفاظت اور مضبوطی کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے فرمایا

ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایک عمارت کی طرح ہے جس کا ہر حصہ دوسرے حصے کو مضبوط بناتا ہے، پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کر کے فرمایا کہ یوں۔ (۱۱۸)

ایک روایت میں مسلمان کے حقوق تفصیل سے بیان فرمائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، پس وہ اس پر ظلم نہ کرے اور نہ ظلم ہونے دے، اور جو شخص کسی مسلمان کی ایک مصیبت کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت کو دور فرمائے

(۱۱۵) بخاری فی الجنازات باب ۲۔ ۲/۱۰۱ مسلم ج ۳، ص ۳۱۱، رقم ۲۱۶۲ (۱۱۶) ابوداؤد ج ۴، ص ۳۰۴

ترمذی ج ۳، ص ۳۷۳، رقم ۱۹۳۶ (۱۱۷) ابن ماجہ (۱۱۸) مسلم ج ۴، ص ۱۸۰، رقم ۲۵۸۵

آج کے زندہ سائل

تعمیر شخصیت و فلاح انسانیت

گا اور جو شخص کسی مسلمان (کے عیب) کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ

قیامت کے روز اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (۱۱۹)

والدین کے حقوق

والدین کے حقوق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

کوئی اولاد اپنے باپ کا بدلہ نہیں چکا سکتی سوائے اس کے کہ وہ باپ کو کسی

شخص کا غلام دیکھے اور اسے خرید کر آزاد کر دے۔ (۱۲۰)

والدین کی خدمت کو جہاد و فدا کر بھی ان خدمت کی ترغیب دی۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

سے روایت ہے ایک شخص نے آپ ﷺ سے عرض کیا، کیا میں جہاد میں شریک ہو جاؤں۔ آپ

نے دریافت کیا کہ تمہارے والدین (زندہ) ہیں؟ اس نے جواب دیا، جی، آپ ﷺ نے فرمایا

پھر انہی میں جہاد کرو یعنی ان کی خدمت کرو۔ (۱۲۱)

آپ ﷺ نے والدین کی نافرمانی کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔ ایک بار صحابہ کرام

سے آپ ﷺ نے سوال کیا کہ کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ کی خبر نہ دوں صحابہ نے عرض کیا

جی ہاں، یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ نے فرمایا:

اللہ کے ساتھ شریک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ (۱۲۲)

ماں کی خدمت کو جنت کو حصول کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ (۱۲۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کے

پاس ہجرت پر بیعت کرنے کی غرض سے حاضر ہوا اور والدین کو روتا پیوتا کرتا آیا تھا۔ آپ ﷺ نے

اسے فرمایا ان کے پاس واپس جاؤ ان کو اسی طرح بٹھاؤ جیسے تم ان کو روتا کرتا آئے ہو۔ (۱۲۴)

(۱۱۹) بخاری ج ۶ ص ۲۵۵۰، رقم ۱۵۵۱ (۱۲۰) ترمذی ج ۳ ص ۳۶۳، رقم ۱۹۱۳، المستدرک ج ۲،

ص ۴۲۳، رقم ۱۵۱۰ (۱۲۱) مسلم ج ۴ ص ۱۶۳، رقم ۲۵۵۹، ترمذی ج ۳ ص ۲۵۵، رقم ۱۶۷۷

(۱۲۲) بخاری ج ۵ ص ۲۲۶۹، رقم ۵۶۳۱ (۱۲۳) تہذیبی، ابن ماجہ (م) ص ۱۲۲ (۱۲۴) ابن

مؤنسۃ الرسالہ، بیروت ۱۴۰۵ھ ج ۱ ص ۵۰، رقم ۱۰۔ (۱۲۵) ابوب اسیر،

آج کے زندہ مسائل

یہاں آپ ﷺ نے والدین کی خدمت کو جب وہ ضعف اور حاجت کی بنا پر خدمت کے محتاج ہوں ہجرت جیسی افضل اور واجب عبادت سے بھی بڑھ کر فضیلت والا عمل قرار دیا ہے۔

اولاد کے حقوق

آپ ﷺ نے والدین کے ساتھ اولاد کے حقوق بھی بیان فرمائے، چنانچہ اولاد کے اچھے نام رکھنے کی تاکید کی اور فرمایا:

”تم لوگوں کو قیامت کے دن تمہارے اور تمہارے آبا کے نام سے بلایا جائے گا۔ اس لئے اپنے نام اچھے رکھو۔“ (۱۲۵)

اسی طرح برے ناموں کو بدلنے کی تلقین کی۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ برے ناموں کو تبدیل فرمادیتے تھے۔ (۱۲۶)

والدین کو اپنی اولاد کی اچھی تربیت کی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا:

”کوئی باپ اپنے بیٹے کو کوئی عطیہ اچھے ادب سکھانے سے بہتر نہیں دے سکتا۔“ (۱۲۷)

اولاد میں فرق کرنے اور لڑکوں کو لڑکیوں پر ترجیح دینے سے بھی منع فرمایا، آپ ﷺ ارشاد ہے:

”جس شخص کی سرپرستی میں لڑکی (یعنی بہن) ہو اور وہ اسے نہ تو زندہ درگور کرے، نہ اس کی توجہ نہ کرے اور نہ ہی اولاد دینے کو اس پر ترجیح دے تو اللہ اس کو جنت میں داخل کریں گے۔“ (۱۲۸)

ایک اور حدیث میں فرمایا:

”جو بندہ دو لڑکیوں کا بار اٹھائے اور ان کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں، تو قیامت کے روز وہ شخص اور میں اس طرح ہوں گے۔“

(۱۲۵) ابو داؤد، ج ۳، ص ۳۱۳، رقم ۴۹۵۸ (ترمذی، ج ۴، ص ۳۸۲، رقم ۴۸۵۸)

(۱۲۷) ترمذی، ج ۳، ص ۳۸۳، شعب الایمان، ج ۲، ص ۲۵۶

(۱۲۸) ابو داؤد، ج ۳، ص ۳۷۵، رقم ۵۱۴۶

آج کے زندہ مسائل

تعمیر شخصیت و فلاح انسانیت

حضرت انس رضی اللہ عنہ (حدیث کے راوی) کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کی

انگلیوں کو بالکل ملا کر دکھایا۔ (۱۲۹)

عورتوں کے حقوق

اسلام نے عورتوں کے حقوق پر بھی دوسرے تمام نظاموں اور مذاہب سے بڑھ کر زور دیا

ہے اور اس کی ہر حیثیت کو عزت عطا کی، اہل و عیال پر مہربانی کی ہدایت یوں کی:

جس کے اخلاق سب سے بہتر ہوں اور جو اپنے اہل و عیال پر سب سے

زیادہ مہربان ہو، وہی ایمان میں بھی سب سے زیادہ کامل ہے۔ (۱۳۰)

بیوی کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت ان الفاظ میں بھی فرمائی:

کوئی ایمان والا اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہ کرے۔ اگر اس کی کوئی عادت

ناپسندیدہ ہوگی تو اس کی کوئی دوسری عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔ (۱۳۱)

اگر کسی کو دو بیویاں ہوں تو آپ ﷺ نے ان میں عدل و انصاف فرمانے کی سختی کے

ساتھ تاکید کی اور اس کی خلاف ورزی پر سخت وعید سنائی، فرمایا:

جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں عدل نہ کرے تو قیامت کے

دن اس کا اوپر کا دھڑ جھڑا ہوا ہوگا۔ (۱۳۲)

دوسری طرف عورتوں کو بھی خاندان کی اطاعت کا حکم دیا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ بہترین عورت کون سی ہے؟ آپ

ﷺ نے فرمایا:

وہ جس کو اس کا شوہر دیکھے تو خوش ہو جائے اور جب وہ حکم دے تو

بجالائے، اور خود اس کی اپنی ذات اور اپنے مال کے بارے میں بھی شوہر

جس بات کو نہ پسند کرے اس کی مخالفت نہ کرے۔ (۱۳۳)

(۱۲۹) مسلم، ج ۳، ص ۱۹۹، رقم ۲۶۳۱ (۱۳۰) ترمذی، ج ۲، ص ۳۸۷، رقم ۱۱۶۵

ابوداؤد، ج ۳، ص ۲۸۸، رقم ۴۶۸۲ (۱۳۱) مسلم، ج ۲، ص ۳۸۳، رقم ۱۵۶۹

(۱۳۲) ترمذی، ج ۲، ص ۳۷۵، رقم ۱۱۵۴ (۱۳۳) ابن ماجہ، ج ۱، ص ۱۹۶۹ (۱۳۴) نسائی

ہمسائے کے حقوق

ہمسائے کے حقوق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اللہ کے نزدیک اچھا دوست وہ ہے جو اپنے دوستوں کے ساتھ اچھا ہو، اور

اچھا ہمسایہ وہ ہے جو اپنے ہمسایوں کے ساتھ اچھا ہو۔ (۱۳۴)

پڑوسیوں کے حقوق کی اہمیت ایک بار آپ ﷺ نے یوں بھی بیان فرمائی فرمایا:

حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے ساتھ سلوک کرنے کی ہمیشہ

یوں تاکید کرتے رہے کہ گمان ہوتا تھا پڑوسی کو وارث بنادیں گے (۱۳۵)

آپ ﷺ نے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کو ایمان کا جزو قرار دیا۔

حضرت ابو شریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ (ایک مرتبہ) آنحضرت ﷺ نے

فرمایا کہ واللہ وہ مومن نہیں، واللہ وہ مومن نہیں عرض کیا کیا یا رسول اللہ (ﷺ) کون کون مومن

نہیں آپ نے فرمایا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہو۔ (۱۳۶)

مہمان کے حقوق

میزبان و مہمان کے حقوق بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ

پہنچائے اور جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان

کی عزت کرے اور جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ

زبان سے اچھی بات نکالے ورنہ خدا موش رہے۔ (۱۳۷)

اور دوسری روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

ایک شب کی میزبانی تو واجب ہے، پھر اگر مہمان یہاں رہ جائے تو یہ اس

پر قرض ہے، چاہے وہ لے لے چاہے وہ چھوڑ دے۔ (۱۳۸)

(۱۳۴) ترمذی ج ۳ ص ۳۷۹، رقم ۱۹۵۱ (۱۳۵) مسند ج ۳ ص ۱۹۷، رقم ۳۲۶ (۱۳۶) بنوری ج ۵،

ص ۲۲۰، رقم ۵۶۷۰ (۱۳۷) بنوری ج ۱ ص ۵۶۷، رقم ۵۶۷۲ (۱۳۸) ابن ماجہ ج ۱ ص ۵۶۱، رقم ۲۶۷۷

مزدوروں کے حقوق

آپ ﷺ نے مزدوروں کے حقوق کا بھی خیال رکھا اور اس بارے میں لوگوں کو احتیاط کی تاکید کی۔ ان کی مزدوری ادا کرنے کی تلقین یوں کی فرمایا:

مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری ادا کر دیا کرو (۱۳۹)

دوسری روایت میں فرمایا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، تین اشخاص سے میں قیامت کے دن جھگڑا کروں گا:

۱۔ جس نے میرا نام لے کر وعدہ کیا پھر اس کے خلاف کیا، ۲۔ جس نے آزاد

آدمی کو ناجائز طور پر پکڑا اور غلام ظاہر کر کے بیچ دیا اور قیمت کھا گیا، ۳۔ جس

نے کسی کو مزدوری پر لگایا اور کام پورا لیا مگر مزدوری ادا نہ کی۔ (۱۴۰)

یتیموں کے حقوق

اسی طرح یتیموں کے حقوق کو بھی آپ ﷺ نے نہایت زور دے کر بیان فرمایا۔ ایک

روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

اے اللہ میں دو کمزوروں کے حق کو واجب الاحترام قرار دیتا ہوں، ایک

یتیم بچے دوسرے عورت کے حق کو۔ (۱۴۱)

ایک دوسری روایت میں فرمایا:

میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپ

نے اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی ملا کر (قرب کو) بتایا۔ (۱۴۲)

ایک روایت میں یتیم کی پرورش کرنے والوں کو جنت خوش خبری کی دیتے ہوئے آپ

ﷺ نے فرمایا:

(۱۳۹) صحیح: اکبری ج ۹، ص ۴۲ (۱۴۰) بخاری ج ۲۳، ص ۷۷، رقم: ۲۱۱۳ صحیح: بیہقی ج ۹، ص ۳۹

(۱۴۱) ابن ماجہ ج ۲، ص ۵۲۱، رقم: ۳۶۷۸

(۱۴۲) بخاری ج ۵، ص ۲۲۳، رقم: ۵۶۵۹ صحیح: ترمذی ج ۳، ص ۳۶۸، رقم: ۱۹۲۵

آج کے زندہ مسائل

تعمیرِ خیریت و فلاحِ انسانیت

جو شخص کسی یتیم بچے کو اپنے گھر بلا کر لائے گا اور اس کو کھلائے پلائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی نعمت عطا فرمائے گا، بشرطیکہ اس نے کوئی ایسا گناہ نہ کیا ہو جو بخشش کے قابل نہ ہو۔ (۱۴۳)

ایک روایت میں یتیم کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دیتے ہوئے اس سے بدسلوکی کی مذمت بھی فرمائی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمانوں کے گھروں میں وہ گھر سب سے بہتر ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں کے گھروں میں سب سے بدتر وہ گھر ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو (۱۴۴)

خادموں کے حقوق

آنحضرت ﷺ نے خادموں کے حقوق کی جانب بھی توجہ دلائی ہے، ایک روایت میں خادموں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: جب کسی کا خادم کھانا لائے اور وہ اسے اپنے ساتھ (کھلانے کے لئے) نہ بٹھا سکے تو اس کو ایک یا دو لقمے ضرور کھلا دینے چاہیں۔ (۱۴۵)

اور ایک روایت میں قدرے تفصیل سے خادموں کے حقوق بیان کرتے ہوئے فرمایا: تمہارے کچھ بھائی ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں میں دے رکھا ہے، اگر کسی کے ہاتھ میں اللہ نے اس کے بھائی کو دیا ہو تو اس کو چاہئے کہ جو خود کھائے وہی اسے کھلائے جو خود پہنے وہی اسے پہنائے، اس کے ذمے اتنا کام نہ ڈالے جو اس کی طاقت سے زیادہ ہو، اور اگر کام زیادہ ہو تو اس کی مدد کرے۔ (۱۴۶)

اسی طرح ایک مرتبہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا،

(۱۴۳) ترمذی/ ج ۳، ص ۳۶۸، رقم ۱۹۲۴ (۱۴۳) ابن ماجہ/ ج ۴، ص ۵۲۲، رقم ۳۶۷۹

(۱۴۵) بخاری/ ج ۲، ص ۹۰۲، رقم ۲۴۱۸ (۱۴۶) ترمذی/ ج ۳، ص ۳۸۰، رقم ۱۹۵۲

یا رسول اللہ ﷺ ہم اپنے خادم کی غلطیوں سے کس حد تک درگزر کریں؟ آپ خاموش رہے۔ اس نے پھر اپنی بات دہرائی۔ آپ ﷺ پھر خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ سوال پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر گردن میں ستر مرتبہ بھی غلطی کرے تو درگزر سے کام لو اور معاف کرتے رہو۔ (۱۳۷)

حاجت مندوں کے حقوق

حاجت مند طبقہ بھی معاشرے کا جز اور حصہ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے معاشرے کے صاحب حیثیت و استطاعت لوگوں پر ان کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں۔ بے کسوں اور حاجت مندوں کی ضروریات پورے کرنے کی تاکید کرتے ہوئے آپ ﷺ فرمایا:

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے (دشمن کے) سپرد کرتا ہے۔ جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہتا ہے اللہ اس کی حاجت پوری کرتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان سے اس کی مصیبت دور کرے گا اللہ اس سے قیامت کے مصائب دور فرمائے گا، اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ (۱۳۸)

ایک بار فرمایا:

اگر کچھ اور نہ ہو سکے تو بے کس حاجت مند کی مدد ہی کر دیا کرو (۱۳۹)

اور فرمایا:

بھولے بھٹکے ہوئے اور ناچینا کورا ستہ بتا دینا بھی صدقہ ہے۔ (۱۵۰)

مردوں کے حقوق

آپ ﷺ نے زندہ لوگوں کے ساتھ ساتھ مردوں کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں۔ ایک روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مردوں کا نیکیوں کے ساتھ ذکر کرو

(۱۳۷) ترمذی / ج ۳ ص ۳۸۰ رقم ۱۹۵۲ (۱۳۸) مسلم / ج ۳ ص ۱۷۸، رقم ۲۵۸۰ ☆ ابوداؤد / ج ۴ ص ۲۹۶، رقم ۲۸۹۳ (۱۳۹) بخاری (۱۵۰) بزار / ج ۹ ص ۳۵۸، رقم ۴۰۷۰

آج کے زندہ مسائل ۱۰۰

تمییز شخصیت و فلاح انسانیت

اور ان کی برائیوں کے ذکر سے پرہیز کرو۔ (۱۵۱)

ایک دوسری روایت میں فرمایا:

جو شخص کسی کے جنازے کے ساتھ جائے اور تین بار کندھا دے دے

تو اس نے جنازے کا حق ادا کر دیا۔ (۱۵۲)

ایک اور روایت میں مُردوں کو برا کہنے کی ممانعت اس طرح فرمائی:

مُردوں کو برا بھلا نہ کہو، کیونکہ جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا اس کے پاس وہ

خود پہنچ چکے ہیں۔ (۱۵۳)

اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے جنازے کے ساتھ چلنے کا ثواب تفصیل سے یوں

بیان فرمایا:

جو شخص کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ ایمان (کی تازگی) اور محض

ثواب کے خاطر جائے اور اس وقت تک اس کے ساتھ رہے جب تک

(اس کی) نماز پڑھی جائے اور (لوگ) اس کے دفن سے فارغ ہوں تو دو

قیراط ثواب لے کر لوٹتا ہے، جبکہ ایک قیراط احد پہاڑ کی مانند ہے۔ اور

جو شخص صرف نماز پڑھ کر دفن کرنے سے پہلے واپس آ جائے تو وہ ایک

قیراط ثواب لے کر آتا ہے۔ (۱۵۴)

حیوانوں کے حقوق

آپ ﷺ نے حیوانات پر بھی رحم کرنے اور ان کے حقوق کی رعایت دکھنے کا حکم دیا ہے

ایک روایت میں فرمایا:

ایک عورت اس لئے جہنم میں ڈال دی گئی کیونکہ اس نے ایک بلی باندھ

رکھی تھی جسے نہ کھلاتی تھی نہ آزاد جھوڑتی تھی کہ وہ زمین کے کیڑے

(۱۵۱) ترمذی/ ج ۲ ص ۳۱۲، رقم ۱۰۲۱۔ ابوداؤد/ ج ۳ ص ۲۹۸، رقم ۴۹۰۰

(۱۵۲) ترمذی (۱۵۳) بخاری/ ج ۵ ص ۲۳۸۸، رقم ۶۱۵۱ (۱۵۴) بخاری/ ج ۱ ص ۲۶، رقم ۴

مکوڑے ہی کھالے۔ (۱۵۵)

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا وہ چند نوجوانوں یا آدمیوں کے پاس سے گزرے جنہوں نے ایک مرغی باندھ رکھی تھی اور اس پر تیر سے نشانہ بازی کر رہے تھے، انہوں نے ابن عمر کو دیکھا تو بھاگ گئے، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ کون کر رہا تھا؟ بلاشبہ نبی ﷺ نے ایسا کرنے والوں پر لعنت کی ہے۔ (۱۵۶)

ایک مقام پر جانوروں کے آرام کا خیال رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:
جب تم لوگ سرسبزی اور شادابی کے زمانے میں سفر کرو تو اونٹوں کو زمین کی سرسبزی سے فائدہ پہنچاؤ۔ اور جب قحط کے زمانے میں سفر کرو تو اس کو تیزی کے ساتھ چلاؤ۔ (۱۵۷)

آپ ﷺ نے ایک بار ایسا اونٹ دیکھا جس کا پیٹ بھوک کی وجہ سے پیٹھ سے لگ گیا تھا، تو فرمایا:

ان بے زبان جانوروں کے بارے میں خدا سے ڈرو۔ ان پر سوار ہو تو ان کی اچھی حالت میں رکھ کر سوار ہو اور ان کو کھاؤ تو اچھی حالت میں رکھ کر کھاؤ۔ (۱۵۸)

آپ ﷺ نے جانوروں کے منہ پر مارنے اور ان کو داغ دینے کی بھی ممانعت فرمائی اور ایسا کرنے والے کو ملعون قرار دیا ہے۔

حضرت شہد ادری اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض کیا ہے، سو جب تم قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو کہ چھری کو تیز کرو اور ذبح کئے جانے والے جانور کو آرام دو۔ (۱۵۹)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱۵۵) مسلم/ ج ۳، ص ۱۹۶، رقم ۲۶۱۹ (۱۵۶) بخاری/ ج ۵، ص ۲۱۰، رقم ۵۱۹۶

(۱۵۷) مسلم (۱۵۸) ابوداؤد (۱۵۹) مسلم/ ج ۳، ص ۲۹۱، رقم ۱۹۵۵

آج کے زندہ مسائل

تعویضیت و فلاح انسانیت

جو شخص کسی چیز یا جانور کو ناحق مار ڈالے تو اللہ اس کے مارنے کے بارے میں سوال کرے گا۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا کہ اس کا حق یہ ہے کہ اگر اس کو ذبح کرے تو اس کو کھائے، یہ نہ کرے کہ اس کا سر کاٹ کر پھینک دے (اور اس استعمال میں نہ لائے) (۱۶۰)

خلاصہ کلام

اوپر ذکر ہونے والی تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں انسانی زندگی کے ہر پہلو کے بارے میں جامع ترین ہدایات موجود ہیں، اور آپ ﷺ نے اسلامی معاشرے کے قیام کیلئے نہ صرف مکمل تعلیمات ارشاد فرمائی ہیں بلکہ عملی طور پر انہیں رائج کر کے اور ان تعلیمات کی بنیاد پر ایک خالص فلاحی و مثالی معاشرے کی تشکیل کر کے ان کو قیام عمل بھی ثابت کر دیا ہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ تعمیر شخصیت کا مرحلہ ہو یا فلاح انسانیت کا، ہر معاملے میں آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ میں مکمل راہنمائی موجود ہے۔ اور اگر اطاعت رسول کو اپنایا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی نصیب نہ ہو۔

اس بارے میں اس لئے بھی کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ ان تعلیمات کو بنیاد بنا کر کتنے ہی لوگ ان کے نتیجے میں ملنے والی کامیابیوں و کامرانیوں کو حاصل کر چکے ہیں، اور کتنے ہی معاشرے ان تعلیمات کی بنیاد پر ایسی مثالی و سوسائٹی تشکیل دینے میں کامیاب ہو گئے ہیں، جہاں انسانیت کی فلاح کا ہر عنوان موجود تھا، اور جن کے فلاحی ہونے کی بنا پر آج بھی وہ مثال کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق ارزانی فرمائیں اور سیرت طیبہ کی روشنی میں اپنی زندگیاں ڈھالنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ و من

تبعہم اجمعین باحسان الی یوم الدین

استحکام پاکستان کے لیے
بہترین راہنمائی سیرتِ طیبہ
سے حاصل ہو سکتی ہے

قومی سیرت النبی ﷺ کانفرنس ۱۹۹۷ء
وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، اسلام آباد

آج جبکہ سائنسی ترقی اور تیز رفتار نظام ہائے مواصلات کی بنا پر پوری دنیا سٹ بجلی ہے اور مسابقت کی دوز میں ہر ایک آگے نکلنے اور اکیسویں صدی کو نہایت جوش و خروش سے خوش آمدید کہنے کا خواہش مند ہے، یہ امر نہایت ضروری ہے کہ دنیا نے عالم کی تیزی سے بدلتی ہوئی صورت حال کا فوری اور اک کرتے ہوئے ملکی ضروریات اور حالات کو مد نظر رکھ کر اپنے مقام کا خوب تعین کیا جائے اور اپنی تمام داخلی و خارجی پالیسیوں کا از سر نو جائزہ لے کر انہیں اپنے لئے مفید اور بہتر بنایا جائے۔ اس کے لئے ہم سب پر لازم ہے کہ اپنی اپنی استطاعت اور توفیق ربانی کے مطابق سیرت طیبہ سے راہنمائی حاصل کریں اور آئندہ کالائیکہ عمل ترتیب دیں۔ کیونکہ یہی وہ واحد راستہ ہے جو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ اور ہر طرح کی رکاوٹوں سے مامون ہے اور جہاں کامیابی کی ضمانت خود خداوند کریم دے چکا ہے۔

تمہید

آنحضرت سرور کونین محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہمہ جہت اور ہمہ گیر تعلیمات کسی خاص شعبے کے ساتھ مخصوص نہیں۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ اور تعلیمات مقدسہ کا اعجاز اور کمال یہ ہے کہ وہ ہماری طبعی، اخلاقی، روحانی، معاشی، معاشرتی، غرض ہر قسم کی حالتوں اور ضرورتوں کیلئے کامل، غیر مبہم اور نہایت جامع راہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ نظام حکومت و مملکت ہو یا نظام معیشت و تجارت، سیاست مدن کا ذکر ہو یا معاشرت و اخلاق کا، ہر معاملے میں محسن انسانیت ﷺ نے پوری انسانیت کے لئے راہِ عمل کو واضح اور روشن فرمادیا ہے۔ اور پھر یہی نہیں بلکہ اپنی عملی کاوشوں سے اپنے بیان فرمودہ اصول و قوانین کو انفرادی حیثیت میں بھی اور اجتماعی صورت میں بھی جاری و نافذ فرما کر ان کے عملی طور پر ممکن العمل اور ہر طرح سے مفید ہونے کا ثبوت بھی پیش فرمادیا ہے اور یہ بتا دیا کہ آپ ﷺ کی تعلیم محض خیالی نظریہ یا تصوراتی خاکہ نہیں، ورنہ اچھے سے اچھا اور عمدہ سے عمدہ نظریہ تو کوئی بھی شخص پیش کر سکتا ہے، اسی لئے انسانی سیرت کے بہترین اور کامل ہونے کی دلیل اس کے خوبصورت اقوال اور دل فریب و خوش کن نظریات و خیالات نہیں، اس کی جانب سے دنیا کے سامنے پیش کئے جانے والے اعمال اور کارنامے ہیں، جن کے بغیر کتابی نظریات کا غذی و بے کیف پھولوں سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتے، اگر اس زاویے سے بھی حضور اکرم نبی مکرم ﷺ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں تو بھی آپ ﷺ تمام راہنمایان اقوام اور پیشوایان مذاہب میں نہایت ارفع اور بلند ترین مقام پر متمکن نظر آتے ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم۔

آج ایک طرف وطن عزیز مملکتِ خدا داد پاکستان کے قیام کے پچاس سال مکمل ہو رہے ہیں اور اس سلسلے میں تقاریب کا سلسلہ جاری ہے، اور دوسری جانب وطن عزیز اگست مسائل سے دوچار اور بے شمار مصائب و مشکلات کا شکار ہے، داخلی معاملات ہوں یا خارجی مسائل، اسے ہر سمت میں نئے نئے چیلنجوں کا سامنا ہے۔ امن و امان اور ملکی استحکام بھی مختلف حوالوں سے ہم سے فوری

آج کے زندہ مسائل

اسلام پاکستان

غور و فکر اور مثبت و تعمیری اقدامات کے متقاضی ہیں۔

آج جبکہ سائنسی ترقی اور تیز رفتار نظام ہائے مواصلات کی بنا پر پوری دنیا سٹ چکی ہے اور مسابقت کی دوڑ میں ہر ایک آگے نکلنے اور اکیسویں صدی کو نہایت جوش و خروش سے خوش آمدید کہنے کا خواہش مند ہے، یہ امر نہایت ضروری ہے کہ دنیائے عالم کی تیزی سے بدلتی ہوئی صورت حال کا فوری ادراک کرتے ہوئے ملکی ضروریات اور حالات کو مد نظر رکھ کر اپنے مقام کا خود تعین کیا جائے اور اپنی تمام داخلی و خارجی پالیسیوں کا از سر نو جائزہ لے کر انہیں اپنے لئے مفید اور بہتر بنایا جائے۔ اس کے لئے ہم سب پر لازم ہے کہ اپنی اپنی استطاعت اور توفیق ربانی کے مطابق سیرت طیبہ سے راہنمائی حاصل کریں اور آئندہ کالائیکہ عمل ترتیب دیں۔ کیونکہ یہی وہ واحد راستہ ہے جو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ اور ہر طرح کی رکاوٹوں سے مامون ہے اور جہاں کامیابی کی ضمانت خود خداوند کریم دے چکا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَلَنْ يُّظِلُّوهُ تَهْتَدُوا

اور اگر تم آپ (ﷺ) کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔ (۱)

زیر نظر مضمون میں پاکستان کے موجودہ مسائل کا حل، سیرت نبوی (ﷺ) کی روشنی میں تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی، لیکن اس سے قبل ہم یہ دیکھیں گے کہ استحکام کیا ہے؟ اس کی ضرورت و اہمیت کیوں ہے؟ اور اس سلسلے میں سیرت طیبہ سے راہنمائی کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

استحکام کیا ہے؟

استحکام عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی مضبوط و محکم ہونے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے

احکمت الشيء فاستحکم ایک چیز محکم ہوئی پس مستحکم ہو گئی۔ (۲)

استحکام سلطنت و مملکت سے مراد، ریاست میں قائم حکومت کا مضبوط ہونا، امن و امان اور

قانون کی حکمرانی کے اعتبار سے صورت کا قابل اطمینان ہونا اور وہاں کے حکمرانوں پر عوام کا اعتماد

ہونا ہے۔ یعنی حکومت اور ریاست کو تمام خطرات سے امان و اطمینان حاصل ہو، تاکہ وہ اپنے

(۱) انور: ۵۴ (۲) ابن منظور: لسان العرب، نشرات الحوزہ، قم، ایران، ۱۹۰۵ء، ج ۲، ص ۱۴۳

مقاصد اصلی کی جانب پیش قدمی کر سکے، اور اس کی تمام تر صلاحیتیں تعمیری اقدامات میں صرف ہوں۔ مضبوط و مستحکم حکومت وہی ہوتی ہے جس کے داخلی اور خارجی معاملات میں کسی قسم کا انتشار و افتراق نہ ہو۔

استحکام کی ضرورت و اہمیت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کا مقصد ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ①

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔ (۳)

اس آیت میں **الایعبدون** کے الفاظ سے یہ بات مؤکد فرمادی کہ تخلیق اُس و جن

کا صرف ایک مقصد ہے، عبادت۔ عبادت صرف اللہ ہی کی کیوں کی جائے؟ اس کی وضاحت اس

آیت کریمہ میں فرمادی:

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهُ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهُ ②

اور وہی (اللہ) آسمان میں لائق عبادت ہے اور وہی زمین میں لائق

پرستش ہے۔ (۴)

سو جب زمین و آسمان یعنی کل جہاں میں اسی کی حاکمیت اور اسی کی فرمانروائی ہے تو عبادت

کا حق دار بھی وہی ہے۔ ایک اور آیت میں اس سے بھی واضح الفاظ میں عبادت کا حکم یوں دیا:

إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَأَعْبُدُوا هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ③

بلاشبہ اللہ میرا اور تمہارا رب ہے، پس تم اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا

راستہ ہے۔ (۵)

عبادت کے معنی ہیں کہ انسان اپنے خالق اور مالک کی طرف سے عطا کردہ تمام عملی طاقتوں

اور ذہنی صلاحیتوں کو اسی کی فرمانبرداری میں صرف کرے، اور اس کی عظمت و جلال کو پیش نظر

رکھتے ہوئے اس کی نافرمانی سے دور رہے، اور کسی معمولی سی بات میں بھی اس کی حکم عدولی نہ

(۳) الذاریت: ۵۶ (۴) الزخرف: ۸۴ (۵) الزخرف: ۶۴

آج کے زندہ مسائل

اسلام پاکستان

کرے۔ خلاصہ یہ کہ اوامر کو بجالائے اور نواہی سے مکمل اجتناب کرے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیان کردہ نظام عمل کے تحت بسر ہونے والی زندگی سراپا عبادت ہے۔

انسانیت کی تخلیق میں خود انسان کا اپنا مفاد مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ساری کائنات، اس میں موجود گہنائے رنگارنگ اور دل فریب و دلکش نظر آنے والے ایک نظام مکمل سے مربوط یہ چاند سورج اور ستارے و سیارے اپنے بندوں پر اکمال بخشش کے لئے تخلیق فرمائے ہیں۔ اس سارے عالم کے بنانے میں بھی خود انسان ہی کا فائدہ ملحوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِآذَانٍ

اور اللہ تمہیں اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔ (۶)

یعنی انسان کو اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے، مگر اس میں خود انسان ہی کا فائدہ پوشیدہ ہے، کیونکہ اس کے ثمرات سے وہ براہ راست خود مستفید ہوگا۔ مولا ناروم فرماتے ہیں:

من نہ کردم خلق تا سودے کنم
بلکہ بر بندگاں ، جو دے کنم

اسلام کی دعوت کا اصل مقصد بھی ایمان و عقائد اور حقوق و فرائض ہیں اور قیام سلطنت اس کے لئے ایک ذریعہ کا حکم رکھتا ہے، تاکہ اہل ایمان اپنے فرائض منصبی اور احکامات الہیہ کی بجا آوری بہ اطمینان قلب و بہ سکون خاطر کر سکیں۔ اگر معاشرہ اپنے خالق کے احکامات سے غافل ہو کر اس کے عائد کردہ فرائض سے اعراض کر رہا ہو، جہاں نیک کام بے حیثیت ہوں اور برائیوں سے نوکے والا کوئی نہیں ہو، ہر شخص کے سامنے ذاتی مفادات ہوں، اجتماعی مسائل اور ملکی و قومی مفادات پس پشت ڈال دیئے جائیں اور مستحقین کی داد رسی کرنے والا کوئی نہ ہو تو ایسی صورت میں استحکام کا خیال، خواب دیکھنے سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ پھر چونکہ اقامت دین اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا انحصار اسلامی ریاست کے مستحکم و پائیدار ہونے پر ہے، اس لئے

استحکام کسی بھی اسلامی ریاست کے لئے بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔

استحکام کے لئے سیرت طیبہ سے راہنمائی

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ
يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝

(اے مومنو!) بے شک تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں

بہترین نمونہ ہے، اس شخص کے لئے جو اللہ سے ملنے اور یوم آخرت کے

آنے کی امید رکھتا ہے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔ (۷)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هذه الآية الكريمة اصل كبير في الناسي برسول الله ﷺ

في اقواله وافعاله واحواله (۸)

یہ آیت کریمہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ کے تمام

اقوال، افعال و احوال کی اقتداء پیروی نہایت ضروری ہے۔

اتباع رسول یہ ہے کہ مسلمان آنحضور ﷺ کے تمام احکامات و فرائین پر دل و جان سے

عمل پیرا ہوں اور سیرت طیبہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اپنی زندگی کا جزو لا ینفک بنالیں۔ اگر کوئی

شخص پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکامات نہ مانے اور آپ ﷺ کے فیصلوں کو پس پشت ڈالے

اور ان سے انحراف کرے تو وہ دائرۃ اسلام سے خارج ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے احکامات نہ

ماننے کا مطلب خود اللہ تعالیٰ کے احکامات کو تسلیم نہ کرنا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ

اور آپ ﷺ (خواہش نفس سے کچھ نہیں کہتے، یہ تو وحی ہے جو ان

پر نازل کی جاتی ہے۔ (۹)

(۷) الاحزاب: ۲۱

(۸) ابن کثیر، ابوالفداء، عماد الدین، التفسیر المصطفیٰ الربانی المجلدی، مصر: ج ۴، ص ۷۷ (۹) النجم: ۳۰

آج کے زندہ مسائل

اسلام پاکستان

یعنی رسول اللہ ﷺ کے تمام فرامین اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل فرمائی جانے والی وحی پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس میں آپ کی اپنی رائے یا خواہشات کا کچھ دخل نہیں ہوتا۔ لہذا آپ ﷺ کے احکامات بعینہ اسی طرح واجب الطاعت ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کے احکام۔ یہی مضمون زیادہ واضح الفاظ میں قرآن کریم میں دوسرے مقام پر ان الفاظ میں آیا ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ
ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا
تَسْلِيمًا ۝

پھر (اے نبی ﷺ) آپ کے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہیں ہوں گے جب تک وہ اپنے جھگڑوں میں آپ کو حکم (منصف) نہ بنالیں۔ پھر جو فیصلہ آپ کر دیں اس سے کسی طرح اپنے دلوں میں تنگی نہ محسوس کریں اور (خوشی سے) پوری طرح قبول کر لیں۔ (۱۰)

یعنی ایمان کی شرط یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی معاملے میں فیصلہ فرمادیں تو آدمی اس کو حق اور درست جان کر اس پر دل و جان سے راضی رہے اور دل میں تنگی محسوس نہ کرے اور شک کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نہ آنے دے۔ جب تک رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں کو دل سے قبول نہیں کرے گا، اس وقت تک اس کا ایمان بھی کامل نہیں ہو سکتا۔ (۱۱)

اس کے بعد اسی سورت میں یہ تنبیہ بھی فرمادی:

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ
وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُوْمِنِيْنَ ۖ ثَوِيْلًا مَّا تُؤْتٰی وَنَصِيْلًا جَهَنَّمُ
وَسَاءَتْ مَصِيْرًا ۝

اور جو کوئی ہدایت ظاہر ہونے کے بعد بھی رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلے گا تو ہم بھی

(۱۰) النساء: ۶۵

(۱۱) سید فضل الرحمن / احسن البیان فی تفسیر القرآن / زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۹۳ء / ج ۲ ص ۳۰۹

آج کے زندہ مسائل

۱۱۱

استحکام پاکستان

اس کو اسی راستے پر چلائیں گے اور ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ

بہت ہی بری جگہ ہے۔ (۱۲)

اس آیت میں واضح فرما دیا گیا کہ رسول ﷺ کی مخالفت و بال عظیم ہے تو گویا کہ آپ کے اسوۂ حسنہ سیرت طیبہ اور تعلیمات مقدسہ کی پیروی ہر مسلمان پر واجب ہے۔ پھر جب آپ کی ذات گرامی ایسی جامع کمالات ہے کہ جس نے زندگی کے مختلف پہلوؤں کے مابین ایسا صحیح توازن قائم کیا کہ افراط و تفریط کا نام و نشان تک نظر نہیں آتا۔ اور کوئی دوسرا انسان خود کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اور دنیا کے کسی گوشے میں رہتا ہو ان خوبیوں کا جامع تو کیا پاسنگ بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اگر زندگی کے کسی معاملے میں ہمیں کہیں سے صحیح راہنمائی اور درست ہدایت مل سکتی ہے تو وہ آنحضرت ﷺ کی ہی ذات گرامی ہے۔ لہذا اگر ہمیں ملکی استحکام کے لئے اپنا لائحہ عمل وضع کرنا ہے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن رحمت سے اپنی وابستگی کو مضبوط کرنا ہوگا اور آپ کی تعلیمات و فرمودات پر سنجیدگی اور پوری وفاداری و خلوص کے ساتھ عمل پیرا ہونا ہوگا۔ یہی وہ واحد راستہ ہے جس پر چل کر ہم فلاح و کامرانی کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ بقول اقبال:

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست

اگر باؤ نہ رسیدی، تمام بولہبیست

اسلام کا نظام حکومت

آج کل دنیا میں جتنے نظام ہائے حکومت رائج ہیں، اسلام کا نظام حکومت ان تمام سے یکسر مختلف ہے۔ اسلام کا پیش کردہ تصور حکمرانی، دین و دنیا میں تفریق نہیں اتحاد پیدا کرتا ہے۔ اس کے نزدیک دین و دنیا، سیاست و حکومت اور عبادت و معاملات میں کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں، دونوں چیزیں باہم یوں متصل ہیں کہ انہیں جدا کرنا ممکن نہیں۔ اسلام کی یہی شان قرآن کریم میں بطور دعائیوں ذکر ہوئی:

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا

(۱۲) النساء: ۱۱۵

آج کے زندہ مسائل ۱۱۲

عَذَابُ النَّارِ ۝

استحکام پاکستان

اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ (۱۳)

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

اسلام دین و دنیا اور جنت ارضی اور جنت سماوی اور آسمانی بادشاہی اور زمین کی خلافت دونوں کی دعوت لے کر اول ہی روز سے پیدا ہوا۔ اس کے نزدیک عیسائیوں کی طرح خدا و قیصر دو نہیں ہیں۔ ایک ہی شہنشاہ علی الاطلاق ہے، جس کی حدود میں نہ کوئی قیصر ہے اور نہ کوئی کسریٰ۔ اسی کا حکم عرش سے فرش تک اور آسمان سے زمین تک جاری ہے۔ وہی آسمان پر حکمران ہے اور وہی زمین پر فرمانروا ہے۔ (۱۴)

وہ مزید لکھتے ہیں:

وہ (اسلام) دیویوں اور دیوتاؤں اور نمبر و دویں اور فرعونوں کو ایک ساتھ ان کے استھانوں اور ایوانوں سے نکالنے کے لئے آیا تھا اور اس بات کی منادی کرتا تھا کہ آسمان ہو یا زمین دونوں میں ایک ہی خدا کی حکومت ہے۔ اس کے آسمان میں نہ کوئی دیوی ہوگی نہ دیوتا ہوگا، اور نہ زمین پر کوئی قیصر ہوگا اور نہ کسریٰ۔ (۱۵)

جبکہ دنیا کے دیگر تمام نظام ہائے حکومت، خواہ ان کا تعلق کسی بھی نظریے سے ہو اور کسی بھی جغرافیائی حیثیت کے حامل ہوں، ان کی دیگر انگنت خرابیوں کو نظر انداز کر بھی دیا جائے تب بھی ان کی یہ خرابی مسلم ہے کہ ان کا تعلق زندگی کے صرف ایک پہلو سے ہے۔ ان میں زندگی کے صرف ایک حصہ پر بحث ہوتی ہے، جس کا تعلق دنیا کی بے ثبات و چند ساعتوں کی محدود زندگی سے ہے۔ جبکہ حقیقی اور اصلی زندگی ان کی نظروں سے یکسر او جھل ہے اور ان کی یہی ایک خرابی ان کے ناممکن

(۱۳) البقرہ: ۲۰۱

(۱۴) سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۸۵ء، ج ۷، ص ۳۲ (۱۵) ایضاً

ہونے کی کافی شہادت اور دلیل ہے۔ (۱۶)

پس مسلمانوں کی زندگی کا مقصد اصل صرف دنیا کی بھلائی نہیں۔ اگر ہم نے دنیا کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تو اس سے دنیا تو مل جائے گی مگر آخرت میں ہمارا کچھ حصہ نہ ہوگا۔ اس کے برعکس اگر ہم نے آخرت کی بھلائی کے لئے کوشش کی تو دنیا اس کے طفیل میں خود بخود حاصل ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿۱۷﴾

جو کوئی دنیا کا بدلہ چاہتا ہے تو اللہ کے پاس تو دنیا و آخرت دونوں کا بدلہ

ہے اور اللہ تعالیٰ (سب کچھ) سنتا اور دیکھتا ہے۔ (۱۷)

یعنی جو شخص اپنی تمام تر توانائیاں اور کوشش صرف حصول دنیا کے لئے صرف کرتا ہے تو وہ جان لے کہ دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں اللہ ہی کے قبضے میں ہیں۔ وہ دنیا و آخرت دونوں کا مالک ہے۔ جب تم اس سے دنیا و آخرت دونوں کے طلب گار ہو گے تو وہ تمہیں دونوں عطا کر دے گا، کیونکہ تمام خزانوں کی کنیاں اسی کے قبضے میں ہیں۔ (۱۸)

اسلامی نظام حکومت کی اساس

اسلامی نظام حکومت کی اساس اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۹﴾

اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں، اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں، یہی سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۱۹)

یعنی اگرچہ انتظامی مصلحت کے تحت، حکومت و سلطنت کا دنیاوی نظام و انتظام، بندوں کے حوالے کر دیا گیا ہے اور پھر ان بندوں میں سے بھی اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار کچھ عرصے کے لئے

(۱۶) سید عزیز الرحمن، تعمیر شخصیت، فلورج انسائیت، (۱۰) اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۹۷ء، ص ۱۹

(۱۷) النساء: ۱۳۴ (۱۸) تفسیر ابن کثیر، ج ۱ ص ۵۶۴ (۱۹) یوسف: ۵۰

آج کے زندہ مسائل

اسکا پاکستان

چند لوگوں کا عطا کر دیا ہے۔ لیکن عارضی طور پر ان صاحب اختیار بندوں کو یہ بات برکھ نہیں بھولنی چاہئے کہ وہ خدا کے بندے ہیں، ان کا مالک و خالق اللہ ہے۔ چنانچہ حکم بھی اسی کا ہے۔ عبادت بھی اسی کی کی جائے اور سلطنت میں قوانین بھی اسی کے رائج ہوں۔ اگر کوئی حاکم ریاست اللہ تعالیٰ کے تفویض کردہ اختیارات سے تجاوز کرے اور اسلامی ریاست میں من چاہے احکامات کا اجرا و نفاذ کرنے لگے تو وہ درجہ نیابت کے مقام فضیلت سے گر کر شخصی حاکمیت کے لقب کا مستحق قرار پاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت، قرآن کریم کی اور بھی بہت سی آیات میں بیان ہوئی ہے۔ ایک آیت میں یوں ذکر ہے:

أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحُسْبَيْنِ ۖ

آگاہ ہو جاؤ بس اسی کا حکم ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا

ہے۔ (۲۰)

یعنی اگر اس کے احکامات کو زندگی کے تمام معاملات کی بنیاد نہ بنایا تو یاد رکھو وہ حاسب بھی ہے۔ پھر جب وہ احتساب کرے گا تو تم اس سے بچ کر نہ جاسکو گے۔

احکامات الہی کی دو قسمیں ہیں، تشریعی اور تکوینی۔ تشریعی سے مراد وہ احکامات ہیں جو انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے شریعت بن کر نازل ہوئے ہیں، اور تکوینی وہ معاملات ہیں جو فطری حیثیت سے مخلوقات عالم میں ودیعت رکھے گئے ہیں۔ ان دونوں اقسام کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ ہی حاکم ہے۔ دنیا کے سلاطین نہ تشریعی اختیار رکھتے ہیں نہ تکوینی، زمین سے آسمان تک ساری بادشاہی اللہ ہی کی ہے۔ (۲۱)

حکومت، نعمت خداوندی

دنیا میں حکومت و سلطنت کا عطا ہونا اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے۔ حتیٰ کہ کتاب اللہ اور نبوت و رسالت کے بعد اسی کا درجہ ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا

(۲۱) سیرۃ النبی ص ۱۰۵

(۲۰) الانعام: ۶۲

سو بے شک ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کے خاندان کو کتاب اور حکمت (نبوت) بھی دی اور ہم نے ان کو عظیم سلطنت بھی عطا فرمائی۔ (۲۲)

اس آیت میں کتاب اور حکمت (احکام شرعیہ، نبوت و رسالت وغیرہ) کے بعد حکومت و سلطنت کا ذکر کیا ہے۔ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کو بڑی بڑی سلطنتیں عطا فرمائیں تھیں، اسی طرح کچھ بعید نہیں محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو ان جیسی یا ان سے بھی بڑھ کر سلطنت عطا فرمادے۔ (۲۳)

ایک اور مقام پر فرمایا:

أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿۲۴﴾

بلاشبہ زمین کے مالک میرے نیک بندے ہیں۔ (۲۴)

لیکن دوسرے مقام پر اس امر کی بھی وضاحت فرمادی کہ یہ سلطنت اور حکومت اگر انسان کو عطا ضرور کی گئی ہے مگر یہ کسی کی ملکیت نہیں، اس کے پاس صرف امانت ہے۔ اس کا حاکم حقیقی اور اس کا وارث اصلی صرف اور صرف ایک ذات ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ۔ ارشاد باری ہے:

إِنَّا نَحْنُ يُرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿۲۵﴾

بلاشبہ ہم ہی زمین اور اس پر بسنے والوں کے وارث ہیں اور ہماری ہی

جانب ان کو (مال کار) لوٹنا ہے۔ (۲۵)

یعنی کائنات کی ہر چیز کا مالک و خالق اللہ تعالیٰ ہے اور انسان کو عارضی طور پر پید کیا و پیر متاع بطور امانت دیا ہے۔ مگر انسان کو پھر اللہ ہی کی جانب لوٹنا ہے۔ لہذا اگر اس نے امانت خیانت کی اور فرائض منصبی سے انصاف نہ کیا تو وہ یہ سوچ لے کہ اصل مالک کو جواب دی بھی کرئی

در حقیقت مالک ہر شے خدا است

ایں امانت چند روزہ نزد ما است

(۲۲) النساء: ۵۴ (۲۳) قاضی شام، اللہ تعالیٰ تفسیر مظہری مجلس اشاعت العلوم، حیدرآباد دکن ج ۲ ص ۴۰

(۲۴) الانبیاء: ۱۰۵ (۲۵) مزہج: ۴۰

آج کے زندہ سائل

۱۱۶

اسلام پاکستان

خلافت یا بادشاہت

قرآن کریم میں ارشاد ہے، اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام سے فرماتے ہیں:

يٰدَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ
بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ
يُضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ (نائب) بنایا ہے، پس تم انصاف کے ساتھ حکم کیا کرو اور نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرو و تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکائیں گی۔ (۲۶)

اس آیت میں بتا دیا کہ خلافت و حکومت ہم مولا کرتے ہیں۔ اس کا حقیقی سبب اللہ کی دین ہے۔ یہ اس پر موقوف نہیں کہ کوئی شخص اعلیٰ حسب و نسب کی بنیاد پر اس کی اہلیت و استحقاق رکھتا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ یہاں خلیفہ اور امیر کے فرائض کی جانب بھی توجہ دلائی ہے کہ چونکہ خلیفہ اللہ کا نائب ہے، اس لئے اس پر لازم ہے کہ وہ تمام فیصلے انصاف کے ساتھ کرے، کسی بھی معاملے میں عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ امور مملکت و سلطنت میں نفسانی خواہشات کا دخل بالکل نہ ہونے پائے، کیونکہ اگر امور سلطنت میں ان کا دخل ہو گیا تو پھر حکومت چل نہیں سکے گی، مملکت کا نظم و نسق درہم برہم ہو جائے گا اور وہ خواہشات نفسانی آخر کار تمہیں راہ خدا، راہ حق اور صراطِ مستقیم سے بالکل بھٹکا کر چھوڑیں گی۔

خلیفہ اور بادشاہ کا فرق حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بڑے عمدہ انداز میں بیان فرمایا۔ ان سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ؟ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اگر آپ مسلمانوں کی سر زمین سے ایک درہم یا اس سے کم و بیش کچھ بھی وصول کریں اور غیر مستحق متام پر اس کو دے دیں تو آپ بادشاہ ہیں، خلیفہ نہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اسی طرح ایک بار حضرت عمر

(۲۶) ص: ۲۶۹

آج کے زندہ مسائل

رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت کعب اور حضرت سہمان فارسی رضی اللہ عنہم۔

پوچھا کہ خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے؟ حضرت سلمان نے جواب دیا کہ خلیفہ وہ ہوتا ہے جو رعایا میں انصاف کرے، سب میں معاشی تقسیم ایک جیسی کرے، اور رعایا پر ایسی شفقت کرے جیسی آدمی اپنے گھر والوں پر کرتا ہے اور تمام فیصلے اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن حکیم) کے مطابق کرے۔

سلمان بن عوجاہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے نہیں معلوم میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ؟ ایک شخص نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! ان دونوں میں فرق ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا کیا فرق ہے؟ اس نے کہا خلیفہ حق پر لیتا ہے اور حق پر دیتا ہے، اور اللہ آپ ایسے ہیں، اور بادشاہ ظلم کرتا ہے اور ظلم لیتا اور دیتا ہے۔ (۲۷)

یہ ہے مسلمانوں کے خلیفہ کی تعریف اور یہ ہے اسلام کا عہد کردہ تصور حکمرانی۔ اس۔ یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خلافت اور بادشاہت میں اسلام کے اعتبار سے عملی فرق ہے، جو مختصر لفظوں میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ جو امیر خدا کے بندوں پر، خدا کی زمین پر خدا کا حکم نافذ کرتا ہے وہ خلیفہ ہے، اللہ کا نائب ہے اور جو مملکت کے فیصلوں کی بنیاد خواہشات نفس پر رکھے اور خدا کے بندوں پر ظلم چاہے تو انہیں مسلط کرے وہ خلیفہ کے علاوہ کچھ بھی ہو سکتا ہے، مگر اسے خلیفہ اللہ فی الارض قرار نہیں دیا جاسکتا۔

امیر ریاست کے فرائض

امیر ریاست (خلیفہ اللہ) کے فرائض کی جانب مختصر اور پر بھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔ دوسری آیت میں اس کی مزید وضاحت فرمائی گئی ہے۔ سورۃ الحج میں ارشاد ہے:

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا
الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَاللَّهُ
عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم ملک پر تسلط بخشیں تو یہ لوگ نمازوں کو قائم کریں

ج کے زندہ سائل ۱۱۸

اسلام آباد پاکستان

گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، نیک کاموں کا حکم دیں گے اور بری باتوں سے روکیں گے، اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ (۲۸)
اور اس آیت سے قبل فرمایا:

وَلِيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۲۹﴾

اور اللہ تعالیٰ یقیناً اس کی مدد کرے گا جو اس کے دین کی حمایت کرتا ہے۔
بیشک اللہ زبردست قوت والا ہے۔ (۲۹)

یعنی جو لوگ اللہ کے دین کی ترویج اور اس کی اشاعت و نفاذ کا کام کریں گے اللہ تعالیٰ بھی ان کی نصرت اور مدد فرمائے گا، اور ان کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو دور فرما کر ان کی منزل قریب اور ان کا سفر آسان و سہل فرما دے گا۔ پھر دوسری آیت میں ان لوگوں کی صفات کا فرمایا جو اللہ کے دین کی مدد کرتے ہیں۔ اس آیت میں ان کی چار صفات مذکور ہیں:

(۱) اقامتِ صلوٰۃ، نماز کا نظام قائم کرتے ہیں۔ (۲) نظامِ زکوٰۃ قائم کرتے ہیں۔

(۳) امر بالمعروف، یعنی نیکیوں کا حکم دیتے ہیں۔ (۴) نہی عن المنکر، یعنی برائیوں سے

رکھتے ہیں۔ اور چونکہ وہ یہ تمام کام کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے ہیں اس لئے پھر اللہ تعالیٰ بھی ان کی مدد کرتا ہے۔

درحقیقت کسی بھی اسلامی حکومت کی یہی چار اساسی اور بنیادی ذمہ داریاں ہیں اور غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسانیت کی فلاح و بہبود انہی چار نکات میں مضمر ہے اور ان کے معاشی، معاشرتی اور سماجی حقوق کا تحفظ انہی چار باتوں کے ذریعے ممکن ہے اور حقیقت یہ کہ اگر یہ تمام کام حسن تدبیر اور نظم و نسق کے ساتھ انجام پذیر ہونے لگیں تو دنیا کے تمام مسائل و دغدغہ ختم ہو جائیں اور یہ جہنم زار دنیا جنتِ نظیر بن جائے۔

آنحضرت ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر روانہ فرمایا تو اس نے چند ہدایات دیں۔ خود حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے کہا کہ اگر کوئی فیصلہ طلب امر پیش آئے تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض

کیا، میں کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلے کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ سے فیصلہ نہ کر سکو (تمہیں اس سے راہنہ کی نمل سکے تو)۔ حضرت معاذؓ نے عرض کیا تو سنت رسول اللہ (ﷺ) کے ذریعہ فیصلہ کروں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم سنت سے بھی فیصلہ نہ کر سکو تو۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پھر میں اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا (یعنی اجتہاد کروں گا)۔ رسول اللہ ﷺ ان کے اس جواب سے اس قدر خوش ہوئے کہ فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے رسول کے قاصد کو ان باتوں کی توفیق دی جس سے اس کا رسول راضی ہو۔ (۳۰)

اس حدیث میں حاکم کے چند اور فرائض مذکور ہیں۔ وہ اپنے تمام فیصلے کتاب و سنت کی روشنی میں کرے اور اگر کوئی نیا معاملہ پیش آجائے تو اجتہاد کرے۔ گویا کہ اجتہاد بھی اسلامی حکمران کے فرائض منہجی کا حصہ ہے۔

اسلام نے امیر ریاست کے اور بھی بہت سے فرائض متعین کئے ہیں۔ امیر کے لئے ضروری ہے کہ وہ رعایا کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے۔ معروف کی تاکید اور منکرات کی روک تھام کرے، عہدے کی حرص نہ کرے۔ امیر کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنی حکمرانی کو بنیاد بنا کر اپنے لئے ترجیحی سہولیات حاصل نہ کرے، عوام کے لئے امیر تک پہنچنے میں رکاوٹیں نہ کھڑی کی جائیں اور وہ امور سلطنت اپنے ساتھیوں کے مشورے سے انجام دے۔ امیر کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ عوام کی معاشی حالت کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیتا رہے تاکہ وہ پرسکون، مطمئن اور آسودہ حال زندگی بسر کر سکیں۔ (۳۱)

اعضائے حکومت

موجودہ دور میں کسی بھی ریاست کے انتظام و انصرام کی ذمہ داری تین اداروں پر ہوتی ہے۔ یہ تینوں اعضاء ریاست کے ستون کہلاتے ہیں۔ ۱۔ مقننہ، ۲۔ عاملہ یا انتظامیہ، ۳۔ عدلیہ۔

مقننہ

موجودہ دور میں جمہوری حکومتوں میں عوام کے منتخب کردہ اور عرف عام میں غیر جمہوری

(۳۰) احمد بن محمد بن حنبل / مسند احمد / دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۳ء، ج ۶ ص ۳۲۱

(۳۱) سید فضل الرحمن / ہادی اعظم / ادارہ مجددیہ، کراچی، ۱۹۹۱ء، ص ۲۹۵-۲۹۷

آج کے زندہ مسائل

اسلام آباد

حکومتوں میں خود اہل حکومت کے منتخب کردہ ادارے کو ریاست کے مفاد میں اور اس کا نظام چلانے کے لئے قانون سازی اور اصول و ضوابط طے کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ وہ اپنی فہم کے مطابق کسی بھی امر کے لئے حلال و حرام، جائز و ناجائز اور ضروری و غیر ضروری ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہے، لیکن ایک اسلامی ریاست میں اس کا کردار خاصا محدود ہوتا ہے۔ کیونکہ اسلام میں دوسرے تمام امور کی طرح نظام حکومت و ریاست کے تمام اصول و قوانین مرتب ہیں اور اس بارے میں کسی قسم کا ابہام موجود نہیں ہے۔ اس لئے اس میں رد و بدل یا ترمیم و تنسیخ کی کسی کو بھی اجازت نہیں۔ قرآن کریم میں واضح ارشاد ہے۔ فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلًّا مُّبِينًا

اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرمادے تو پھر ان کا اپنے معاملے میں کچھ اختیار رہ جائے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہی میں جا پڑا۔ (۳۲)

البتہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ان نے پیش آنے والے معاملات کے بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں اجتہاد کا حق ضرور دیا گیا ہے، جن کے بارے میں کوئی صحیح علم قرآن و سنت میں موجود نہ ہو۔ مگر اس کے لئے بھی کڑی شرائط مماند کی گئی ہیں۔ کیونکہ ایک تو یہ کام بھی نہایت عظیم الشان ہے دوسرے اس کی اہمیت بھی بہت ہے۔ اس لئے کہ اس سے لاکھوں کروڑوں انسانوں کا مفاد، ان کی زندگی اور ان کے مذہبی معاملات متعلق ہوتے ہیں۔ اس لئے اجتہاد کی بیان کردہ شرائط پر پورا اترنے والے رجال کا رہی اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ براہو سکتے ہیں۔ البتہ دنیاوی معاملات میں اس کی سمجھ بوجھ رکھنے والے ماہرین اپنے لئے راجع العمل کا انتخاب کر سکتے ہیں اور مناسب تدابیر اختیار کرنے کے مجاز ہیں۔ بشرطیکہ وہ اسلام کے سرعہ و اصولوں اور متفقہ

قوانین سے مقصد دم نہ ہوں۔

عاملہ

ریاست کا دوسرا ستون عاملہ کہلاتی ہے۔ عاملہ سے مراد انتظامیہ ہے۔ اسلام میں عاملہ کی حیثیت خدا کے نائب کی ہے اور خلیفہ یا امیر اس کا سربراہ ہوتا ہے۔ اس کا پہلا فریضہ اسلامی قوانین اور شریعت کا نفاذ ہے۔ اس اعتبار سے حکمرانی ان کے پاس امانت ہے۔ پھر اس مقصد کے لئے چونکہ عوام کے تعاون کی ضرورت ہے، اس لئے مسلمانوں کو امیر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور تم میں جو حاکم ہوں، پھر اگر کسی مسئلے میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہ اچھی بات ہے اور اس کا انجام اچھا ہے۔ (۳۳)

آنحضرت ﷺ نے بھی اطاعت امیر کی تلقین فرمائی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

(امیر کا حکم) سنا اور اس کو ماننا مسلمان پر واجب ہے، خواہ (وہ حکم) پسند ہو یا ناپسند۔ بشرطیکہ اللہ کی نافرمانی کا حکم نہ دیا گیا ہو۔ اگر معصیت کا حکم دیا گیا ہو تو نہ (اس کا) سنا جائز ہے نہ ماننا۔ (۳۴)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی

آج کے زندہ مسائل ۱۲۲ استحکام پاکستان

نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ امام کی مثال ڈھالی جیسی ہے کہ اس کے پیچھے رہ کر جنگ کی جاتی ہے اور اس کے ذریعے (دشمن سے) بچا جاتا ہے۔ پس اگر امام تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کا حکم دے اور انصاف کو شعار بنائے تو اسے اس کا اجر ملے گا۔ لیکن اگر اس کے خلاف کہے گا تو اس کا گناہ اس پر ہوگا (۳۵)

لیکن اطاعتِ امیر کا حکم صرف اس صورت میں ہے جب امیر اور حاکم صحیح راستے پر چلے اور اسلامی تعلیمات کی پیروی کرے۔ لیکن جب امیر احکامِ شریعت کی پیروی نہ کرے اور اللہ و رسول کی نافرمانی کا حکم دے تو ایسے امیر کی اطاعت اللہ تعالیٰ نے لازم نہیں کی۔ جیسا کہ ابھی احادیث میں بھی ذکر ہوا۔ قرآن کریم میں بھی ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا تَطِيعُ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ۝

اور آپ اس شخص کا کہنا نہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جو اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا ہے (۳۶)

عدلیہ

ریاست کا تیسرا ستون عدلیہ کو کہا جاتا ہے۔ کسی بھی ریاست کا نظم و ضبط قائم رکھنے اور اس کے استحکام کے لئے عدلیہ کا کردار واضح ہے۔ خصوصاً داخلی استحکام کا حصول عدلیہ کی راست کرداری کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے ریاست کے استحکام کے سلسلے میں عدلیہ پر بہت بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ (۳۷)

استحکام حکومت

کسی بھی مملکت کے استحکام کے لئے خصوصاً جبکہ وہ ایک نظریاتی مملکت ہو یہ ضروری ہوتا

(۳۵) محمد بن اسماعیل بخاری / تصحیح بخاری / مصطفیٰ البانی النسخی، مصر، ۱۹۵۳ء، ج ۲ ص ۱۱۰

(۳۶) الکلیف: ۳۸ (۳۷) اس کی تفصیل آگے ”نظام عدل و انصاف“ میں ملاحظہ فرمائیے

ہے کہ اس کا نظم و نسق چلانے کے اصول و ضوابط ہوں، طریقہ کار ہو اور واضح و غیر مبہم نظام حکومت و سلطنت ہو۔ اسلام نے اس سلسلے میں واضح احکامات بیان کئے ہیں، جنہیں آنحضرت ﷺ نے مفصل ذکر فرمایا ہے۔ ان کی روشنی میں کسی بھی اسلامی سلطنت کو استحکام و دوام عطا ہو سکتا ہے۔ ذیل میں ان میں سے چند اہم اصول و قوانین کا وطن عزیز مملکت خداداد پاکستان کی صورت حال کے تناظر اور آنحضرت ﷺ کی فرمودہ ہدایات و طریقہ کار کی روشنی میں جائزہ لیا جائے گا۔

استحکام حکومت کے خنمون میں جو عوامل بنیادی نوعیت کے حامل قرار دیے جاسکتے ہیں، انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

(۱) خارجی (۲) داخلی

یہاں پہلے داخلی عوامل کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیا جائے گا، بعد میں خارجہ امور پر روشنی ڈالی جائے گی۔

داخلی عوامل

ریاستی استحکام میں بنیادی کردار ادا کرنے والے داخلی عوامل مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ اس مضمون میں ہم نے ان کو ذیل کے عنوانات کے تحت تقسیم کیا ہے:

- ۱۔ تعلیم،
- ۲۔ باہمی اتحاد و تنازعات سے اجتناب،
- ۳۔ نظام عدل و انصاف،
- ۴۔ انسداد جرائم،
- ۵۔ ملکی دفاع،
- ۶۔ مساوات،
- ۷۔ علاقائی عصبيت،
- ۸۔ حدود و تعزیرات،
- ۹۔ انسداد رشوت،
- ۱۰۔ اقلیتوں سے سلوک،
- ۱۱۔ معاشی نظام۔

ذیل میں ان کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لیا جائے گا۔

تعلیم

تعلیم بنیادی انسانی ضروریات میں سے ہے اور اس کی کثیر اہمیت اور اہمیت بھی اس بات کی متقاضی ہے کہ اسے اسلامی ریاست میں اہم مقام عطا کیا جائے۔ کسی بھی نظریاتی و فلاحی ریاست کو اپنے دفاع کے لئے دو مختلف محاذوں پر بیک وقت تیر و آرماء ہونا پڑتا ہے، ایک تو اس کی زمینی سرحدوں کی حفاظت کے لئے فوجی دفاع کا محاذ اور دوسرا اس کی نظریاتی سرحدوں کا محاذ۔ دوسرا محاذ اس لئے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ اس پر عموماً حملہ ریاست کے اندر سے کیا جاتا ہے، اس لئے اس محاذ پر مقابلہ صرف اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب کہ ریاست کے تمام افراد نظریاتی طور پر مستحکم ہوں اور یہ کام تعلیم کو عام کئے بغیر ممکن نہیں۔ صرف تعلیم ہی کے ذریعے وہ شعور پیدا کیا جاسکتا ہے جو ریاست کے نظریاتی وجود کے استحکام کا باعث بنے، اس لئے اسلامی ریاست کا اہم فریضہ تعلیم پر مکمل توجہ ہے۔

اسلام میں تعلیم کا آغاز

اسلام میں تعلیم کا آغاز اس کی پہلی ریاست کی باقاعدہ داغ بیل سے قبل ہی ہو گیا تھا۔ اسلام کی نظر میں تعلیم کی اہمیت کی یہ واضح دلیل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے دارالقرآن کو اسلام کے خفیہ مرکز کے طور پر استعمال کیا۔ اسلام کے اس پہلے مرکز میں اسلام کا پہلا مدرسہ بھی قائم ہوا۔ کوہ صفا کے دامن میں اس محفوظ مقام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہوتے تھے اور اس وقت تک نازل ہونے والا قرآن کریم یاد کرتے۔ آپ ﷺ سے نماز کے احکامات اور اس کا طریقہ سیکھتے اور آپ کے ساتھ نمازیں ادا کرتے۔ ہادی، اعظم کا کلام براہ راست سنتے اور آپ ﷺ سے آلتساب فیض کرتے تھے۔ (۳۸)

اسلام کا پہلا باقاعدہ مدرسہ اور مرکز تعلیم مسجد نبوی میں ’صفہ‘ کے نام سے قائم ہوا۔ صفہ عربی میں چبوترے کو کہتے ہیں۔ صاحب نجد لکھتے ہیں:

صفۃ المسجد، مسجد سے متصل چبوترے کی سایہ دار جگہ کو کہتے ہیں۔ (۳۹)

(۳۸) علی بن برہان الدین حلبی، انسان النعیم (سیۃ علی)، دار المعرف، بیروت، ج ۱ ص ۵۶

(۳۹) لوہب معلوف، المنجد، بیروت، ۱۹۴۷ء، ص ۳۹

یہ ایک ہموار چہرہ تھوڑا سا پرکھجور کے پتوں کا سنا بان تھا۔ یہاں بے آسرا اور دور دراز سے علم کی طالب میں آنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قیام کرتے اور انہیں قرآن کریم، تجوید، آنحضرت ﷺ کے فرامین و احکامات اور لکھنے پڑھنے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ آپ ﷺ کے علاوہ دوسرے صحابہ بھی درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ مثلاً حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے لکھنے پڑھنے اور قرآن کریم کی تعلیم دینے پر مامور کیا۔ آنحضرت ﷺ خود ان کی نگرانی فرماتے تھے۔ اس لحاظ سے یہ ایک اقامتی مدرسہ تھا۔ (۴۰)

مفت تعلیم

اسلامی ریاست میں تعلیم مفت ہونی چاہئے، اور حکومت طلباء کی تعلیمی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ دار ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں پوری سلطنت میں اور خصوصاً نئے فتح ہوئے علاقوں میں نو مسلموں کی تربیت اور تعلیم کے لئے قرآن کریم کے مختلف مکاتب قائم کئے، ان کے معلمین کی تنخواہیں بیت المال سے ادا کی جاتی تھیں۔ مدینہ منورہ میں اس وقت ۱۵-۱۶ اور ہم معلوم کونہ تو اودی جاتی تھی جو اس دور کے اعتبار سے بہترین تنخواہ تھی۔ اس کے علاوہ حضرت عمرؓ نے کتابت سکھانے کے لئے بھی خصوصی ہدایات جاری فرمائی تھیں۔ آپ قرآن کو مختلف علاقوں کی طرف سرکاری طور پر روانہ فرماتے تھے۔ قرآن کریم کی تعلیم پانے والے طلباء کے لئے وظائف جاری کئے جاتے تھے۔ آپ کے دور میں قرآن کریم کے علاوہ احادیث نبوی، سیرت و غزوات، فقہ، ادب عربی، علم الانساب اور کتابت وغیرہ کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی اور اس کے تمام انتظامات سرکاری طور پر کئے جاتے تھے۔ (۴۱)

لازمی تعلیم

اسلامی ریاست میں تعلیم لازمی اور جبری ہونی چاہئے۔ خواندگی ایسی چیز نہیں ہے جسے

(۴۰) قاضی اطہر مبارک پوری، خیر القرون کی درس گاہیں، شیخ المہند الانبی، دیوبند، انڈیا، ۱۹۹۵ء، ص ۳۵، ۳۸۔ (۴۱) شبلی نعمانی، افاروق مکتبہ صدیقیہ، مکتبہ اشاعت ۱۹۵۲ء، ج ۲، ص ۴۴، ۴۵۰۔

آج کے زندہ مسائل

اسلام پاکستان

عوام کی مرضی پر چھوڑا جاسکے، کیونکہ ناخواندہ افراد تو علم رکھتے ہی نہیں ان سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ سب علم کی اہمیت کا ادراک رکھتے ہوں گے۔ یہ فریضہ تو ریاست کا ہے کہ وہ ان کے سامنے تعلیم کی اہمیت اجاگر کرے اور انہیں حصول علم پر آمادہ کرے۔ خصوصاً کسی اسلامی معاشرے میں ناخواندہ افراد قطعاً قابل قبول نہیں ہو سکتے۔

اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاص طور پر خانہ بدوش بدوؤں کے لئے قرآن مجید کی جبری تعلیم کا نظام قائم کیا۔ چنانچہ ابوسفیان نامی ایک شخص کو چند افراد کے ساتھ اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ قبائل میں گھوم پھر کر ہر شخص کا امتحان لیں اور جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہ ہوا سے سزا دیں۔ (۴۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہروں میں گشتی معلمین مقرر کئے تھے۔ وہ راہ چلتے لوگوں کو پکڑتے تھے، ان کی خواندگی کا اندازہ لگاتے تھے اور پھر ناخواندہ شخص کو کسی مکتب میں استاد کی تحویل میں دے دیتے تھے تاکہ وہ قرآن مجید اور دین کی ضروری تعلیم حاصل کرے۔ (۴۳)

خواتین کی تعلیم

اسلامی ریاست کے فرائض میں خواتین کی تعلیم کا انتظام بھی شامل ہے۔ اس کے لئے حکومت کو ایسا انتظام کرنا چاہئے کہ ہر خاتون بنیادی ضروریات کی تعلیم خواہ وہ دنیاوی ہوں یا دینی سبوت کے ساتھ حاصل کر سکے، اور اس ضمن میں انہیں کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے، اور خواتین کی تعلیم کا سلسلہ خالص اسلامی ماحول میں اسلامی تعلیمات کی ادنیٰ مخالفت اور ان سے معمولی روگردانی کے بغیر جاری رہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس مقصد کے لئے سب سے پہلے خود ابتدا فرمائی اور خواتین کو تعلیم دینے کے لئے علیحدہ دن مقرر فرمایا۔ (۴۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی خواتین کی تعلیم کی طرف خاص توجہ دی۔ ان کے دور میں خواتین کے دو مدرسے قائم کئے گئے، ایک مدرسہ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا چلاتی تھیں اور دوسرا ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چلاتی تھیں۔ ان کے ہاں پردے کے پیچھے بیٹھ

(۴۲) الفاروق/ ج ۲ ص ۲۴۲ (۴۳) پروفیسر سید محمد سلیم، اسلام کا نظام تعلیم، ادارہ تحقیقی، لاہور

۱۹۹۶ء/ ص ۸۶ (۴۴) بخاری/ ج ۱ ص ۲۳

کر مراد حضرات بھی ان سے استفادہ کرتے تھے۔ (۴۵)

انہوں سے خواتین کی بھی جبری تعلیم کا انتظام کیا تھا اور ایک قاریہ کا تقرر کیا تھا جو گھر گھر جا کر ناخواندہ خواتین کو قرآن مجید کی تعلیم دیتی تھی اور فقہ کے مسائل سکھاتی تھی۔ (۴۶)

اسلامی اور نظریاتی ریاست کی حیثیت سے پاکستان پر یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کرے اور تعلیم کو عام کر کے ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو۔ پاکستان کے استحکام کے لئے صرف فنی اور جدید تعلیم ہی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ایسا نظام تعلیم ضروری ہے جو ایک طرف تو ہماری مذہبی روایات اور عقائد کا تحفظ کرے اور قوم کو نظریاتی طور پر مستحکم کرنے کا فریضہ سرانجام دے، اور دوسری طرف ہر میدان کے لئے رجال کا رتیار کرنے میں معاون ثابت ہو، جو آگے چل کر ریاست کے ہر شعبہ کو جدید تقاضوں کے مطابق چلانے کی مکمل اہلیت رکھتے ہوں۔ تاکہ پاکستان ہر معاملے میں خود کفیل ہو سکے۔

باہمی اتحاد اور تنازعات سے اجتناب

ریاست میں امن و استحکام کے لئے باہم اتحاد قائم رکھنا اور آپس کے لڑائی جھگڑوں اور تنازعات سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ اس عالم آب و گل میں بسنے والے تمام انسان بلا تفریق رنگ و نسل اور قوم و قبائل آپس میں مل جل کر رہیں اور ایک دوسرے کے تعاون سے ایک ایسی ریاست تشکیل و ترتیب دیں جہاں تمام معاملات کی بنیاد اخوت و محبت پر ہو اور جہاں تمام فیصلے عدل و انصاف سے کئے جائیں۔ جہالت اور اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت، عصبیت کو فروغ دیتی ہے اور عصبیت اتحاد و اخوت کی ضد ہے۔ عصبیت کی بنیاد علاقائیت، لسانیت، قبائل و ثقافت پر ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اس کی کھلی اور واضح تردید فرماتے ہوئے اتحاد و اخوت کا درس دیا۔ ارشاد باری ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ
شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ
إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣٠﴾

اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا کیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا، باخبر ہے۔ (۴۷)

یعنی قبائل اور برادریاں صرف باہم متعارف ہونے کے لئے قائم کی گئیں۔ ان کو نفرت و حقارت کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا اور قبائلی اونچ نیچ اور ذات پات کی برتری اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر عند اللہ کوئی چیز مقبول ہے، اگر اللہ کے ہاں کسی بات کی اہمیت ہے تو وہ صرف اور صرف تقویٰ ہے۔

درحقیقت اخوت و اتحاد ہی وہ بنیادی عناصر ہیں جن کو بروئے کار لائے کسی بھی قوم کی شیرازہ بندی کی جاسکتی ہے۔ اسلام نے بھی اس کو اہمیت دی ہے اور عبادات کو بھی اس کی ترویج کے لئے استعمال کیا۔ خصوصاً نماز کو باجماعت ادا کرنے کی تاکید فرمائی، تاکہ لوگ ایک دوسرے سے ملیں اور اتحاد کو فروغ حاصل ہو۔ پھر جمعہ کی نماز بیعت میں ایک بار فرض قرار دی اس کو مسجد و جماعت کے ساتھ مشروط کیا تاکہ عام ایام میں سستی کرنے والے حضرات کو بھی باہم جینے کا موقع مل سکے۔ کیونکہ رنجشیں اور کدورتیں دور رہنے سے زیادہ ہوتی ہیں اور قریب ہونے اور مل بیٹھنے سے انہیں دور کرنے کا موقع ملتا ہے۔

باہمی تنازعات بھی اتحاد و اتفاق کی فضا کو مسموم کرتے ہیں اور ان کی وجہ سے ریاست کے استحکام کو نقصان پہنچتا ہے۔ قرآن کریم نے اسی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا
إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ

(اے ایمان والو!) آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو، بلاشبہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (۴۸)

یعنی اگر تم آپس میں جھگڑا کرنے لگے تو تم استحکام کی دولت سے ہاتھ دھو بیٹھو گے، اور

ترقی نہ کر سکو گے۔ اس آیت میں باہمی تنازع کے دو نقصان بتائے گئے ہیں:

۱۔ تم آپس کے جھگڑوں میں الجھ کر بزدل ہو جاؤ گے اور دشمن سے مقابلے کی صورت میں تم کامیابی حاصل نہ کر سکو گے۔ کیونکہ تمہاری قوت اور تمام تر توانائیاں، جنہیں ریاست کی حفاظت و استحکام کے لئے کام آنا چاہئے، آپس کے تنازعات میں صرف ہو چکی ہوں گی۔

(۲) تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور دشمن پر تمہارا رعب و دبدبہ برقرار نہیں رہ سکے گا۔ اور دشمن تم پر حملہ آور ہونے کے لئے پرتو لے لگے گا اور یہ امر واقعہ ہے کہ کسی بھی سلطنت پر دشمن قوتوں کو حملہ آور ہونے کا جواز اکثر ریاست کی مختلف قوتوں کے باہمی تنازعات نے فراہم کیا ہے۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اتحاد و اتفاق خود ہماری اپنی بقا کی ضرورت ہے، کیونکہ زندگی تنہا نہیں گزاری جاسکتی اور انسان کو اپنے سکون و اطمینان کے لئے اتحاد درکار ہے۔ بصورت دیگر وہ اس کائنات کے نظام کا حصہ نہیں بن سکتا۔

اسلام کے عطا کردہ نظام میں انتشار و افتراق کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ وہ کسی بھی قسم کی تقسیم کا قائل نہیں بلکہ وہ ہر قسم کی تفریق و امتیاز کو ختم کر کے ایک قوم کی صورت عطا کرتا ہے اور ان کل مسلم اخ المسلم (۴۹) (ہر مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے) کا فلسفہ اخوت و محبت عطا کرتا ہے۔ اسلامی ریاست کی ساری عمارت اسی فلسفے کی بنیاد پر قائم ہے۔ یہ آنحضور ﷺ کی بے لوث محنت اور تربیت کا ہی فیضان اثر تھا کہ متفرق، منتشر اور ہزار ہا قبائلی ٹکڑوں میں منقسم گروہوں کا ہجوم ایک مضبوط قوم اور ناقابل تسخیر قوت میں تبدیل ہو گیا۔

جنگ یرموک کا ناقابل فراموش اور سبق آموز واقعہ ہم سب کو دعوت غور و فکر دیتا ہے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس جنگ میں میرے بھائی شدید زخمی ہوئے، وہ تڑپ رہے تھے اور پیاس کی شدت سے بے تاب تھے، انھوں نے اشارے سے مجھ سے پانی طلب کیا، میں پانی لے کر ان کے پاس پہنچا تو قریب ہی موجود دوسرے زخمی مجاہد کی کراہ سنائی دی۔ میرے بھائی نے پانی اس مجاہد کو پلانے کا اشارہ کیا۔ میں ان کے پاس پہنچا تو

(۴۹) حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ (م ۴۰۵ھ) المستدرک، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۰ء، ج ۱

ص ۱۷۱-۱۷۲ رقم ۳۱۸

آج کے زندہ مسائل

اسلام پاکستان

تیسرے مجاہد کی آواز آئی، دوسرے مجاہد نے اسے پلانے کا اشارہ کیا، میں وہاں پہنچا تو جو تھے زخمی مجاہد کی آواز سنی، غرض جب میں آخری شخص کے پاس پہنچا تو وہ اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر چکا تھا۔ میں واپس پلٹا تو تیسرے مجاہد کی روح بھی پرواز کر چکی تھی۔ اسی طرح دوسرے مجاہد سے ہوتا ہوا جب واپس اپنے بھائی کے پاس پہنچا تو وہ بھی دار بقا کو روانہ ہو چکے تھے۔

یہ تھی اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ اور ان کل مسلم اخ المسلم کی عملی تفسیر کہ انہیں حالت نزاع میں بھی اپنے مسلمان بھائی کی تکلیف گوارا نہ تھی۔

اس واقعے کی روشنی میں ہمیں اپنے طرز عمل کا جائزہ لینا چاہئے، اور اپنی سوچ و فکر کو پرکھنا چاہئے۔ اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ آج وطن عزیز کو ایسے ہی جذبہ ایثار و قربانی اور اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہے اور اتحاد ہی کے بل پر ہم دولتِ استحکام حاصل کر سکتے ہیں۔

نظام عدل و انصاف

عدل عربی زبان کا لفظ ہے عامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ ان دونوں میں سے کسی میں بھی کمی بیشی نہ ہو، اسے عدل کہا جاتا ہے (۵۰) اس اعتبار سے عدل یہ ہے کہ ہم جو کام بھی کریں اور جو بات بھی کہیں اس میں میزان صداقت کسی جانب بھی جھکے نہ پائے، بلکہ صرف وہی بات کہی جائے اور فقط وہی کام کیا جائے جو انصاف کی کسوٹی پر ہر طرح سے پورا اترے۔

کسی بھی مسلم ریاست یا اسلامی مملکت کے لئے نظام عدل و انصاف کا قیام ابتدائی ضروریات میں سے ہے۔ اس کے بغیر کوئی سلطنت اور مملکت استحکام حاصل نہیں کر سکتی، کیونکہ اس کا تعلق براہِ راست عوام سے ہے۔ جب تک ریاست میں بسنے والے تمام افراد کو بلا تفریق اور بلا تاخیر انصاف مہیا نہیں کیا جائے گا ان کو ذہنی طور پر آسودہ نہیں کیا جاسکتا اور جب تک وہ ذہنی طور پر کسی حکومت سے مطمئن و متفق نہیں ہوں گے اس وقت تک وہ حکومت سے تعاون نہیں کریں گے، اور عدم اطمینان اور عدم تعاون کی یہ فضا داخلی انار کی اور عدم استحکام کو جنم دیتی ہے۔ آنحضرت

(۵۰) حسین بن محمد راغب اصفہانی / المفردات / نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی / ص ۳۳۳

آج کے زندہ مسائل استحکام پاکستان

ﷺ نے استحکام کی راہ میں رکاوٹ بننے والے اس عامل کی بھی سنج کشی کی اور فوری اور آسان انصاف مہیا کرنے والا نظام رائج کیا۔

آپ ﷺ کے بدترین جانی دشمن یہود بھی آپ ﷺ کے عدل و انصاف کے معترف تھے اور اپنے معاملات اور مقدمات آپ کی عدالت میں پیش کرتے اور آپ ﷺ سے فیصلے کرواتے تھے۔ یہ آپ ﷺ کے عدل و انصاف کی بین اور سب سے بڑی دلیل ہے اور تاریخ انسانی اس کی مثال تو کجا نظیر تک پیش کرنے سے قاصر ہے۔

چنانچہ اسلام کی آمد سے قبل جہاں دوسرے بہت سے معاملات حد سے تجاوز کر چکے تھے، وہیں یہود کے قبائل بنو نضیر اور بنو قریظہ میں عزت و شرف کا بالکل غیر فطری اور نہایت غیر معقول معیار رائج تھا۔ اس کے مطابق بنو قریظہ کا کوئی شخص بنو نضیر کے فرد کو قتل کر دیتا تو قصاصاً قاتل کو بھی مارا جاتا، لیکن اگر بنو نضیر کا کوئی فرد بنو قریظہ کے کسی شخص کو مار دیتا تو قصاصاً اسے قتل نہ کیا جاتا تھا بلکہ اس کا خون بہا سو سبق کھجور کی صورت میں ادا کر دیا جاتا تھا۔ یعنی شرف و مرتبے کے اعتبار سے بنو نضیر کو بنو قریظہ پر فوقیت حاصل تھی۔ اسلام کی آمد کے بعد عہد نبوی میں جب اس قسم کا واقعہ پیش آیا تو بنو قریظہ نے سارا قصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے تو ریت کے حکم کے بموجب تمام قبائل میں برابر کا قصاص جاری فرمادیا، اور ان کے درمیان موجود یہ غیر فطری اور غیر منصفانہ تفریق ختم فرمادی۔ (۵۱)

حکمران طبقہ ہمیشہ سے اپنے آپ کو تمام مروجہ اصول و قوانین سے مبرا و ماوراء تصور کرتا ہے۔ آنحضور ﷺ نے اس تصور کی بھی نفی فرمادی اور ایک موقع پر فرمایا:

اگر فاطمہ بنت محمد (ﷺ) بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹتا (۵۲)

حضرت سرق رضی اللہ عنہ نامی ایک صحابی رسول نے ایک دیہاتی سے اونٹ خریدے مگر بروقت اس کی قیمت ادا نہ کر سکے۔ وہ انہیں پکڑ کر دربار رسالت میں لے آیا اور واقعہ ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھی اور صحابی ہونے کے لحاظ سے حضرت سرق کے ساتھ کوئی ترقیحی سلوک نہیں فرمایا، بلکہ حقدار کا حق ادا کرنے کا حکم دیا۔ انھوں نے رقم نہ ہونے کا عذر پیش کیا۔ آپ ﷺ نے دیہاتی نے کہا کہ انہیں بازار

(۵۱) ابوداؤد۔ کتاب الدیات، باب النفس بالنفس (۵۲) بخاری ج ۴ ص ۱۲۲

لے جا کر فروخت کر دو۔ وہ انہیں بازار لے گیا اور وہاں ایک صحابی نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ (۵۳)
اسلام کی نظر میں لوگوں کا امیر یا قاضی ان کا خادم ہے، اس لئے اسے حکم ہے کہ وہ لوگوں
سے نرمی کے ساتھ معاملہ کرے۔ اسے رعایا پر سختی کی اجازت نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
فرماتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اے اللہ جو شخص میری امت کے کسی معاملے کا امیر مقرر ہو پھر ان پر سختی
کرے تو تو بھی اس پر سختی فرما، اور جو شخص میری امت کے کسی معاملے کا
امیر مقرر ہو اور ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے تو تو بھی اس کے ساتھ
نرمی کا معاملہ فرما۔ (۵۴)

اسلام کی نظر میں قاضی لوگوں کے معاملات میں امین ہے۔ اگر وہ امانت داری کے ساتھ
اپنے منصب سے انصاف نہیں کرتا تو اسے اپنے عہدے پر برقرار رہنے کا حق حاصل نہیں۔ ایسا
نفس آخرت میں بھی سخت ترین عذاب کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے
روایت ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

جس شخص کو اللہ ایک رعیت دے (اسے لوگوں کا حاکم بنائے) پھر وہ مرے
اور جس دن مرے اس دن اپنی رعایا پر خیانت کرتے ہوئے مرے تو اللہ
اس کے لئے جنت کو ضرور حرام کر دے گا۔ (۵۵)

اس لئے اسلام کا حکم یہ ہے کہ عہدہ قضا پر صرف اہل لوگوں کا اقرار کیا جائے اور اسلامی
ریاست کا سربراہ پرے غور و خوض اور چھان پھٹک کے بعد ایسے افراد کو قاضی مقرر کرے جو اس کی
نظر میں پوری طرح سے اس منصب کے معیار پر پورے اترتے ہوں۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے
کہ وہ اپنے لئے یہ عہدہ طلب کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ اس عہدے کا مستحق نہیں رہا اور اگر
اس کے باوجود اسے یہ منصب عطا کر دیا گیا تو وہ اللہ کی رحمت اور اس کے تعاون سے محروم کر دیا

(۵۳) علی بن عمر الدارقطنی / سنن دارقطنی / دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، جلد ۲

(۵۴) مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلتہ الامام العادل (۵۵) عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی / السنن /

قدیمی کتب خانہ، باب فی العدل بین الرعیۃ، ج ۲، ص ۴۱

جائے گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص (منصب) قضاء طلب کرتا ہے اسے اپنے نفس کے حوالے کر دیا جاتا ہے (اسے اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل نہیں رہتی)۔ اور جس شخص پر جبراً یہ عہدہ مسلط کر دیا جاتا ہے اس کی مدد کے لئے (آسمان سے) فرشتہ نازل ہوتا ہے جو اسے غلط راستے پر چلنے سے روکتا ہے۔ (۵۶)

منصب قضاء کی انہی غیبتوں کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

جو شخص منصب قضاء پر فائز ہوا یا (فرمایا) اسے قاضی مقرر کیا گیا تو گویا کہ وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔ (۵۷)

لیکن اگر کوئی قاضی یا جج انصاف اور عدل کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور کسی معاملے میں خیانت، ظلم یا سختی سے کام نہیں لیتا، نہ ذاتی مفاد کی خاطر شریعت اسلامی کے اصولوں کو پس پشت ڈالتا ہے تو ایسے شخص کے لئے متعدد احادیث میں خوشخبری بیان ہوئی ہے اور آخرت میں اسے بلند درجات اور انواع و اقسام کے انعامات کی بشارت سنائی گئی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عدل و انصاف کرنے والے بندے (روز قیامت) اللہ کے پاس نور کے منبروں پر اللہ کے دائیں جانب ہوں گے۔ اور اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے فیصلوں میں اور اپنے اہل و عیال (اور متعلقین) کے معاملات میں اور اپنے اختیارات کے استعمال میں عدل و انصاف سے کام لیتے ہیں۔ (۵۸)

آج اگر وطن عزیز پاکستان میں استحکام پیدا کرنا ہے تو اس کام کے تعلیم فرمودہ ان راہنما اصولوں کی روشنی میں کام کرنا ہوگا اور ایسا نظام عدل و انصاف قائم کرنا ہوگا جو بذاتِ تیار رنگ و نسل و با

(۵۶) ترمذی، ابواب الاحکام، باب ما جاء من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القاضی

(۵۷) عن ابی ہریرۃ، ترمذی، ابینما (۵۸) مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلت الامام العدل

سنائی، کتاب ادب القضاۃ، باب فضل الخاتم العادل فی حکمہ

تفریق ہر شہری کو آسان، فوری اور سستے انصاف کی ضمانت دے سکے۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کے متعین کردہ خطوط پر اپنا نظام عدل استوار کر کے ہی ہم استحکام کی منزل کو قریب تر کر سکتے ہیں۔

انسدادِ جرائم

ریاست کے استحکام اور اس کے نظم و ضبط کو برقرار رکھنے میں ایک اہم کردار جرائم کی حوصلہ شکنی کرنے والے قوانین کے اجرا اور ان کے نفاذ کا ہوتا ہے۔ یہ کام جس قدر احتیاط، غیر جانبداری اور انصاف سے کیا جائے گا اسی قدر ریاست کے استحکام کے لئے مفید ہوگا۔ اسلامی نظام کی خصوصیت یہ ہے کہ اسے انسدادِ جرائم کے سلسلے میں جو قوانین عطا ہوئے ہیں وہ وحی کی صورت میں منزل من اللہ ہیں۔ اس لئے انسانی لغزشوں اور بشری فروگزاشتوں سے بالکل پاک ہیں۔ البتہ جرائم کے انسداد اور سد باب کے لئے صرف قوانین کا وضع کرنا ہی کافی نہیں ہوتا، اصل مسئلہ ان کا نفاذ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قوانین و اصول تو دنیا نے بنائے لیکن جرائم پر قابو صرف اس معاشرے میں پایا جاسکا جہاں وہ قوانین بلا تفریق رنگ و نسل اور بلا امتیاز طبقات و قبائل رائج ہوئے آنحضرت ﷺ نے اس معاملے میں بھی اپنے عمل سے واضح رہنمائی فرمائی اور جرائم کی روک تھام کے لئے صرف قوانین کے اعلان پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس سلسلے کو تفریق سے محفوظ رکھتے ہوئے تمام اراکین ریاست پر انہیں یکساں طور پر نافذ کیا اور اس سلسلے میں کسی قسم کی رعایت سے کام نہیں لیا اور نہ ہی کسی کی سفارش قبول کی۔ بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کا ارتکاب کیا۔ وہ گرفتار ہوئی۔ چونکہ اس کا تعلق بڑے خاندان سے تھا، اس لئے کوشش کی گئی کہ اس پر حد سرقہ جاری نہ کی جائے۔ حضور نبی کریم ﷺ سے بہت قربت رکھنے والے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے اس کے حق میں سفارش کرائی گئی۔ باوجودیکہ آپ ﷺ حضرت اسامہ کو بہت عزیز رکھتے تھے، مگر آپ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ ان کی سفارش قبول نہیں فرمائی بلکہ ان پر غصہ ہوئے اور فرمایا:

اسامہ کیا تم حدودِ خداوندی میں سفارش کرتے ہو؟

اور پھر لوگوں کو جمع کر کے خطاب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

تم سے پہلے کی امتیں اس لئے برباد ہو گئیں کہ جب معزز آدمی کو کوئی جرم کرتا

تو درگزر کرتے اور معمولی حیثیت کا شخص جرم کر بیٹھتا تو اس کو سزا دیتے۔
خدا کی قسم اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو محمد (ﷺ) اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔ (۵۹)

اس حدیث نبوی سے ہمیں وطن عزیز کے استحکام کے لئے یہ واضح راہنمائی ملتی ہے:
۱۔ جرائم کے انعداد اور ان کی روک تھام کے لئے تمام مروجہ اصولوں اور قوانین کو پوری قوت کے ساتھ اور ہر قسم کے امتیاز کے بغیر نافذ کرنا ہوگا، اور کسی شخص کو صرف اس بنیاد پر معافی نہیں دی جاسکتی کہ وہ بڑے خاندان یا طبقہ اشرافیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور نہ کسی شخص کی دنیاوی وجاہت و حیثیت کی وجہ سے اس سے نرمی و درگزر کا معاملہ کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ عند اللہ عزت و شرف کا مدار دنیاوی وجاہت و حیثیت نہیں بلکہ صرف اور صرف تقویٰ ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

بلاشبہ تم میں سے زیادہ باعزت اللہ کے نزدیک وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ (۶۰)

۲۔ قوانین کے نفاذ کے سلسلے میں امیر ریاست کو اپنے قریب تر فرد کی سفارش قبول کرنے کا بھی اختیار نہیں ہے۔ ایسا کرنے سے نہ صرف وہ گناہگار ہوگا بلکہ یہ بات ملکی استحکام کے لئے بھی ضرور رساں ہے۔

۳۔ مروجہ قوانین کا تعلق صرف عوام اور رعایا سے نہیں ہے بلکہ ان کا اطلاق حکمران طبقے اور کلیدی عہدوں پر فائز افراد پر بھی یکساں طور پر ہوتا ہے۔ اور وہ صرف اس بنا پر اپنے آپ کو قوانین سے ماوراء قرار نہیں دے سکتے کہ وہ ریاست کے حکمران ہیں یا ریاستی طاقت ان کے تصرف میں ہے، جس کی جانب آپ انبیاء کہہ کر اشارہ فرمایا کہ ”اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹتا۔“

اسلامی نظام میں طاقت کا سرچشمہ حکمران نہیں خود رب کائنات ہے۔ کیونکہ ارشاد ہے:

إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ

اور یہ اسلامی قوانین کے بلا امتیاز نفاذ کا ہی کرشمہ تھا کہ آپ ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور حکومت کو آج بھی ہر اعتبار سے زریں اور مثالی دور حکومت قرار دیا جاتا ہے۔ اور اسلام کی یہ برکتیں صرف اس دور تک خاص نہیں، بعد میں بھی اگر کسی نے ان پر عمل کیا تو وہ یقیناً ان سے فیض یاب ہوا۔

مشہور واقعہ ہے کہ جن دنوں سعودی عرب کے شاہ فیصل حکمران تھے وہ امریکہ کے دورے پر تشریف لے گئے۔ واشنگٹن ڈی سی میں صدر سے ملاقات کے بعد ہوٹل میں جہاں ٹھہرے کا انتظام تھا وہاں مغربی پریس اور میڈیا کے رپورٹروں نے انہیں گھیر لیا۔ ایک نامہ نگار نے سوال کیا جناب والا! آپ کے قوانین غیر انسانی، غیر مبذب اور وحشت اور درندگی پر مبنی ہیں۔ مہذب دنیا سے ان کا دور کا واسطہ نہیں۔ ہاتھ کاٹ دینا، سر عام سر قلم کر دینا، سنگسار کر دینا۔ اس ترقی یافتہ دور میں وحشت اور درندگی نہیں تو اور کیا ہے؟ شاہ فیصل اس کا سوال سن کر مسکرائے اور فرمایا امیرے ملک میں اسلامی شرعی قوانین نافذ ہیں۔ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے! اور یہ 'دینی ڈسپلن' ہے جو احتساب، فوری سزا اور جزا، انصاف اور معاشی ہم آہنگی اور آسودگی کی ضمانت دیتا ہے۔ میں آپ کو سعودی عرب آنے کی دعوت دیتا ہوں، آپ اپنی بیوی کے ہمراہ تشریف لائیں۔ میرے مہمان رہیں۔ میں جدہ ایئر پورٹ پر آپ کا خیر مقدم کرنے کے بعد آپ دونوں کو سونے اور جواہرات سے لاد دوں گا۔ آپ اپنی مرضی سے مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب جہاں اور جب چاہیں، جس سواری پر چاہیں جائیں۔ پہلی بات جو آپ دیکھیں گے وہ یہ ہے کہ آپ کو وہاں کوئی ہاتھ کٹا دکھائی نہیں دے گا، دوسرے کوئی بھکاری نظر نہیں آئے گا، تیسرے اس پورے سفر میں آپ کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ اس مشق کے بعد آپ واپس امریکہ آکر انہیں زیورات میں اسی ایئر پورٹ پر اتر کر بذریعہ ٹیکسی اس ہوٹل میں پھر تشریف لائیں، اگر آپ ان زیورات کے ساتھ خیریت سے پہنچ گئے تو فبہا ورنہ مجھے آپ سے پوچھنے کا حق ہو گا کہ وحشی یا مہذب کون ہے، میں یا آپ؟ (۶۱)

اگر ہم بھی اپنے وطن پاک میں امن و امان کا دور دورہ دیکھنا چاہتے ہیں اور یہ خواہش

آج کے زندہ مسائل ۱۳۷ اشکال پاکستان

رکھتے ہیں کہ استحکام وطن کا خواب شرمندہ تعبیر ہو تو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے بیان فرمودہ ان زریں اصولوں کو اپنی روزمرہ زندگی کا جزو لاینفک قرار دینا ہوگا اور خصوصاً ان تمام حضرات کو جو کسی بھی قسم کا اختیار رکھتے ہیں یا قوانین کے اجراء و نفاذ کے ذمہ دار ہیں تمام اصول و قوانین کا اپنی ذات پر بھی اسی طرح بلا رو و رعایت اطلاق کرنا ہوگا۔ جیسا کہ عوام الناس پر ان کا بلا امتیاز و بغیر رعایت کے اطلاق ہوتا ہے۔

ملکی دفاع

کوئی بھی ریاست ملکی دفاع کی جانب سے غفلت کا مظاہرہ نہیں کر سکتی۔ اس کے بغیر استحکام کا تصور نامکمل ہے۔ امن و استحکام کے لئے ایک اہم اصول یہ ہے کہ دشمن کے مقابلے میں اپنی فوجی تیاری ہر وقت مکمل رکھی جائے اور ملک کی افواج کو ہر لمحہ دشمن سے فائق اور برتر حالت میں رکھا جائے۔ قرآن کریم اس بنیادی حربی، فوجی اصول کی جانب یوں اشارہ کرتا ہے:

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ
تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ

اور (مسلمانو!) جس قدر تم سے ہو سکے (اپنی) قوت سے اور سدا سے
ہوئے گھوڑوں سے (مقابلے کے لئے) سامان تیار رکھو کہ اس سے اللہ
کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر تمہاری دھماک بیٹھ جائے۔ (۶۲)

اس آیت میں جنگ کے لئے ہر لحاظ سے اور مکمل طور پر تیار رہنے کا حکم دیا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ تمہاری کامیابی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تم دشمن کے مقابلے میں ویسا ہی سامان اتنی ہی مقدار میں جمع کرو جتنا کہ تمہارے دشمن کے پاس ہے۔ بلکہ اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق ہر پور تیاری رکھو، باقی اللہ پر بھروسہ رکھو انشاء اللہ اس کی نصرت سے کامیابی تمہاری ہی ہوگی۔

اس آیت میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوت کا لفظ استعمال فرمایا ہے، جس

میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ یہ قوت ہر زمانے اور ہر مقام پر مختلف ہو سکتی ہے۔ توپ اور تفنگ کے سامنے جس طرح تلوار اور نیزے کا رآمد نہیں اسی طرح کیمیاوی اور ایٹمی ہتھیاروں کے دور میں عام گنوں اور رائفوں پر بھروسہ قوت کی تعریف میں نہیں آتا۔ جو بھی مروجہ ہتھیار اور آلات حرب ہوں ان کی مقدور بھرتیاری رکھنا ضروری ہے۔

باغیوں کے خلاف جہاد

ملکی دفاع اور ریاستی استحکام کے لئے باغیوں کی سرکوبی اور ان کے خلاف جہاد کرنا بھی نہایت ضروری ہے، تاکہ ملک کے داخلی معاملات بغیر انتشار کے رواں دواں رہیں اور بد امنی و فساد نہ پھیلنے پائے، اور اس طرح ریاست کمزوری اور افتراق و انتشار کا شکار ہونے سے محفوظ رہے۔

اسلام کی نظر میں بغاوت بدترین جرم ہے۔ خلیفہ اور امیر کے انتخاب کے بعد اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا اور اس کی اطاعت کرنا تمام مسلمانوں کے لئے لازمی ہے۔ اگر مسلمانوں کا کوئی گروہ اپنے عزائم و خواہشات کی تکمیل کے لئے خلیفہ، وقت کے خلاف بغاوت کرے اور اس کے احکامات کو تسلیم کرنے سے انکار کرے یا کوئی گروہ منتخب شدہ خلیفہ اور امیر کے مقابلے میں اپنا علیحدہ قائد منتخب کرے اور اسلامی ریاست میں افتراق و فساد کا باعث بنے تو خلیفہ، وقت کو چاہئے کہ وہ ان آمادہ، شر و فساد تو توں کی پوری قوت کے ساتھ سرکوبی کرے، تاکہ آئندہ کوئی بغاوت کرنے اور اسلامی سلطنت کو نقصان پہنچانے کا تصور نہ کر سکے۔ (۶۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ
بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ
تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ

اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح
کرا دو، پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے کے خلاف بغاوت کرے

تو تم سب بغاوت کرنے والے گروہ کے خلاف لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے

فیصلے کی طرف لوٹ جائے۔ (۶۴)

یعنی اگر کوئی گروہ صلح کے بعد بغاوت کر کے انتشار کا سبب بنے تو تمام مسلمانوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ اس باغی گروہ کے خلاف علم جہاد بلند کریں، حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم اور فیصلے کی طرف لوٹ آئے اور پوری قوم کا فیصلہ تسلیم کرتے ہوئے بغاوت سے باز آجائے۔

جاسوسوں کی سرکوبی

ہر ریاست کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی حکومت اور مملکت کے دفاع کو اس قدر مضبوط کر لے کہ اس کے دشمن کو اس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہ ہو۔ لیکن اس راہ میں ایک رکاوٹ حریف ممالک کی جانب سے بھیجے جانے والے جاسوسوں کی صورت میں پیش آتی ہے جو ملک کے اندرونی معاملات کے راز، خصوصاً جن امور کا تعلق ملکی دفاع و سالمیت سے ہوتا ہے، وقتاً فوقتاً اپنے ملکوں کو فراہم کرتے رہتے ہیں، جس سے ملکی دفاع و تحفظ سے وابستہ ساری مشینری مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے اور ملک کے اندرونی معاملات راز نہیں رہتے۔ اسلام نے ان وجوہ کی بنا پر جاسوسوں کی سختی کے ساتھ سرکوبی کی ہدایت کی ہے۔

فتح مکہ کے لئے جب مدینہ منورہ میں خفیہ طور پر تیاریاں جاری تھیں اور حدیبیہ کا معاہدہ منسوخ ہو چکا تھا۔ اس وقت ایک بدری صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کے ہاتھ کچھ معلومات مشرکین مکہ کے پاس روانہ فرمائیں۔ آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی اطلاع ہوئی۔ وہ عورت پکڑی گئی، خط ضبط کیا گیا اور حضرت حاطبؓ سے اصل معاملہ دریافت کیا گیا۔ انھوں نے کہا چونکہ میرے رشتہ دار مکہ میں موجود ہیں اور قریش سے میرا کوئی نسبى تعلق نہیں جیسا کہ دوسرے مسلمانوں کا ہے، اس لئے میں نے چاہا کہ ان پر احسان کروں تاکہ وہ میرے رشتہ داروں کی حفاظت کریں۔ آنحضور ﷺ نے ان کی تائید فرمائی۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے میں اس کی گردن اڑا دوں، مگر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بدر میں شریک رہے ہیں، پھر فرمایا کہ جو چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی (۶۵)۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ

آیت نازل فرمائی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ
إِلَيْهِم بِالْمُودَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ

اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کی
طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہو حالانکہ وہ اس دین حق کا انکار کر چکے ہیں
جو تمہارے پاس آیا ہے۔ (۶۶)

جہاد، اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے

آنحضرت ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد دین اسلام کو تمام ادیان پر
غالب کرنا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ
عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ

وہ خدا ہی تو ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دین حق دے
کر بھیجا، تاکہ وہ اس (دین حق) کو (دنیا کے) تمام ادیان پر غالب کر
دے۔ (۶۷)

اس لئے اسلامی ریاست کے فرائض میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ دین اسلام کے غلبے
کے لئے جہاد کا باقاعدہ نظام قائم کریں، کیونکہ اسلام کو پھیلانے اور عام کرنے کی راہ میں جو
رکاوٹیں پیش آئیں گی ان کا ازالہ صرف جہاد ہی سے ممکن ہے۔ اور چونکہ یہ معاملہ حربی امور سے
تعلق رکھتا ہے اس لئے جہاد لا محالہ اللہ بھی ملکی دفاع کا ایک حصہ ہے اور اسلام میں اس کے اسی
مقام کی بنا پر فقہاء کرام نے عام حالات میں جہاد کو فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ یعنی اگر مسلمانوں میں
سے کچھ گروہ سلسلہ جہاد کو قائم رکھیں گے تو یہ فریضہ پوری امت کی طرف سے ادا ہو جائے گا ورنہ
بصورت دیگر پوری امت مسلمہ اس فریضہ کی تارک اور گناہگار ہوگی۔ جہاد کی یہ اہمیت اور تاکید
قرآن کریم میں مختلف آیات میں بیان ہوئی ہے۔ ایک مقام پر ارشاد خداوندی ہے:

إِنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ
وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

(اے مسلمانو! تم (جہاد کے لئے) نکل پڑو، خواہ ہلکے ہو یا بھاری اور اللہ

کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔ (۶۸)

یہاں جہاد کی دو اقسام جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کا ذکر ہے اور پھر چونکہ انسان کے لئے اپنا مال خرچ کرنا بہت شاق ہے اور پھر جان لٹا دینا اور بھی سخت ہے، اس لئے آگے یہ بھی فرما دیا کہ تم چاہے خوشی سے یہ بات تسلیم کرو یا نہ کرو، درحقیقت تمہارے لئے بہتر یہی ہے جو ہم کہہ رہے ہیں، فرمایا:

ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۶۹﴾

تمہارے لئے یہی بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو۔ (۶۹)

اسلام کے اس عظیم مقصد دین کو سارے عالم میں تمام ادیان باطلہ پر غالب کرنے کے

لئے جہاد کی ترغیب اور حکم دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ
لِلَّهِ

اور تم کافروں سے قتال کرو، حتیٰ کہ فساد ختم ہو جائے اور سارا دین اللہ کے

لئے ہو جائے۔ (۷۰)

اوپر تحریر ہونے والی تفصیل سے یہ راہنمائی ملتی ہے کہ آج وطن عزیز پاکستان کو دفاعی اعتبار سے ناقابل تسخیر بنانے کے لئے ایک طرف تو یہ امر نہایت ضروری ہے کہ افواج پاکستان کے لئے مروجہ آلات حرب کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے اور ان کی پیشہ وارانہ صلاحیت و مہارت میں امکانی حد تک اضافہ کیا جائے۔ دوسری جانب اس بات کی بھی اشد ضرورت ہے کہ ان افراد پر بھی کڑی نظر رکھی جائے اور ان سے ملک کو پاک کیا جائے جو حریف ممالک کے مفادات کی نگرانی کرتے ہیں۔ خواہ وہ ان ممالک سے تعلق رکھتے ہوں یا اسی وطن کے باسی ہوں مگر چند سکوں کی

خاطر اپنی وفاداری نیلام کر چکے ہوں۔ ایسے تنگ وطن لوگوں سے رعایت، وطن کے استحکام و سالمیت کے لئے سخت ضرر رساں ثابت ہو سکتی ہے۔ نیز ایسے حالات پیدا کرنے کی بھی ضرورت ہے کہ کسی کو ملکی نظام سے بغاوت کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ اگر مذکورہ اقدامات کر لئے جائیں تو ملکی دفاع کو بھی ناقابلِ تسخیر بنایا جاسکتا ہے اور استحکام کے حصول کے لئے کی جانے والی کوششیں بھی بار آور ثابت ہو سکتی ہیں۔

مساوات

اسلامی ریاست کے تمام طبقات اور قوتوں کے مابین ہر اعتبار سے مساوات قائم رکھنا بھی والیانِ ریاست کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ معاشرتی اونچ نیچ بھی ملکی استحکام کو خطرات سے دوچار کر سکتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس معاملے میں بھی جامع ترین اسوۂ عمل ہمارے لئے چھوڑا ہے۔

ایک ایسے معاشرے میں جہاں عقائد و مذہب کی بنیاد پر تعصب کی جڑیں نہایت گہری تھیں، آپ ﷺ نے کسی بھی طرح سے مساوات کی روح کو متاثر نہیں ہونے دیا، خصوصاً قوانین کے اجرا و نفاذ میں بھی مساوات کا خاص خیال رکھا۔ ریاست کے معاملات میں سب برابر تھے، خواہ امیر ہو یا غریب اور کوئی مسلم ہو یا غیر مسلم، آپ کا سلوک ان کی انفرادی اور مذہبی حیثیت سے قطع نظر صرف وہی ہوتا تھا جس کا انصاف تقاضا کرتا تھا اور جو عدل کے مطابق تھا، یہی وجہ تھی کہ یہود جیسے کفر و دشمنانِ اسلام تک نے اپنے باہمی تنازعات میں ہمیشہ آپ ﷺ کے فیصلوں پر اعتماد کیا۔ آپ ﷺ نے مساوات کے سلسلے میں کبھی اپنے اور بے گانے کی تفریق نہیں فرمائی۔ نہ صغیر و کبیر کی بنیاد پر کسی قسم کا امتیاز کیا۔ آپ کی عادت مبارک تھی کہ ہر معاملے میں تمین (دائیں طرف سے ہر کام کے آغاز) کو پسند فرماتے تھے۔ ایک بار آپ کی مجلس میں کبار صحابہ کرام مجتمع تھے۔ اتفاق سے دائیں جانب ایک کم سن صحابی (ابن عباس رضی اللہ عنہما) بیٹھے ہوئے تھے۔ کہیں سے دودھ آیا۔ آپ ﷺ نے نوش فرما کر ان سے پوچھا کہ اگر اجازت دو تو میں ان لوگوں کو دے دوں؟ کم سن صحابی (ابن عباس) نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اس ہدیے میں ایثار نہیں کر سکتا۔ آپ نے انہیں دودھ

دے دیا، کیونکہ دائیں جانب ہونے کی وجہ سے از روئے ترتیب مجلس وہی حق دار تھے۔ (۷۱)

امرا اور طبقہ اشرافیہ کا زمانہ قدیم میں یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز کرنے کے لئے مختلف روایات قائم کرتے ہیں۔ یہ روش معاشرے میں طبقاتی تضاد کو ابھارتی اور اراکین سلطنت میں تفریق کو فروغ دیتی ہے، جس سے اتحاد و اتفاق اور مساوات کی روح مجروح ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے ایسے ہر طرز کی خفی سے تردید فرمادی اور اس قسم کے اقدامات کی حوصلہ شکنی کی۔ قریش اپنے فخر و امتیاز کے لئے صرف مزدلفہ میں قیام کرتے تھے، لیکن آنحضرت ﷺ نے اس تفریق کو بھی کبھی پسند نہیں فرمایا۔ (۷۲)

آپ ﷺ نے اپنے لئے بھی عام لوگوں سے نمایاں انداز اختیار نہیں فرمایا۔ ہمیشہ عام لوگوں کے ساتھ مل جل کر اور سادہ انداز میں زندگی بسر کی، حتیٰ کہ جب صحابہ کرام نے یہ تجویز پیش کی کہ آپ کے لئے سایہ دار چھپر ڈال دیا جائے تو آپ ﷺ نے اسے بھی ناپسند فرمایا۔ (۷۳)

آپ ﷺ ہر کام میں خود بنفس نفیس شریک رہتے تھے۔ مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالنے کے بعد آپ ﷺ کا پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر تھی، جو مسجد ہونے کے ساتھ ساتھ ایوان حکومت، دربار رسالت، مرکز اسلام اور دارالانصاف وغیرہ سب ہی کچھ تھی۔ آپ ﷺ اس کی تعمیر میں بذات خود شریک رہے اور خود اینٹیں اٹھا کر لاتے رہے۔ (۷۴)

غزوہ خندق کے موقع پر جب مدینہ منورہ کے گرد خندق کھودنے کا مرحلہ آیا تو آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ قدم قدم پر شریک رہ کر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ آپ ﷺ نے خود کھدائی میں حصہ لیا، یہاں تک کہ آپ کے جسم مبارک پر مٹی جم گئی تھی۔ (۷۵)

غزوہ بدر میں سواریاں کم تھیں۔ تین افراد کے حصے میں ایک اونٹ آیا تھا۔ تمام لوگ باری باری سفر کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے حصے میں آنے والے اونٹ میں بھی دو اور صحابی شریک تھے۔ سب نے کہا کہ آپ سواری فرمائیں ہم پیادہ چلیں گے مگر آپ ﷺ نے یہی فرمایا کہ نہ تم مجھ سے زیادہ پیادہ چل سکتے ہو، نہ میں تم سے کم ثواب کا محتاج ہوں (۷۶)

(۷۱) بخاری/ ج ۳ ص ۲۴۲ (۷۲) سیرت النبی ۲/۳۰۳ (۷۳) مستدرج ج ۵ ص ۱۲۸

(۷۴) بخاری/ ج ۵ ص ۲۴۹ (۷۵) بخاری/ ج ۳ ص ۲۴ (۷۶) سیرت النبی/ ج ۲ ص ۲۰۳

یہ تھا وہ اسوۂ حسنہ جو آپ ﷺ نے ایک حاکم اور امیر سلطنت کی حیثیت سے پیش فرمایا۔ یہ اسوہ ہم سب کو دعوتِ عمل دے رہا ہے۔ ہمارے یہاں معاشرتی اونچ نیچ بہت بڑھ چکی ہے، حکمرانی کو ایک خاص طبقے کی میراث قرار دے دیا گیا ہے۔ ایک طرف تو عام لوگوں کے لئے ضروریاتِ زندگی قرار دی جانے والی اشیاء بافراط و ستیاب نہیں اور دوسری جانب طبقہ، اشرافیہ کے لئے تللے تمام حدود سے آگے بڑھ چکے ہیں۔ کسی بھی قسم کا اختیار رکھنے والے اپنے آپ کو عامۃ الناس کی سطح سے برتر سمجھنے لگتے ہیں۔ قانون کے بارے میں عام تصور یہ قائم ہو چکا ہے کہ اس کا اطلاق اور نفاذ صرف عوام پر ہوتا ہے۔ ایسی سنگین صورت حال میں ضروری ہے کہ ہم اپنے طرزِ عمل کا از سر نو جائزہ لیں اور اپنے اندازِ حیات کو تبدیل کریں۔ معاشرے میں بے چینی و بد اعتمادی کا سبب بننے والی مصنوعی تفریق کو ختم کریں اور حکومتی ذمے داریوں پر فائز ہونے والے حضرات اپنے اندازِ فکر کو بدلتے ہوئے سب کے ساتھ مساوات پر مبنی سلوک کریں۔ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہر قسم کا امتیاز ہمارے ہاں ختم ہو جائے اور سب مساوات و بھائی چارے کے ساتھ امن و سکون کے ساتھ رہ سکیں اور وطن عزیز کو استحکام حاصل ہو۔

علاقائی عصبیت

ملکی استحکام کے لئے علاقائی اور قبائلی عصبیت سم قاتل کا درجہ رکھتی ہے۔ ایسا معاشرہ مسلسل طبقاتی کشیدگی اور انارکی کی زد میں رہتا ہے جہاں کسی بھی سطح پر تعصب روارکھا جاتا ہو، خاص کر جب یہ تعصب باہمی اور ریاستی معاملات میں درانداز ہو جائے تو اس کے نتائج نہایت مہلک اور دور رس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قبائلی تفریق کا دوریہ ارشاد فرما کر بند کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت اور شرف کا مدار تقویٰ پر ہے، قوم و قبائل پر نہیں۔ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ
شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ
إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿٥﴾

اے لوگو! ابے شک ہم نے تمہیں ایک مرد و عورت سے پیدا کیا اور پھر

تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے، یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا باخبر ہے۔ (۷۷)

اس ارشاد میں یہ وضاحت بھی فرمادی کہ قوم و قبائل کی تقسیم صرف باہم متعارف ہونے کے لئے کی گئی۔ اس کو عصبیت کی بنیاد بنانا درست نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے بھی اس کی سنگینی کے پیش نظر اس پر اپنی توجہ مرکوز کی اور مدینہ منورہ میں ہی اسلامی ریاست کے قیام کے بعد سب سے پہلے انصار و مہاجرین کے مابین رشتہء مواخات قائم کر دیا، جو اپنے بعض احکامات اور ان انصار و مہاجرین کے مابین مثالی تعلقات کی وجہ سے نسبی تعلقات پر بھی فوقیت رکھتا تھا۔ ورنہ انصار و مہاجرین کے قبائلی پس نظر کو دیکھتے ہوئے ان کے مابین کسی بھی موقع پر اختلافات کا خدشہ موجود تھا۔ اس رشتے نے جس کی بنیاد صرف مذہب پر قائم ہوئی، تاریخ انسانیت میں نیا باب رقم کیا۔

اس کے باوجود جب کبھی کسی جانب سے مغایرت یا تفریق کی آواز بلند ہوئی آپ ﷺ نے اس کا فوراً سد باب کیا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک غزوہ میں ایک مہاجر صحابی نے ایک انصاری کو تھپڑ مارا۔ انصاری نے کہا یا لانا انصار، اور مہاجر نے اس کے جواب میں یا للمہاجر کی صدا لگائی (قریب تھا کہ دونوں میں تلوار چل جائے)۔ آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی۔ آپ نے فرمایا یہ جاہلیت کی پکار کیسی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ایک مہاجر نے انصاری کو تھپڑ مار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس طرح کی پکار چھوڑو، یہ نہایت ناگوار بات ہے۔ (۷۸)

یوں ایک بے مقصد مگر نہایت ضرر رساں لڑائی ہوتے ہوئے رہ گئی۔ ہمارے وطن پاک کے موجودہ حالات کے حوالے سے اس روایت میں راہنمائی کا بہت سا سامان موجود ہے۔ اگر ہم اپنے وطن کو ہر قسم کی عصبیت و تعصب سے پاک کرنا چاہتے ہیں تو اس حدیث شریف کی روشنی میں منی

آج کے زندہ مسائل

اسلام کا پاکستان

اقدامات کرنے ہوں گے۔ وطن عزیز اس وقت جس آزمائش سے دوچار ہے اس سے نکلنے کے لئے ہم سب کو اپنی ذاتی و شخصی خواہشات اور گروہی مفاد کو ملکی مفاد پر قربان کرنا ہوگا۔ اس سلسلے میں حکومت کا بھی فرض ہے کہ وہ ایسے اقدامات کرے، جس سے تمام طبقات میں اتفاق و اتحاد کا احساس پیدا ہو، اور ایسا کوئی قدم ہرگز نہ اٹھایا جائے جس سے کسی امتیاز یا تعصب کی بو آتی ہو۔

حدود و تعزیرات

ریاست کے داخلی امن و استحکام کے لئے ایک چیز جو نہایت مضرت ثابت ہوتی ہے وہ اخلاقی جرائم ہیں۔ اسلام بے حیائی، بدکاری و بدکرداری کو سختی کے ساتھ ختم کرتا ہے کیونکہ اس کے بغیر اچھی معاشرتی اقدار کو پینے کا موقع نہیں مل سکتا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ

جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مومنوں میں بدکاریوں کے چرے چے ہوں ان کے لئے دنیا و آخرت (دونوں) میں دردناک عذاب ہے۔ (۷۹)

اس آیت میں خواہشات و منکرات کا تذکرہ تھا، دوسرے مقام پر خاص طور پر زنا کی مذمت و شاعت یوں بیان فرمائی۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانِيَةَ إِنَّهَا كَانَتْ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ۝

اور زنا کے قریب (بھی) مت جاؤ یقیناً وہ بے حیائی اور بڑی بری راہ ہے۔ (۸۰)

یعنی معاشرہ بھی اسی سے بگڑتا ہے اور فرد بھی اسی سے تباہ ہوتا ہے۔

معاشرے میں چوری، ڈاکہ زنی، افراتفری، بد نظمی، بے یقینی اور عدم اطمینان کی فضا کو جنم دیتے ہیں۔ اسلام نے ان کی بھی پنخ کنی کی ہے۔ اسلام چور کو چوری سے روکنے کے لئے سب سے پہلے ان عوامل کو تلاش کرتا ہے جو اتنے بڑے اقدام کا سبب بنتے ہیں، پھر ان کا سد باب کرتا

ہے۔ اس کے فلسفے کے مطابق چور اور ڈاکو کو ضروریات زندگی کی مناسب انداز میں عدم فراہمی اس انتہائی اقدام پر برا سمجھتے کرتی ہے۔ اس لئے اسلام ایسے اقدامات کرتا ہے جس سے اسلامی ریاست میں بسنے والے ہر شخص کو اسباب زیست اس قدر وافر مقدار میں دستیاب ہو جائیں کہ کسی کو ایسے ناپاک اقدام کی ضرورت ہی نہ رہے۔ اس کے لئے وہ حکمرانوں میں احساس ذمہ داری بھی پیدا کرتا ہے۔ یہ احساس ذمہ داری ہی تھا کہ جس نے نصف شب کو خلیفہ ثانی کو اپنی پشت پر اناج کی بوری اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔

لیکن اس کے بعد بھی کوئی چوری کرے، ڈاکہ ڈالے تو یہ اس کی فسادی طبیعت کا اثر ہوگا، جس سے معاشرے کو بچانا از بس ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی فطرت ہی میں سرکشی ہے۔ وہ اسی معاشرے کو نشانہ بنانا چاہتا ہے جس نے اب تک اس کی کفالت و نگہداشت کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ ایسے شخص کو کھلا چھوڑ کر اسے ریاست کا امن تہہ وبالا کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دی جاسکتی۔

اسی طرح انسانی جان سے محترم اور قیمتی چیز اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے انسانی جان کی حرمت کا حکم قرآن میں صریح الفاظ میں ذکر فرمایا گیا۔ ارشاد باری ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ

اور جس جان کو مارنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو مت مارو، مگر جائز طور

پر۔ (۸۱)

یعنی سوائے اس صورت کے کہ وہ کسی سنگین جرم کی وجہ سے اپنی حرمت کھو بیٹھا ہو، مثلاً دہرے مرد ہو گیا ہو یا اس نے کسی کو قتل کر دیا ہو، تمہارے لئے انسانی جان کا قتل کرنا حرام ہے۔

انسانی جان کے احترام و حرمت کے پیش نظر اس کے کسی عضو کو تلف کرنے پر بھی سزا نہیں جاری کی گئی۔ ان تمام جرائم و قبائح کے سد باب کے لئے اسلام ایک مربوط و مکمل نظام رکھتا ہے، جسے حدود و تعزیرات کہا جاتا ہے۔ یہ تمام انتظام و اہتمام معاشرے کو قتل و غارت، فحاشی و بدکاری اور چوری، ڈاکے سے محفوظ رکھنے کے لئے کیا گیا اور جہاں جہاں ان اصولوں پر عمل ہوا وہاں کا

(۸۱) بنی اسرائیل: ۳۳

آج کے زندہ مسائل ۱۳۸ استحکام پاکستان

مثالی استحکام وامن وامان قوانین کے مفید ہونے کی بین دلیل ہے۔ اگر ہم اپنے وطن میں استحکام چاہتے ہیں تو ہمیں چاہئے کہ ان اسلامی قوانین کا ان کی روح کے مطابق فوری اطلاق و نفاذ کریں، اور ان پر سختی سے عملدرآمد کرائیں اگر ایسا ہو جائے تو ہم بھی قرون اولیٰ جیسا امن وامان اور استحکام حاصل کر سکتے ہیں۔

انسداد رشوت

ملکی اور ریاستی استحکام کے لئے جو چیزیں سب سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں ان میں سے ایک رشوت کی لعنت بھی ہے۔ رشوت نے اچھے اچھے اور ترقی کرتے ہوئے معاشروں کا قلیل ترین مدت میں شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ جس ملک میں رشوت کا دور دورہ ہو وہاں امن و استحکام کی امید رکھنا عبث ہوتا ہے، کیونکہ یہ ظلم و استبداد کو جنم دیتی ہے، برائیوں اور بدعنوانیوں کو پروان چڑھاتی ہے اور عدل و انصاف کا قلع قمع کرتی ہے۔ جب کہیں پر رشوت کا راج ہو جاتا ہے تو پھر عوام کے جائز حقوق غصب ہونے لگتے ہیں۔ ان کی جان و مال کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور حق تلفی، فریب کاری، حرص و طمع، عہد شکنی اور خباثت و بددیانتی کا دروازہ کھل جاتا ہے اور پھر اس کے نتیجے میں باہمی تنازعات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو بالآخر حکومت و ریاست کی تباہ کاری پر منتج ہوتا ہے۔ اس لئے آنحضور ﷺ نے رشوت لینے اور دینے کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے اور دینے والے پر لعنت فرمائی ہے (۸۲)

دنیا میں رشوت کے بہت سے طریقے رائج ہیں لیکن ان سب میں قد ر مشترک یہ ہے کہ ہر صورت میں صاحب اختیار و منصب کی قیمت لگاتا ہے اور اس کی بدترین قسم وہ ہے جس میں ایک شخص کو اپنا جائز حق حاصل کرنے کے لئے بھی رشوت دینی پڑے، یہ سلسلہ آج کل ہمارے ہاں خصوصیت کے ساتھ رائج ہے اور عوام الناس کے لئے نہایت تکلیف اور پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے۔

حکومتی مناصب پر فائز حضرات کی ایسی روش خاص طور پر زیادہ مضر ثابت ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ایک واقعے کا ذکر ہے۔ حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک

مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نبی سلیم کے صدقات وصول کرنے کے لئے اپنا عامل مقرر فرما کر روانہ کیا۔ جب وہ مال وصول کر کے لوٹا تو آپ ﷺ نے رقوم کا حساب طلب کیا۔ اس پر وہ کہنے لگا:

هذا مالکم و هذا هدیة اهدیت لی

یہ آپ کا مال ہے۔ یعنی وصول شدہ صدقات میں اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے۔

یہ سن کر آنحضرت ﷺ غصہ ہوئے اور فرمایا:

فہلا جلست فی بیت ابیک وامک حتی تاتیک ہدیتک

ان کنت صادقاً

اگر تم (اپنے اس دعوے میں) سچے ہو تو تم کیوں نہ اپنے ماں باپ کے گھر

بیٹھ رہے؟ یہ ہدیہ وہیں تمہارے پاس آ جاتا۔

پھر آپ ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں اس عمل کی مذمت فرمائی اور اس کے

دبال کا بھی ذکر فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اما بعد! فانی استعمل الرجل منکم علی العمل مما ولانی

اللہ، فیاتی فیقول ہذا مالکم و هذا هدیة اهدیت لی، افلا

جلس فی بیت ابیہ وامہ حتی تاتیہ ہدیتہ؟ واللہ لا یاخذ احد

منکم شیئاً بغير حقہ الا لقی اللہ یحمله یوم القیامة، فلا عرفن

احد منکم لقی اللہ یحمل بغير ا لہ رغاء ابقرۃ لهاخوار،

اوشاة تعیر (۸۳)

حمود ثنا کے بعد! میں تم میں سے کسی شخص کو اس کام پر عامل مقرر کرتا ہوں،

جس کا اللہ نے مجھے ولی بنایا ہے۔ پھر وہ شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تمہارا

مال ہے اور یہ ہدیہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ سو وہ اپنے ماں باپ کے گھر

میں کیوں نہ بیٹھا رہا کہ اس کا ہدیہ وہیں پہنچ جاتا۔ خدا کی قسم تم میں سے جو

آج کے زندگی مسائل ۱۵۰ استحکام پاکستان

شخص بھی کوئی چیز ناحق وصول کرے گا وہ قیامت کے روز اس حال میں اللہ سے ملے گا کہ وہ اس کو اٹھائے ہوئے ہوگا، میں تم میں سے ہر اس شخص کو پہچان لوں گا جو اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اونٹ اٹھائے ہوئے ہوگا جو بلبلاربا ہوگا، یا گائے اٹھائے ہوئے ہوگا جو ڈکرا رہی ہوگی یا بکری اٹھائے ہوئے ہوگا جو منمنارہی ہوگی۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے اس مبارک خطبے میں کئی باتوں کی وضاحت فرمادی:

۱۔ وہ تمام حکام جو کسی بھی قسم کی مالی وصولیوں کے ذمہ دار ہیں۔ ان کو ملنے والے تمام تحائف سرکاری خزانے کی امانت ہیں۔ ان کا ان تحائف پر کوئی حق نہیں۔

۲۔ اسی طرح تمام سرکاری حکام اور ذمہ دار حضرات کو ملنے والے تحائف بھی چونکہ ان کے مناصب اور عہدوں کی بنا پر انہیں ملتے ہیں اس لئے وہ ان کے حقدار نہیں۔

۳۔ ہر قسم کا وہ مال و اسباب جو ناحق، زبردستی، دھوکہ دہی کے ذریعے، اپنے منصب کا غلط استعمال کر کے یا کسی بھی ناجائز طریقے سے وصول کیا جائے گا وہ روز قیامت وبال اور شرمندگی کا باعث ہوگا اور قیامت کے دن اللہ کے دربار میں اپنی گردنوں پر اٹھایا ہوگا اور جو چیز اس طرح وصول کی جائے گی وہ خود چیخ چیخ کر اور پکار پکار کے وصول کرنے والے کے ظلم و ستم کا اعلان کرے گی۔

اسی لئے فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ تمام عمائدین حکومت اور والیان سلطنت کو ملنے والے تحائف ان کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتے، اس لئے ان سے نفع اٹھانا جائز نہیں۔ وہ حکومت کی ملکیت ہیں۔ اسی طرح کمیشن کے نام پر لی جانے والی رقوم بھی رشوت کی تعریف میں شامل ہیں، ان کا لینا بھی قطعاً جائز نہیں۔

اقلیتوں سے سلوک

اقلیتیں اسلامی ریاست کا اہم جز ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی خوبی یہ ہے کہ اگر ان کی روح کے مطابق عمل کیا جائے تو اپنے ہی نہیں، بے گانے بھی ان کا اثر ضرور قبول کرتے ہیں اور انہیں اپنا

آج کے زندہ مسائل

استحکام پاکستان

نے کی خواہش رکھتے ہیں۔ اس لئے اگر کسی ریاست اسلامیہ میں کسی وجہ سے غیر مسلموں کا وجود نہ بھی ہو تب بھی یہ امکان بہر حال ہوتا ہے کہ دوسری غیر مسلم ریاستوں کے رہنے والے غیر مسلم صرف اسلامی معاشرے کی برکتوں سے فیضیاب ہونے کے لئے اس میں رہنے کی خواہش کا اظہار کریں گے اور مسلمانوں کی مثالی بود و باش سے متاثر ہو کر ان کے ساتھ رہنے کی درخواست کریں گے۔ اور اسلام کے زریں دور میں جبکہ اسلامی تعلیمات پر مسلمان پوری طرح سے عمل پیرا تھے اور اسلام کا نظم اپنے ہر پہلو سے پورے جہان میں تابانیاں بکھیر رہا تھا، ایسا ہوا ہے اور اس بارے میں بے شمار تاریخی روایات موجود ہیں جن کے مطابق غیر مسلموں نے دوسرے کافروں بلکہ ہم مذہبوں پر مسلمانوں کو ترجیح دی ہے اور ان کے زیر اقتدار رہنے کو پسند کیا ہے۔ یہ بات اسلامی نظام کے فلاحی اور مثالی ہونے کی بین دلیل ہے۔

سو جب اقلیتوں کا وجود ایک اسلامی ریاست میں ایک لازمی امر ہے تو یہ بات بھی نہایت ضروری ہے کہ انہیں ہر اعتبار سے مطمئن رکھا جائے، تاکہ وہ ریاست کے کارآمد شہری کی حیثیت سے اپنے فرائض آزادانہ طور پر ادا کرتے رہیں اور اس سلسلے میں کسی قسم کی دشواری محسوس نہ کریں، ورنہ ان کی طرف سے ریاست کے استحکام کو خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ دیگر ریاستیں اسلامی سلطنت کے خلاف سازشوں میں مصروف ہوں، کیونکہ یہ اقلیتیں بعض صورتوں میں ان کی ہم مذہب بھی ہو سکتی ہیں اور اگر یہ رشتہ نہ ہو تب بھی مخالف قوتیں اللفر ماتہ واحدة کے بمصداق ان کی بے چینی سے فائدہ اٹھا کر انہیں غداری پر آمادہ کر سکتی ہیں۔ لیکن اسلام کے نظام حکومت کی یہ عجیب کرامت ہے کہ تاریخ میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ ان اقلیتوں نے ایسے مواقع پر خود اپنے ہم مذہبوں پر مسلمانوں کو ترجیح دی ہے، خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیاضانہ سلوک سے متاثر ہو کر ذمی عیسائی اور پارسی مسلمانوں کے ساتھ اس قدر مخلص ہو گئے تھے کہ انہوں نے ہر معاملے میں اپنے ہم مذہبوں کے برخلاف مسلمانوں کو ساتھ دیا۔ وہ مسلمانوں کو رسد بہم پہنچاتے تھے، اپنے خرچ سے سڑکیں اور پل تعمیر کراتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے ہم مذہبوں مگر مسلمانوں کے دشمنوں کے راز انہیں آکر بتاتے تھے اور مسلمانوں کے لئے جاسوسی اور خبر

رسانی کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ (۸۴)

آنحضرت ﷺ نے اقلیتوں کے ساتھ حسن سلوک بہت تاکید فرمائی ہے اور اپنے طرز عمل سے بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ یہ غیر مسلموں کے ساتھ آپ کے حسن سلوک کا ہی نتیجہ تھا کہ جو کافر آپ کے پاس حالت کفر میں آتا تھا وہ واپس ہونے تک مسلمان ہو چکا ہوتا تھا۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک کافر ایک شب آپ ﷺ کا مہمان ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے بکری کا دودھ پیش کیا، وہ پی گیا۔ دوسری بکری دوہی گئی، وہ اس کا دودھ بھی پی گیا۔ تیسری بکری دوہی گئی، غرض اس طرح وہ سات بکریوں کا دودھ پی گیا، لیکن آپ ﷺ نے اپنے انداز سے کسی ناراضی کا اظہار نہ فرمایا۔ اس حسن سلوک کا نتیجہ یہ ہوا کہ صبح تک وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ (۸۵)

آپ ﷺ نے مکمل اختیار کے ہوتے ہوئے مدینہ منورہ کی ریاست میں غیر مسلموں کی گستاخیوں اور شرارتوں کے باوجود کبھی ان پر سختی نہیں فرمائی بلکہ ہر مرتبہ درگزر سے کام لیا۔ ایک مرتبہ ایک یہودی نے کہہ دیا کہ ”قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی۔“ ایک صحابی رسول ﷺ نے سنا تو ان سے رہانہ گیا اور اس سے پوچھا کہ کیا محمد ﷺ پر بھی؟ اس نے کہا ہاں! صحابی نے غصے میں اسے تھپڑ مار دیا۔ وہ یہودی سیدھا آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا۔ آپ ﷺ نے یہودی کو سخت سبک کہنے کی بجائے اس صحابی پر برہمی ظاہر فرمائی۔ (۸۶)

آنحضرت ﷺ کے مالی معاملات حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد تھے۔ جب خرچہ نہ ہوتا تو وہی قرض لے کر ضروریات پوری کرتے اور رقم آنے پر قرض ادا کر دیتے تھے۔ ایک بار ایک مشرک نے انہیں کہا کہ تم مجھے قرض لے لیا کرو۔ انہوں نے قبول کر لیا۔ ایک روز وہ اذان دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو وہ مشرک آیا اور آتے ہی کہنے لگا: اوجشی! انہوں نے کہا لبیک، وہ بولا کہ یاد ہے وعدے کے مطابق صرف چند روزہ گئے ہیں۔ اگر اس مدت میں تم نے قرضہ ادا نہ کیا تو تم سے بکریاں چروا کے چھوڑ دوں گا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا عرض کیا اور کہا کہ خزانے میں کچھ نہیں ہے۔ کل پھر وہ مشرک آ کے لعنت

(۸۴) الفاروق/ ج ۲ ص ۴۹، (۸۵) ترمذی، باب ماجاء ان المؤمنین یا کل فی معاودہ، ابواب الاطعمہ

(۸۶) سیرت النبی/ ج ۲ ص ۲۲۳

ملا مت کرے گا، اس لئے مجھے اجازت ہو تو کہیں چلا جاؤں۔ جب قرض ادا کرنے کی سبیل ہوگی تو واپس آ جاؤں گا۔ رات کو اسی نیت سے سوئے، صبح اٹھ کر روانگی کا ارادہ کر رہے تھے کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا کہ آنحضور ﷺ نے یاد فرمایا ہے۔ وہ گئے تو دیکھا کہ چار اونٹ غلے سے لدے ہوئے کھڑے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مبارک ہو، یہ اونٹ رئیس فذک نے بھیجے ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بازار جا کر یہ چیزیں فروخت کیں اور مشرک کا قرض ادا کر کے آپ ﷺ کو اطلاع دی کہ قرض ادا ہو گیا۔ (۸۷)

یہ اسلامی ریاست کے قیام کے بعد آپ ﷺ کے دور حکومت کا واقعہ ہے، آپ کے خادم خاص کے ساتھ مشرک اس قدر گستاخی سے پیش آتا ہے مگر آپ ﷺ اسے ذرا بھی کچھ نہیں کہتے اور اس سے بالکل تعرض نہیں فرماتے۔

آنحضرت ﷺ کے بعد اسلام کا یہ طریقہ کفار کا ساتھ برقرار رہا۔ خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جہاں بہت سی اصلاحات نافذ فرمائیں، وہیں ذمیوں اور اقلیتوں کے حقوق کا بھی خاص خیال رکھا اور کسی معاملے میں بھی اس ان سے مسلمانوں کی بہ نسبت کم تر سلوک کا مظاہرہ نہیں کیا۔

اسلامی ریاست جہاں ایک طرف اقلیتوں کے مذہبی معاملات کا خاص خیال رکھتی ہے وہیں ان کی جان و مال کی حفاظت کی بھی اسی طرح ذمہ دار ہوتی ہے جیسے کسی بھی مسلمان کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری اس پر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، جن کی اسلام کے بارے میں شدت عام طور پر بہت مشہور ہے، ان کے دور میں اقلیتوں کو اس قدر مذہبی آزادی تھی کہ وہ سرعام اپنے مذہبی فرائض بجالاتے تھے۔ علانیہ ناقوس بجاتے، صلیب نکالتے اور ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے۔ ان کے مذہبی پیشواؤں کے مذہبی اختیارات بالکل برقرار رکھے گئے۔ ان کے ساتھ ہونے والے معاہدوں میں ان کی مذہبی آزادی کا پورا خیال رکھا جاتا تھا۔ (۸۸)

ریاست کے تمام معاملات میں اقلیتیں مسلمانوں کی ہمسر حیثیت رکھتی ہیں اور مذہب کی بنیاد پر ان سے نہ کسی قسم کا معاشی فرق رکھا جانا روا ہے نہ معاشرتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملکی

لحاظ سے ذمیوں اور مسلمانوں کے مابین کسی قسم کا فرق و امتیاز قائم نہیں رکھا۔ کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کرتا تھا تو اسے بھی قصاصاً قتل کر دیا جاتا تھا۔ اس طرح ریاست میں ہونے والے معذور، ضعیف اور محنت مزدوری نہ کر سکنے والے افراد کو گھر بیٹھے تنخواہیں ملتی تھیں۔ اس معاملے میں بھی سب یکساں تھے اور اس سہولت سے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم بھی فائدہ اٹھاتے تھے۔ (۸۹) اسی طرح اقلیتوں کو یہ حق کہ محنت مزدوری نہ کر سکنے والے افراد کی بیت المال کفالت کرے، سب سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا، جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی برقرار رکھا۔ (۹۰)

اسلام دوسرے معاملات میں بھی غیر مسلموں کے ساتھ فراخ دلانہ سلوک کا قائل ہے۔ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ ان کے غیر اسلامی طرز معاشرت کا اثر مسلمانوں پر نہ پڑے، اور مسلمان اسلامی تعلیمات سے روگردانی نہ کریں۔ اس لئے اس نے کفار کے ساتھ دوستی رکھنے اور قرہبی تعلقات کی ممانعت کی ہے اور ان سے ترک موالات کا حکم دیا ہے۔ اس سے ہٹ کر وہ ان کے ساتھ بہت سی رعایات روا رکھتا ہے۔

اسلام کا یہ قانون ہے کہ کفار کو نفلی صدقے دیئے جاسکتے ہیں۔ خود آنحضرت ﷺ نے ایک یہودی خاندان کو صدقہ دیا تھا۔ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے دو یہودی رشتہ داروں کو صدقہ دیا۔ ابو میسرہ، عمرہ بن میمون، عمرو بن شرییل اور مرہ ہدانی رضی اللہ عنہم کے متعلق بھی روایات میں آیا ہے کہ وہ صدقہ فطر سے عیسائی راہبوں کی امداد کیا کرتے تھے۔ (۹۱)

اسلامی ریاست ہونے کی حیثیت سے وطن عزیز پاکستان کے استحکام کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اسوہ حسنہ اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اقلیتوں کے حقوق کا خیال رکھے اور جائز حدود میں رہ کر انہیں مکمل آزادی فراہم کرے۔ لیکن اس سلسلے میں افراط و تفریط سے بچنا بر حال میں ضروری ہے۔ جہاں ایک طرف ان کے حقوق کا خیال رکھنا ہوگا، وہیں یہ بات بھی از بس ضروری ہے کہ اس قسم کے اقدامات کئے جائیں کہ مسلمانوں کے ساتھ ان کا اس درجہ اختلاط

(۸۹) الفاروق/ ج ۲ ص ۶۷۷ (۹۰) ایضاً

(۹۱) ابو عبیدہ قاسم بن سلام/ کتاب الاموال (عربی)/ المکتبۃ الاشیئہ، شیخوپورہ/ ص ۶۱۳، ۶۱۴

نہ ہونے پائے کہ مسلمانوں کی امتیازی حیثیت ہی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اس بارے میں اسوۂ حسنہ سے ہمیں بہترین راہنمائی مل سکتی ہے۔

معاشی نظام

قرآن حکیم کے مطابق اسلامی حکومت کے قیام کے مقاصد میں یہ بات شامل ہے کہ ان نیک کاموں کو فروغ حاصل ہو جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک عالم انسانی کے لئے لازمی و ضروری ہیں اور تمام انسان منکرات و فواحش سے محفوظ رہیں، جو انسانی زندگی اور انسانی معاشرے میں فساد و تضاد کی بنیاد بنتے ہیں۔ چنانچہ استحکام ریاست کے لئے یہ امر بھی نہایت ضروری ہے کہ وہ معاشی و اقتصادی اعتبار سے مضبوط و مستحکم ہو، اور دوسرے تمام معاملات کی طرح معاشی استحکام بھی صرف اور صرف اسی صورت میں حاصل کیا جاسکتا ہے جب ہماری معیشت و اقتصادیات کی عمارت اسلامی خطوط پر استوار ہو۔ دولت کی پیدائش، اس کی گردش کے استعمال کا طریقہ اور اس کی آمد و رفت کا سارا نظام اسلام نے واضح طور پر بیان کا دیا ہے۔

دوسرے تمام رائج الوقت نظاموں میں یہ بات قدر مشترک ہے کہ ان کے ہاں دولت خواہ کسی طرح حاصل کی جائے، جب کسی شخص کو حاصل ہو جائے تو وہ اس کا مالک قرار دے دیا جاتا ہے اور یوں اس کو کھلی مالی من مانیوں کی اجازت مل جاتی ہے جبکہ اسلام کے مطابق ہر قسم کی دولت اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اور اس کی ملکیت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَتَوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللَّهِ الَّذِي لَا يَسْأَلُكُمْ

اور تم انہیں اللہ تعالیٰ کے اس مال سے دو جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے (۹۲)

غور کیجئے، مال اگرچہ تمہارے پاس ہے مگر اس کے باوجود وہ اللہ کا ہے اور تمہیں اسی کی جانب سے عطا ہوا ہے۔ سو جب دولت کا حصول کسی کی ذاتی محنت اور کسب پر منحصر نہیں وہ صرف اللہ کی عطا ہے تو اس کو حاصل کرنے اور خرچ کرنے کا نظام بھی صرف اللہ ہی کا بتایا ہوا قابل عمل اور قابل قبول ہوگا۔

اسلام کے نظام معیشت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے مزاج و اسلوب کے عین مطابق

مالی امور میں بھی عدل و توازن برقرار رکھتا ہے۔ وہ کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ مال و دولت کو بنیاد بنا کر کسی کو حقیر سمجھے، یا بنگلوں اور گاڑیوں کی بنا پر تکبر و غرور کا مظاہرہ کرے۔ دوسری جانب وہ اس امر کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کی حلال کمائی اور محنت سے حاصل کردہ مال و دولت پر حملہ کرے اور انہیں ناحق غصب کرنے کی کوشش کرے۔

دولت اللہ کا انعام ہے اور ہر ایک کو اس نے اپنی حکمت اور اس کی حیثیت کے مطابق مال عطا کیا ہے اور جس طرح اس نے نظام عالم کو قائم رکھنے کے لئے مخلوقات میں تفاوت و بلندی اور پستی کا فرق رکھا ہے، اسی طرح اس نے رزق اور دنیوی نعمتوں میں بھی فرق مراتب رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ
فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ
بَعْضُهُمْ بَعْضًا سَخِرَ بِنَا

کیا یہ لوگ تیرے رب کی رحمت کو (اپنی منشاء کے مطابق) تقسیم کرنا چاہتے ہیں؟ ہم ہی نے ان کی دنیوی روزی ان کے درمیان تقسیم کی ہے اور درجات کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے تاکہ ایک دوسرے کو محکوم بنائے۔ (۹۳)

پس جن چیزوں میں سب لوگ برابر کے شریک ہیں ان میں سب کے لئے مساوات ہے اور جن چیزوں میں بعض کو بعض پر فوقیت دی گئی ہے ان میں فرق مراتب اور امتیاز قائم ہے۔ مثلاً تمام انسان، انسانیت میں مشترک ہیں اس لئے انسانی حقوق سب کے مساوی ہیں۔ لیکن جو اوصاف لوگوں میں امتیاز و تفاوت کا سبب ہیں ان میں سب لوگ مساوی حیثیت کے مالک نہیں ہو سکتے، مثلاً حسب نسب، عالم و جاہل، حاکم و محکوم، ہنرمند و بے ہنر وغیرہ۔ جس طرح انسانیت کے اعتبار سے انسانوں میں فرق ظلم ہے اسی طرح فرق مراتب کو ملحوظ نہ رکھنا بھی ظلم ہوگا۔ (۹۴)

اسلام نے سرمایہ کاری کی بھی صورتیں بیان کی ہیں اور اس نے اختیار دیا ہے کہ مال کا

مالک انفرادی، شراکت اور مضاربیت وغیرہ صورتوں میں سے کسی بھی طریقے سے اپنے کاروبار کو ترقی دے سکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نے ارتکاز دولت اور سودی کاروبار کی سختی سے ممانعت کی ہے۔ اسلام کے مطابق سودی کاروبار کرنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد ﷺ کا اعلان جنگ ہے۔ کیونکہ سودی کاروبار سے بھی دولت کا ارتکاز ہوتا ہے اور دولت مٹھی بھر سرمایہ داروں کے ہاتھ میں سمٹ جاتی ہے، جس سے معاشی عدم توازن جنم لیتا ہے جو ریاستی اور ملکی استحکام کے لئے نہایت مضر ہے۔

اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ملک کے معاشی حالات پر نظر رکھے اور خصوصاً اشیائے صرف کی قیمتوں میں استحکام برقرار رکھنے کے لئے اقدامات کرے اور ان کی بروقت اور عوام الناس کی ضرورت کے مطابق دستیابی کو بھی یقینی بنائے، کیونکہ عوام کو اگر ان کے روزمرہ استعمال کی اشیاء بہ سہولت دستیاب نہ ہوں یا ان کی قوت خرید سے باہر ہوں تو وہ آسودگی کے ساتھ زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ جس کی وجہ سے ان میں بے چینی کا پیدا ہونا قدرتی امر ہے اور یہ بات ریاستی استحکام کے لئے ضرور رساں ہے۔

آنحضرت ﷺ اس صورت حال کے سد باب کے لئے بنفس نفیس بازاروں میں تشریف لے جاتے اور ریاست کے معاشی حالات کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیتے رہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی راتوں کو تنہا شہر میں گھومتے تھے اور رعایا کی معاشی حالت سے خود واقفیت حاصل کرتے تھے۔ (۹۵)

اس کے علاوہ اسلام نے آمدنی بڑھانے کے ہر ناجائز ذریعہ کو حرام قرار دیا ہے۔ عدل و انصاف کرنے، ناپ تول صحیح رکھنے، ذخیرہ اندوزی و ملاوت کرنے، قسمیں کھا کر مال بیچنے اور دوسروں کا نقصان پہنچانے کی ہر کوشش کی سختی سے ممانعت کی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنے وطن عزیز پاکستان میں اسلام کی ہدایات کی روشنی میں صحیح اسلامی معاشی نظام فی الفور نافذ کریں، سود کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کریں اور ہر قسم کی ناجائز منافع خوری اور غلط طریقے سے دولت اکٹھا کرنے کی حوصلہ شکنی کریں، اسی صورت میں طبقاتی کشیدگی ختم ہوگی اور ہمیں داخلی اطمینان اور امن و استحکام حاصل ہوگا۔

خارجہ امور

کسی بھی ریاست کی تعمیر و ترقی کے لئے ضروری ہے کہ اسے داخلی استحکام کے ساتھ ساتھ خارجی معاملات میں بھی استحکام حاصل ہو۔ یہ استحکام بھی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہر اسلامی ریاست کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی خارجہ پالیسی بھی اسلامی تعلیمات اور آنحضور ﷺ کے احکامات و فرمودات کی روشنی میں مرتب کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیاست خارجہ کے میدان میں جو سب سے اہم معاملہ درپیش تھا وہ قریش تھے۔ قریش نے جہاں ایک طرف مسلمانوں کو ٹھکانہ دینے کی پاداش میں انصار مدینہ کو نقصان پہنچانے کا عزم کیا تھا وہیں انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثار صحابہ کو بھی ہجرت مدینہ کے بعد بھی کسی طور چین سے نہ بیٹھنے دیا، بلکہ ان کی شرارتیں، سازشیں اور ریشہ دو انیاں مسلسل جاری رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی اس نوزائیدہ ریاست کو استحکام اور دوام بخشنے کے لئے دہرا چیلنج درپیش تھا کہ ایک جانب قریش کی شرارتوں کا سد باب کیا جائے، اور دوسری جانب اسلامی ریاست اور اس کے رہنے والوں کی تعمیر و ترقی کا کام مسلسل جاری رہے۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل اقدامات کئے۔

۱۔ قریش کی شام کی تجارت جس پر ان کو بڑا ناز تھا بند کر دی جائے تاکہ وہ صلح پر مجبور ہو جائیں۔

۲۔ مدینہ کے قرب و جوار کے قبائل سے امن و امان کا معاہدہ کیا جائے۔

۳۔ دستور مدینہ کے ذریعہ مدینہ کی پوری آبادی کو قریش کے خلاف جسم واحد بنا دیا۔ اگرچہ بعض عناصر نے اس عہد کی خلاف ورزی کی مگر وہ علانیہ طور پر قریش کا ساتھ نہ دے سکے۔

۴۔ مہاجرین صحابہ کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو مدینہ کے اطراف مختلف سمتوں میں بھیجا، تاکہ دشمن کو مسلمانوں کی قوت و حوصلہ کا احساس دلایا جاسکے۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ اور قریش کو مسلمانوں کی قوت و اہمیت کا احساس دلانے اور مدینہ منورہ اور اس کے قرب و جوار میں رہنے والے افراد کو پر امن اور پرسکون

زندگی کی تمام سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے نہایت تدبیر اور انتہائی منصوبہ بندی سے کام لیتے ہوئے تمام ضروری اقدامات کئے، تاکہ اس نوزائیدہ اسلامی ریاست کے رہنے والے اور اس سے متعلقہ افراد اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنے کارہائے زیست انجام دے سکیں۔ (۹۶)

خارجی استحکام کے لئے ضروری ہے کہ ریاست کے قرب و جوار میں موجود تمام ممالک کے ساتھ اچھے برادرانہ اور مساوات و انصاف پر مبنی تعلقات استوار کئے جائیں، خصوصاً ان ممالک کے ساتھ جن کے ساتھ ریاست کی سرحدیں ملتی ہیں۔ آنحضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی ریاست کے قیام کے بعد سب سے پہلے آس پاس کے عرب قبائل سے معاہدے کر کے ان کے ساتھ حلیفانہ تعلقات قائم کئے۔ آپ ﷺ نے جہاں ضرورت محسوس کی وہاں خود بھی تشریف لے گئے اور قلیل عرصے میں مدینہ منورہ سے ینوع تک کے علاقے میں رہنے والے بہت سے قبائل نے اسلام قبول نہ کرنے کے باوجود مدینہ منورہ پر حملے کی صورت میں مسلمانوں کی حمایت اور مدد کی ذمہ داری قبول کر لی۔ یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔ اس کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ مسلمان مضبوط ہو گئے بلکہ اس سے مشرکین مکہ بھی سیاسی طور پر کمزور ہو گئے۔ اس سلسلے میں جن قبائل سے معاہدے کئے ان میں جہینہ اور اس کی ذیلی شاخیں، بنی زمرہ، بنی ربیعہ، بنی شعیب، بنی جرمز، عوجہ بن حرمہ اور بنی غفار اور بنو ضمرہ شامل ہیں۔ (۹۷)

لیکن اگر کوئی فریق معاہدے کی خلاف ورزی کرے تو اسلام کا حکم یہ ہے کہ معاہدے کی علامتیں ختم کر دی جائیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَاِنَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ
إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ﴿۹۸﴾

اور اگر کسی قوم سے خیانت کا خوف ہو تو ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیجئے، تاکہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں۔ بیشک اللہ دعا بازوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۹۸)

مگر اسی کے ساتھ ساتھ اسلام نے یہ حکم بھی دیا ہے کہ اگر فریق ثانی اپنے رویے پر

(۹۶) ہادی اعظم/ص ۸۲۸ (۹۷) ایضاً (۹۸) الانفال: ۵۸

یہیمان ہوا اور صلح پر تیار ہو جائے، تو پھر مسلمانوں کے لئے بھی خونریزی جاری رکھنا جائز نہیں، بلکہ ان کی پیشکش قبول کرتے ہوئے صلح کر لینی چاہیے۔ ارشاد باری ہے:

وَإِنْ جَحَّوْا لِّلْسَلَامِ فَأَجْزِهِمْ أَوْ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ

اور اگر وہ کافر صلح کے لئے جھکیں تو آپ بھی جھک جائیے۔ اور اللہ پر

بھروسہ رکھئے۔ (۹۹)

کیونکہ اسلام صلح جو اور امن پسند مذہب ہے۔ لیکن اگر کوئی گروہ، قوت یا حکومت امن کی زبان نہ سمجھے اور مسلسل محاذ آرائی، قتل و قتل اور سازشوں و ریشہ دوانیوں پر آمادہ رہے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ ان کے خلاف سخت ترین کارروائی کر کے علاقائی امن و سلامتی کو بچانے والے خطرات کو فوری سد باب کیا جائے اور جہاد کی راہ اختیار کی جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ يَلَهُ

اور کافروں سے قتال کرو حتیٰ کہ فتنہ (فساد) ختم ہو جائے اور (سارا) دین

اللہ کے لئے ہو جائے۔ (۱۰۰)

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے جہاں ایک طرف اسلامی ریاست کی توسیع و استحکام کے لئے مدینہ منورہ کے قریب وجوار میں بننے والے مختلف قبائل سے معاہدے کئے، وہیں دوسری جانب علاقے میں وقتاً فوقتاً اٹھنے والی شورشوں اور سازشوں کا بھی فوری سد باب کیا۔ محرم ۲ ہجری میں آپ ﷺ نے تیس سواروں کو بنی بکر کی ایک شاخ قرقطاء کی جانب روانہ فرمایا، پھر ربیع الاول میں آپ ﷺ خود صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ہمراہ عیینہ بن حصن فزاری کے تعاقب میں نکلے۔ یہ مدینہ کی چراگاہ غانہ پر حملہ کر کے آنحضرت ﷺ کے اونٹ ہنکا کر لے گیا تھا۔ اس کے بعد جمادی الاول کے شروع میں آپ نے دو صحابہ کے ہمراہ بنی لحيان کا پیچھا کیا۔ ان لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے اسلام کی تعلیم کے لئے صحابہ کو بھیجنے کی درخواست کی تھی مگر بعد میں بدعہدی کرتے ہوئے انہیں شہید کر دیا تھا۔ (۱۰۱)

اس کے ساتھ ساتھ یہ دینی دنیا میں اسلام کی تبلیغ بھی ضروری ہے کیونکہ جب آس پاس بننے والے قبائل اور قومیں آغوش اسلام میں آجائیں گی تو اسلامی ریاست کے بیرونی خطرات کم

سے کم ہو جائیں گے اور کسی خطرے کی صورت میں دفاع بھی آسان ہوگا۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت و تبلیغ پر بھی خاص توجہ مرکوز کی۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے عرب کے اندرونی حصوں تہامہ، حجاز اور نجد وغیرہ میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، پھر آپ ﷺ نے بیرونی علاقوں کی جانب توجہ دی۔ حکمرانوں اور سلاطین کو آپ ﷺ کے ارسال فرمودہ خطوط بھی اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہیں۔ یہ مراسلت کم و بیش تین برس تک جاری رہی اس کے نتیجے میں بحرین، یمن اور عمان وغیرہ جیسے زرخیز خطوں کے حکمران و امرا اسلام داخل ہوئے۔ (۱۰۲)

آج ہمیں خصوصیت کے ساتھ وطن عزیز پاکستان کے خارجہ امور کا ازسرنو جائزہ لینا ہوگا اور اسے مکمل طور پر اسلامی نظام حکومت کے مرتب کردہ خطوط پر استوار کرنا ہوگا، تاکہ ہم عالمی دنیا میں اپنا صحیح مقام حاصل کر سکیں اور اپنے وجود کو منوا سکیں۔

خلاصہ کلام

پچاس سے زائد صفحات تک پھیلی ہوئی گفتگو درحقیقت استحکام پاکستان کے حوالے سے محض چند اشارات پر مشتمل ہے، اس گفتگو کا حق ادا کرنے کے لئے چند صفحات بھی ناکافی ہیں۔ البتہ اس گفتگو میں چند بنیادی اشارے ضرور قارئین کے سامنے آئے ہیں، جن کی روشنی میں اس موضوع کو اور اس کی ضرورتوں کو سمجھنا ممکن ہو سکتا ہے۔

اسلامی نظام حکومت کے جن چیدہ چیدہ نکات پر اوپر گفتگو کی گئی۔ یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں اسلامی حکومت کی بنیاد قرار دیا جاسکتا ہے۔ ان اصول و قواعد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین، نیز بعد کے کچھ دور تک عمل ہوتا رہا، اور اس دور کے مسلمانوں کی بے مثال سیاسی، معاشی اور معاشرتی کامیابی اور شاندار سائنسی اور صنعتی ترقی سب کے سامنے ہے۔ اور جب خود مسلمانوں نے اپنے ہی نظام حکومت سے روگردانی کی تو ان کا داخلی و خارجی استحکام خطرے میں پڑ گیا اور ان کی ریاست و سلطنت سکڑتی چلی گئی۔ اور جوں جوں اسلامی تعلیمات اور

سیرت طیبہ سے بعد پڑھتا گیا، تنزلی انحطاط میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔

آج صورتِ حال یہ ہے کہ صرف پاکستان نہیں تمام اسلامی ممالک اگنت مسائل اور بیشمار مشکلات کا شکار ہیں اور پوری دنیا میں اکثریت میں ہونے کے باوجود غیروں کے محتاج اور ان کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے آگے بے بس ہیں۔ اس کا واحد سبب سیرت طیبہ اور اسوہء حسنہ سے روگردانی ہے۔

اگر ہم آج بھی اسوہء حسنہ کا دامن رحمت تھام لیں تو ہماری تمام مشکلات دور ہو سکتی ہیں اور ہمارے لئے پھر دونوں جہانوں کی ترقی کے درواہ ہو سکتے ہیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ ومن تبعہم

اجمعین ، الی یوم الدین

عدم برداشت کا
قومی اور بین الاقوامی رجحان
اور تعلیمات نبوی ﷺ

قومی سیرت النبی ﷺ کا انفرنس ۱۹۹۹ء
وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، اسلام آباد

دور حاضر ممکن ہے کہ بعض باتوں میں اس دور سے ممتاز ہو ممکن ہے اسے بعض پہلوؤں سے ترقی یافتہ بھی قرار دے دیا جائے۔ لیکن اس امر سے انکار کی گنجائش نہیں کہ فتنہ و فساد آج بھی پڑھتا ہوا دکھائی دے رہا ہے، بدنی اور شرکی قوتیں آج بھی بھرپور قوت کے ساتھ سرگرم عمل ہیں، آج بھی بے اطمینانی اور بے چینی کا ہر طرف دور دورہ ہے، عام آدمی آج بھی اپنی حالت سے مطمئن نہیں ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مذہب سے پیچھا چھڑوانے والے اب خود مذہب کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔

تمہید

یہ مقالہ درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے۔

۱۔ تحمل و برداشت کی تشریح۔

۲۔ برداشت و رواداری کا حکم قرآن حکیم میں۔

۳۔ آنحضرت ﷺ اور برداشت و تحمل۔

۴۔ تحمل و برداشت کے سلسلے میں آپ ﷺ کے اقدامات کا پس منظر۔

۵۔ مخالفین سے سلوک، مختلف مذاہب اور اقوام کی تعلیمات کا تقابلی مطالعہ۔

۶۔ مخالفین سے سلوک، عملی اقدامات کا تقابلی مطالعہ۔

۷۔ آپ ﷺ کا صبر و تحمل، برداشت اور رواداری غیر مسلموں کی نظر میں۔

آفتاب اسلام جب اس کرۂ ارض پر طلوع ہوا، جب آنحضرت ﷺ ختم نبوت و رسالت سے سرفراز فرما کر مبعوث کئے گئے، اس وقت یہ عالم آب و گل ایک ہمہ جہتی گرداب بلا کا شکار تھا، ہر سمت انتشار مکمل اور ہر جانب اضطراب مسلسل کا عالم تھا، فضا کچھ اس قسم کی بوجھلی تھی کہ دیدہ و بینا رکھنے والا ہر شخص خود بخود ایک ہمہ جہت اور عالمگیر نوعیت کے انقلاب کا منتظر تھا، اور جو لوگ آسمانی کتابوں اور علوم نبوت سے شناسائی رکھتے تھے وہ تو کھل کا اس امر کا اظہار کر رہے تھے کہ نبی انقلاب، محسن انسانیت، ہادی اعظم، رہنمائے عالم ﷺ کی آمد آمد ہے، کتنے ہی لوگ روایتی رسوم اور قبائلی رواج سے تنگ آ کر آبائی مذہب چھوڑ چکے تھے۔ (۱) اس فضا اور اس دور کا احوال بہت سے اہل سیر نے قلمبند کیا ہے، کئی ایک نے تو خاص اسی موضوع پر تفصیلی کتب بھی تحریر کی ہیں، لیکن اس کا احوال ایک انگریز سیرت نگار سے سنئے، آر۔ وی۔ سی۔ بوڈلے (R-V-C. Bodley) بعثت آنحضرت ﷺ کے وقت پوری دنیا کی مشہور اور قابل ذکر اقوام کا احوال یوں بیان کرتا ہے:

(۱) چنانچہ بہت سے لوگ اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر عیسائی ہو گئے تھے یا بت پرستی کے منکر ہو گئے تھے، دیکھئے شبلی نعمانی / سیرت النبی / دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۸۵ء / ج ۱ ص ۱۲۱، ۱۲۲۔

آج کے زندہ مسائل ۱۶۶ عدم برداشت کا رجحان

چھٹی صدی عیسوی میں عربوں کو کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی، اور حقیقت میں تو کسی کی بھی کوئی حیثیت نہ تھی، ایک نژاد کا عالم تھا، مشرقی یورپ اور مغربی ایشیا کی عظیم سلطنتیں یا تو تباہ ہو چکی تھیں یا تباہی کے قریب تھیں، یہ ایک ایسی دنیا تھی جو اب بھی یونان کی فصاحت، ایران کی عظمت اور روما کی شوکت و جلال پر متبصر تھی اور ایسی کوئی چیز نہ تھی، نہ کوئی مذہب ایسا تھا جو ان میں سے کسی ایک کی جگہ لینے کی حالت میں ہوتا۔ یہودی اپنے مرکز کے بغیر پوری دنیا میں حیران و پریشان سرگرداں تھے، حالات کے مطابق یا تو انہیں برداشت کر لیا جاتا یا پھر انہیں سخت تکالیف دی جاتیں، کوئی ملک ان کا اپنا نہ تھا، اور ان کا مستقبل اسی قدر غیر یقینی تھا جس قدر آج ہے۔

پوپ گریگری اعظم (Grigory The Great) کے حلقہ اثر سے آزاد مسیحی اپنے سہل عقائد کے ہر قسم کے پیچیدہ معانی دریافت کر رہے تھے اور اس سلسلے میں (عبادت جان کر) ایک دوسرے کا گلا کاٹنے میں مصروف تھے۔

ایران میں سلطنت کی آخری امید باقی بچی تھی، خسرو ثانی اپنی سلطنت کی توسیع میں مصروف تھا، وہ روماکو شکست دے کر کی پیڈیشیا (Cappadocia) مصر و شام پر قابض ہو گیا تھا، اس نے ۶۲۰ میں بیت المقدس کو تاراج کر کے مقدس صلیب کو چرایا تھا اور ارارے اہل کی عظمت رفتہ کو دوبارہ قائم کر دیا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ مشرق وسطیٰ کی عظمت کو نئی زندگی مل گئی ہے، لیکن حقیقت یہ تھی کہ بازنطینی رومی اب بھی ماضی کی طرح چست و توانا تھے، جب خسرو نے اپنی افواج کو لے کر قسطنطنیہ کی فصیلاں پر چڑھائی کی تو انہوں نے آخری کوشش کر دکھائی۔

مشرق بعید میں بھی حالات کوئی نمایاں تاثر نہیں دے رہے تھے،

آج کے زندہ مسائل ۱۶۷ عدم برداشت کا رجحان

ہندوستان اب بھی چھوٹی چھوٹی اور غیر اہم ریاستوں پر مشتمل تھا جو سیاسی اور حربی حیثیت میں ایک دوسرے پر غالب آنے کے لئے جدوجہد میں مصروف تھیں۔

چینی اپنی عادت کے مطابق آپس میں ایک دوسرے سے نبرد آزما تھے، خاندان سوئی آکر جاچکا تھا اور اس کی جگہ ٹینگ خاندان نے لے لی تھی، جو تین صدیوں تک حکمران رہا۔ جاپان میں پہلی بار ایک خاتون تخت نشین ہوئی تھی، یہاں بدھ مت جز پکڑنے لگا تھا اور جاپان کے مذہبی تصورات اور قومی مقاصد پر اثر انداز ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اسپین اور انگلستان چھوٹے چھوٹے اور غیر اہم ملک تھے، جزائرِ برطانیہ آزاد ریاستوں میں منقسم تھا۔ (۲)

دورِ حاضر ممکن ہے کہ بعض باتوں میں اس دور سے ممتاز ہو، ممکن ہے اسے بعض پہلوؤں سے ترقی یافتہ بھی قرار دے دیا جائے۔ لیکن اس امر سے انکار کی گنجائش نہیں کہ فتنہ و فساد آج بھی بڑھتا ہوا دکھائی دے رہا ہے، بدی اور شر کی قوتیں آج بھی بھرپور قوت کے ساتھ سرگرم عمل ہیں، آج بھی بے اطمینانی اور بے چینی کا ہر طرف دورِ دورہ ہے، عام آدمی آج بھی اپنی حالت سے مطمئن نہیں ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مذہب سے پیچھا چھڑوانے والے اب خود مذہب کی تلاش میں سرگرداں ہیں، خرابی حالات آج محسوس کرتے ہیں اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ معروف برطانوی فلسفی برٹریڈ رسل (Bertrand Russell) نے آج سے کوئی چالیس سال قبل یہ سوال اٹھایا تھا کہ ”کیا انسان کا کوئی مستقبل ہے؟“ (۳)

یہ سوال اگرچہ خالص مادیت پرستی کے فلسفے کے تحت اٹھایا گیا تھا اور اس کا مقصد مہلک ہتھیاروں کی دوڑ شروع ہو جانے سے انسانیت کو لاحق ہونے والے خطرات کی نشاندہی تھی، لیکن اس سے یہ بہر حال ضرور واضح ہوتا تھا کہ انسان اگر خطِ مستقیم سے ہٹ جائے تو نہ صرف یہ کہ اس کی

(۲) (پتھر و اختصار) P-16-18 The Messenger / R.V.C. Bodley

(۳) Bertrand Russell / Has Man A Future ? P-95, London- 1961.

آج کے زندہ مسائل

عَدْمُ بُرْدِ اَشْتِ کَارِ حِجَابِ

مفید اور مثبت صلاحیتیں مضراور منفی سرگرمیوں میں صرف ہونے لگتی ہیں، بلکہ وہ اپنے ہی ہم جنسوں کے لئے خطرہ بن جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ پھر انسان کی اس آزادی یا آزاد روی کا کیا علاج ہے؟ اگر اسے پابند کیا جائے تو کس ضابطے کا؟ اگر کسی انسان ہی کے بنائے ہوئے قانون پر سب کو متفق کرنے کی کوشش کی جائے تو پہلے تو یہ امر ویسے ہی محال ہے عقلاً بھی اور مشاہدہ بھی اس کی گواہی دیتا ہے، دوسرے اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ان کا بنایا ہوا دستور ان مقاصد کے لئے مفید ثابت ہوگا جن کی خاطر وہ تشکیل دیا گیا ہے، سو اس کا کیا حل ہے؟ اگر کوئی شخص مسلمان ہے اور خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کامل رکھتا ہے تب تو اس کے لئے جہاں اسوۂ حسنہ کی صورت میں حیات انسانی کے ہر شعبے کے لئے مکمل رہنمائی موجود ہے وہیں اس کے کردار و عمل کی راہیں بھی متعین کر دی گئی ہیں، لیکن اگر اس کا خدا اور رسول خدا ﷺ پر ایمان نہیں ہے تب بھی اس کے لئے غور و فکر کے در تو کھلے ہیں، وہ اسلام کی تعلیمات کا مطالعہ تو کر سکتا ہے، ان میں غور و فکر کر کے اپنی فہم کے مطابق اس بات کا جائزہ تو لے سکتا ہے کہ جو پیغام دیا جا رہا ہے وہ قابل عمل ہے یا نہیں، اور اس پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں انسانیت کا فائدہ ہے یا ضرر و نقصان ہے؟ اسی بنا پر اسلام کی دعوت پوری انسانیت کے لئے ہے اور آپ ﷺ کو پوری انسانیت کے لئے رہنما و ہادی بنا کر بھیجا گیا، ارشاد باری ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَ لَٰكِنَ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴﴾

اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۴)

اسی لئے آپ ﷺ کے اکثر خطبات بَا اَيْهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کی بجائے يَا اَيْهَا النَّاسُ سے شروع ہوتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ کا خطاب قیام قیامت تک آنے والی پوری انسانیت سے ہے۔ اس لئے ضرورت یہ ہے، اسوۂ حسنہ، سیرت طیبہ اور تعلیمات نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں حیات انسانی کے ہر مسئلے اور دور حاضر کے ہر معاملے کو پرکھا جائے اور ان کی روشنی میں

آج کے زندہ مسائل ۱۶۹ عدم برداشت کا رجحان

آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دیا جائے اور پھر اس پر پورے خلوص اور کامل ذمہ داری سے عمل کیا جائے برداشت و رواداری کا معاملہ بھی انہیں چند مسائل میں سے ایک ہے جن کا آج قومی اور بین الاقوامی دونوں سطح پر پوری دنیا کو سامنا ہے، صرف عدم برداشت اور رواداری کے نہ ہونے کی وجہ سے ان گنت لائچل مسائل پوری دنیا کے لئے پیدا ہو چکے ہیں جن کی وجہ سے دنیا کی ایک بہت بڑی آبادی شدید خطرات سے دوچار ہے، یقیناً آسمانی تعلیمات اور نبوی طریق زندگی سے روگردانی کا نتیجہ ہے اور اس کا حل یہی ہے کہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہوئے قرآن و سنت کی طرف رجوع کیا جائے تاکہ ان مصائب و آلام سے جو ہمارے اپنے ہی پیدا کردہ ہیں ہمیں نجات مل سکے۔

سب سے اہم مسئلہ عدم برداشت کا بین الاقوامی رجحان ہے، یہ رجحان گزشتہ کئی صدیوں سے مختلف شکلوں میں برابر جاری ہے۔ اور آج بھی اس کا بڑا شکار مسلمان ہیں، اور لطف یہ ہے کہ عالم اسلام ہی پر شدت پسندی اور عدم برداشت کے الزامات عائد کئے جا رہے ہیں۔ لیکن حقائق کیا کہتے ہیں؟ عدم برداشت کے رجحان کے سدباب اور رواداری کے فروغ کے سلسلے میں ہونے والی کوششوں کے متعلق اعداد و شمار کیا کہتے ہیں؟ اور مختلف قوموں اور گروہوں کی جانب سے کئے جانے والے عملی اقدامات کی حقیقت کیا ہے؟ زیر نظر مقالے میں انہی سوالات کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور اسلامی تعلیمات اور دیگر مذاہب کی تعلیمات کے تقابلی مطالعہ کے ساتھ ساتھ عملی اقدامات کا بھی تقابل کیا گیا ہے تاکہ اوپر اٹھائے جانے والے سوالات کی روشنی میں حقائق واضح ہو سکیں۔

درحقیقت عنوان کے دو پہلو ہیں، ایک ہے عدم برداشت کا قومی رجحان اور دوسرا ہے بین الاقوامی رجحان، اس مختصر سے وقت اور محدود صفحات میں یہ ممکن نہیں ہے کہ ان دونوں پہلوؤں کا مکمل احاطہ کیا جائے اس لئے فی الوقت صرف بین الاقوامی رجحان تک اپنی گفتگو کو محدود رکھا جائے گا، البتہ ضمنی طور پر قومی رجحان بھی زیر بحث لایا جائے گا۔

تقابلی مطالعے کی ضرورت

اس مقالے کا عنوان ہم سے اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم برداشت و رواداری کے سلسلے

آج کے زندہ مسائل

میں آنحضرت ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے عملی اقدامات کا مطالعہ کرتے ہوئے دیگر ادیان، مذہبی گروہوں خصوصاً مغرب کے افکار و خیالات اور ان کے طرز عمل کا بھی جائزہ لیں کہ وہ اس بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ اور مخالفین کے ساتھ برداشت و تحمل کے سلسلے میں ان کا کردار کیا ہے۔ کیونکہ اسی صورت میں عدم برداشت کے بین الاقوامی رجحان پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔

برداشت و تحمل کی تشریح

برداشت اور تحمل ہم معنی ہیں، لفظ تحمل کا مادہ حمل ہے، جس کے معنی بوجھ اٹھانے کے ہیں، پھر اگر لفظ حمل (بالکسر) استعمال ہو تو اس کے معنی ظاہر میں بوجھ اٹھانے کے ہوتے ہیں جیسے کسی جانور پر یا پشت پر بوجھ اٹھانا، قرآن کریم میں ہے:

فَاتَّكُفُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وِزْرًا ۝

بلاشبہ وہ قیامت کے روز بوجھ اٹھائے گا۔ (۵)

اور اگر حمل (بالفتح) استعمال کیا جائے تو اس کے معنی باطن میں بوجھ اٹھانے کے ہوتے ہیں، جیسے بچہ شکم مادر میں اور پھل درخت پر، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ (۶)

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔ (۷)

اور تحمل کے معنی برداشت کرنے کے ہیں اور تحمل علی نفسہ کے معنی مشقت کے باوجود برداشت کرنے کے ہوتے ہیں۔ (۸) اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ تحمل کے معنی بھی برداشت ہی کے ہیں اور یہ طبیعت کی وہ صفت ہے جس سے انسان میں وہ قوت پیدا ہوتی ہے جس کے سبب وہ جوش غضب، اشتعال اور جذبہ انتقام کے باوجود اور انتقام پر قدرت کے ہوتے ہوئے عفو و درگزر سے کام لیتا ہے اور اپنے آپ پر قابو رکھتا ہے، برخلاف طبیعت اور اشتعال انگیز واقعے پر رد عمل کے اظہار میں جدی نہیں کرتا، نہ دشمنی و مخالفت میں حد اعتدال سے باہر نکلتا ہے۔

(۵) طہ: ۱۰۰ (۶) الطلاق: ۴ (۷) ابن المنظور/لسان العرب/انشراب الحوزہ، قم ایران، ۱۴۰۵ھ/ج ۱۱

ص ۱۷۲ تا ۱۷۳ (۸) لوہس معلوف/المجدد/مطبعة کاٹولایہ، بیروت ۱۹۴۷ء/ص ۱۵۰

آج کے زندہ مسائل ۱۷۱

عدم برداشت کا رجحان

تحلل و برداشت کا حکم قرآن حکیم میں

قرآن حکیم ہر معاملے میں انصاف سے کام لینے، غصہ و درگزر، برداشت اور تحلل کا درس دیتا ہے، وہ اپنا یہ پیغام مختلف مقامات پر مختلف انداز سے دہراتا ہے، اس طرح وہ ایسی شخصیت کی تعمیر کرتا ہے جو اسلام کی پہچان ہو اور عملی طور پر ہر اعتبار سے پوری انسانیت کے لئے پیغام سالمیت و سلامتی ہو، آئیے چند ایسی آیات ربانی کا مطالعہ کریں جو ہمیں تحلل و برداشت کا درس دیتی ہیں۔

برائی کا بدلہ اچھائی کے ساتھ دینے کی تاکید کرتے ہوئے قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ
فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ٥

اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی، برائی کو ایسے طریقے سے دور کرو جو بہتر ہو (اگر ایسا کرو) تو جس شخص میں اور تم میں دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے ولی (قریبی) دوست۔ (۹)

ان نیک لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جو آخرت میں عمدہ ٹھکانوں کے مستحق قرار پائیں گے قرآن کہتا ہے:

وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَ
أَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرُءُونَ بِالْحَسَنَةِ
السَّيِّئَةِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَقَبَى الدَّارِ ٦

اور (یہ وہ لوگ ہیں) جو اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے صبر کرتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ (راہ حق میں) خرچ کرتے ہیں اور برائی کے مقابلے میں بھلائی کرتے ہیں، انہی لوگوں کے لئے آخرت کا گھر ہے۔ (۱۰)

مذہب کے معاملے میں برداشت کی تلقین اور تبدیلی مذہب کے سلسلے میں جبر کی نفی کرتے

آج کے زندہ مسائل
ہوئے قرآن کا فرمان ہے:

لَا أَكْرَاهُ فِي الدِّينِ قَدَّ بَيِّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ
بِالْظَّالِمَاتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدْ اسْتَسْكَنَ بِالْعُرْوَةِ
الْوُثْقَىٰ لَا انْقِصَامَ لَهَا ۚ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں، بلاشبہ ہدایت گمراہی سے الگ
ظاہر ہو چکی ہے، پھر جس نے جھوٹے معبودوں کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان
لے آیا تو اس نے ایسی مضبوط رسی پکڑ لی جو ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ خوب
سنتا (اور) جانتا ہے۔ (۱۱)

اس قرآنی حکم پر مسلمانوں نے کس انداز سے عمل کیا اس کی ایک جھلک حضرت عمر رضی
اللہ عنہ کے ایک واقعے میں ملتی ہے، انہوں نے اپنے غلام استق کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی
لیکن جب اس نے انکار کیا تو فرمایا: لا اکراه فی الدین (۱۲)
اسلام کا حکم یہ ہے کہ جب کسی قسم کا معاملہ درپیش ہو تو انصاف کا دامن مضبوطی سے تھامے
رہو اور تمہارا کوئی اقدام انصاف سے سرمو تجاوز نہ کرنے پائے اور اس سلسلے میں دوست دشمن،
اپنے پرانے اور مسلم وغیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں، ارشاد باری ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَا نُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ وَإِعْدِلُوا ۚ هُوَ
أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

اے ایمان والو! اللہ کے لئے انصاف سے گواہی دینے کے لئے کھڑے
ہو جایا کرو اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ترک نہ کرو (اور)
عدل کیا کرو، یہی پرہیزگاری سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو
بلاشبہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ (۱۳)

(۱۱) البقرہ: ۲۵۶ (۱۲) شبلی نعمانی / الفاروق / مکتبہ صدیقیہ، ملتان، ۱۹۵۲ء، ج ۲، ص ۳۷۵

(۱۳) المائدہ: ۸

آج کے زندہ مسائل ۱۷۳

عدم برداشت کا رجحان

یہود کی نافرمانیوں اور گستاخیوں کا ذکر کرنے کے بعد حضور ﷺ کو درگزر کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ①

اور ان (یہود) میں سے چند لوگوں کے سوا ان کی کسی نہ کسی خیانت کی اطلاع آپ کو ہمیشہ ملتی رہے گا سو آپ ان کو معاف کیجئے اور درگزر فرمائیے، بلاشبہ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (۱۴)

اسلام باطل معبودوں کو بھی برا کہنے سے منع کرتا ہے کیونکہ اس صورت میں رد عمل کے طور پر وہ خدائے واحد کو برا کہیں گے، ارشاد ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ

اور (اے مسلمانو!) یہ مشرک اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں تم ان کو برا بھلا مت کہو کیونکہ پھر وہ بھی جہالت کی بناء پر حد سے تجاوز کر کے اللہ کی شان میں گستاخی کرنے لگیں گے۔ (۱۵)

آنحضرت ﷺ اور برداشت و تحمل

آپ ﷺ کی قوت برداشت اور ضبط و تحمل مثالی تھا، آپ ﷺ کی پوری حیات مقدسہ عفو و درگزر، رحمت و رافت، حلم و تحمل، مہربان و ضبط رحم و ترحم اور برداشت و رواداری سے عبارت ہے۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے بجا کہا ہے کہ

مظلومی میں صبر، مقابلے میں عزم، معاملے میں راست بازی اور طاقت و اختیار میں عفو و درگزر اور رواداری تاریخ انسانیت کے وہ نواور ہیں جو کسی ایک زندگی کے اندر اس طرح کبھی جمع نہیں ہوئے۔ (۱۶)

(۱۴) المائدہ: ۱۳ (۱۵) الانعام: ۱۰۹

(۱۶) ابوالکلام آزادؒ، رسول رحمتؐ، مرتبہ مولانا غلام رسول مہر شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور/ص ۴۳۹

آج کے زندہ مسائل ۱۷۴ عدم برداشت کا رجحان

اور قاضی عیاض آپ رحمۃ اللہ علیہ کی قوت برداشت کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں!

وہو صلی اللہ علیہ وسلم لا یزید مع کثرة الأذى الا صبرا
و علی اسراف الجاہل الا حلماً (۱۷)

اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کو دی جانے والی تکالیف کی کثرت آپ میں صبری کی
اضافہ کرتی تھی، اور جاہلوں کی جانب سے کی جانے والی زیادتیاں آپ
رحمۃ اللہ علیہ کا حلم بڑھاتی تھیں۔

انسان کا اصل امتحان اپنے اہل خانہ اور ملازمین کے ساتھ معاشرت میں ہوتا ہے، بہت
سے مواقع ایسے آتے ہیں جب انسان کے لئے صبر و تحمل اور برداشت سے کام لینا عام طور پر ممکن
نہیں ہوتا، آپ رحمۃ اللہ علیہ ان مراحل میں بھی سب سے جدا اور سب سے ممتاز نظر آتے ہیں، حضرت
انس رضی اللہ عنہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خادم خاص تھے ان کا بیان ہے کہ میں نے دس برس آپ کی
خدمت کی، خدا کی قسم آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کبھی مجھے اف تک نہیں کہا اور نہ آپ نے کبھی کسی کام کے
بارے میں یہ فرمایا کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہیں کیا (۱۸) برداشت و تحمل کا یہ کس قدر بلند رتبہ ہے؟
اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات
کے لئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، سوائے اس شخص کے جس نے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کا
ارتکاب کیا تو اس سے اللہ کے لئے بدلہ لیا۔ (۱۹)

یہ تھا وہ مثالی غصہ اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کا بے مثال صبر و تحمل جس نے اپنوں ہی نہیں غیروں سے بھی
تسلیم کروا لیا کہ اس سے بڑھ کر تحمل و حلم، اس سے بڑھ کر صبر و ضبط اور اس سے بڑھ کر رواداری کا
مظاہرہ ممکن نہیں۔ اس کی مزید مثالیں آپ اس مقالے میں آئندہ پڑھیں گے، پہلے دیکھنے کہ آپ
رحمۃ اللہ علیہ نے جس ماحول میں اس مثالی قوت برداشت کا مظاہرہ کیا وہ ماحول کس قسم کا تھا؟

(۱۷) قاضی عیاض / الشفا جعفر ایف حقوق المصطفیٰ / مصطفیٰ البابی الخلیفی، قاہرہ مصر، ۱۹۵۰ء، ج ۱ ص ۲۱

(۱۸) مسلم الصحیح، کتاب الفضائل باب حسن خلق (۱۹) قاضی عیاض / الشفا ج ۱ ص ۲۱

آج کے زندہ مسائل ۱۷۵ عہد برداشت کا رجحان

تحمل و برداشت کے سلسلے میں آپ ﷺ کے اقدامات کا پس منظر

یہاں یہ ضروری ہے کہ برداشت و تحمل اور مخالفین سے حسن سلوک اور رواداری کے سلسلے میں آپ ﷺ کے اقدامات کا مفصل جائزہ لینے سے قبل اس تاریخی و تہذیبی پس منظر پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے، جس میں آپ ﷺ نے آنکھ کھولی اور جو ماحول آپ کے ارد گرد موجود تھا۔ درحقیقت ایک ایسے ماحول میں جو جنگ جوئی، خونخواری اور دہشت انگیزی میں اپنی مثال آپ تھا، آپ ﷺ کا امن عامہ، فلاح انسانیت، صبر و تحمل، قوت برداشت اور ہمہ جہت رواداری کے لئے کام کرنا بجائے خود آپ ﷺ کی رسالت کی دلیل اور نبوت کا اعجاز ہے۔ آج یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص اس پس منظر سے صرف نظر کر کے آپ ﷺ کی دعوت، سعی و کوشش، آپ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے کردار و عمل کے بارے میں صحیح رائے قائم کر سکے، اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے آپ ﷺ کی مساعی اور کارناموں سے کما حقہ واقف ہو سکے۔ اسی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان تھا کہ جو شخص اسلامی عہد میں پیدا ہوا ہو اور وہ دور جاہلیت سے واقفیت نہیں رکھتا وہ اللہ تعالیٰ کے ان احسانات کو نہیں جان سکتا جو انسانیت کے حالات میں انقلابی تبدیلی کے لئے اور اسے دور ظلمت سے نکال کر روشنیوں میں لانے کے لئے کئے گئے تھے۔ (۲۰)

اس لئے ضروری ہے کہ اس وقت کے عرب معاشرے پر ایک نظر ڈالی جائے۔ دور جاہلیت کی اصل تصویر کشی ان کے شعرا کے کلام میں ملتی ہے، اہل عرب کی تمام دلچسپیاں، ان کی ضروریات، مشاغل، رجحانات، مذہبی خیالات اور ذہنی کیفیات و تخیلات سب کے جاننے کا بنیادی اور بہترین ماخذ دور جاہلیت کے شعرا کے کلام ہیں، ویسے بھی مشہور مقولہ ہے کہ زمانے کا لڑیچہ اس دور کی تہذیب و اخلاق کا آئینہ ہوتا ہے۔

اہل عرب کی جنگ جوئی کا کیا عالم تھا؟ اوذاک بن حُمیل مازنی کہتا ہے،

إذا استجدوا لم يسألوا من دعاهم لاية حرب ام بسای مکان (۲۱)

جب ان سے مدد طلب کی جاتی ہے تو وہ یہ سوال نہیں کرتے کہ انہیں بلانے

(۲۰) رشید رضا/تفسیر المنار، دار المنار، مصر، ۱۳۶۷ھ، ج ۱، ص ۲۲۔

(۲۱) دیوان الحماس، باب الحماس، میر محمد کتب خانہ، کراچی، ص ۲۳۔

والا کون ہے اور نہ یہ دیکھتے ہیں کہ کس جنگ کے لئے یا کس جگہ کے لئے
بلا یا جا رہا ہے۔

»صین بن ہمام اپنی ”بیہادری“ کو ان الفاظ سے تعبیر کرتا ہے:

نفلق ہاماً من رجال اعزۃ علینا و ہم کانوا عقوق و اظلماء (۲۲)
ہم ذی عزت لوگوں کی کھوپڑیوں کو پارہ پارہ کر دیتے ہیں اگرچہ وہ ظالم و
جاہل ہی کیوں نہ ہوں۔

بنی عقیل کا ایک شاعر کمال کی بات کرتا ہے، کہتا ہے:

و نبکی حین نقتلکم علیکم و نقتلکم کاناً لا نبالی (۲۳)
ہم تمہیں قتل کر دینے کے بعد (قربت داری نبھاتے ہوئے) تم پر روتے
ہیں، مگر جب قتل کرتے ہیں تو کوئی پرواہ نہیں کرتے۔

سوار بن مضرب سعدی اگرچہ اس حد تک نہیں جاتا لیکن جنگ جوئی اس کی بھی فطرت کا
حصہ ہے:

و انسی لا ازال احسا حروب اذالم اجن کنت مجن جان (۲۴)
میں ہمیشہ لڑائیوں میں گھرا رہتا ہوں، اگر خود ظلم نہیں کرتا تو ظالموں کی سپر
بن جاتا ہوں۔

اور دشمن کو ”مکافات“ کی دھمکی دیتے ہوئے ایک شاعر کہتا ہے:

انختم علینا کلکل الحرب مرة فنحن منیخواہا علیکم بکلکل (۲۵)
جس طرح تم نے ہمارے اوپر لڑائی کے اونٹ بٹھا کر ہمیں چور چور کر دیا،
تھا، ہم بھی تمہیں اسی طرح پاش پاش کر دیں گے۔

غیرت و حمیت کی بنا پر اپنے مقتول پر نوہ کرنا بھی عیب سمجھا جاتا تھا، شاعر کہتا ہے:

ولا تراہم و ان جلت مصیبتہم مع البکاء علی من مات یکوناً (۲۶)
گو کتنی ہی بڑی مصیبت ہو، لیکن ان کو مرنے والے پر رونے والوں کے

(۲۲) ایضاً/ص ۳۳ (۲۳) ایضاً/ص ۳۳ (۲۴) ایضاً/ص ۲۴ (۲۵) ایضاً/ص ۳۳ (۲۶) ایضاً/ص ۲۱

آج کے زندہ مسائل ۱۷۷

عدم برداشت کا رجحان

ساتھ روتے ہوئے نہ دیکھو گے۔

عمر و بن کثوم کہتا ہے:

معاذ اللہ ان تنوح نساء نا علی ہالک او ان نضبح من القتل (۲۷)

خدا نہ کرے کہ ہماری عورتیں مقتل پر نوحہ کریں یا ہم قتل سے گھبرائیں۔

ذوالاصبح عدوانی اپنے چچا زاد بھائی کو دھمکی دیتے ہوئے کہتا ہے:

یا عمرو الاتدع شتمی و منقصتی

اضربک حتی تقول الہامة اسقونی (۲۸)

اے عمرو اگر تو مجھے گالیاں دینا اور میری تحقیر کرنا نہیں چھوڑے گا تو

میں تجھے مار ڈالوں گا (اور عربوں کے عقیدے کے مطابق) تیری کھوپڑی

سے نکلنے والا الو چلاتا رہے گا کہ مجھے سیراب کرو۔

اور آغشی کا کہنا ہے:

لقد زعمتم باننا لا نقاتلکم اننا لامسالکم یا قومنا قتل (۲۹)

تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ ہم تم سے جنگ نہیں کریں گے، حالانکہ اے قوم ہم تو تم

جیسوں کے لئے بڑے خوں خوار ہیں۔

اور قطامی فخریہ طور پر کہتا ہے:

و احیانا علی بکر اخینا اذا مالم نجد الا اخانا (۳۰)

اگر کبھی ہمیں (قتل و قتال کے لئے) کوئی حریف قبیلہ نہیں ملتا تو ہم اپنے

برادر و حلیف قبیلے پر ہی حملہ کر دیتے ہیں۔

اور ایک شاعر رقاد بن منذر فقط اس بنا پر قبائل میں لڑائی چھڑ جانے کی دعا کرتا ہے، تاکہ

اسے اپنی بہادری کے جوہر دکھانے کا موقع ملے، کہتے ہیں:

اذا المہرة الشقراء ادرک ظہرہا فشب الالہ الحرب بین القبائل (۳۱)

(۲۷) ایضاً ۸۲ (۲۸) احمد حسن زیات / تاریخ ادب عربی / قدیمی کتب خانہ، کراچی / ص ۳۲ (۲۹) ایضاً

ص ۳۵ (۳۰) دیوان حماسہ / ص ۶۲ (۳۱) دیوان حماسہ / ص ۹۶

آج کے زندہ مسائل

میرا گھوڑا سواری کے قابل ہو جائے تو اللہ قبائل میں جنگ کی آگ بھڑکا دے۔

اہل عرب کی سفاکی کا یہ عالم تھا کہ زندہ جانوروں کو درخت وغیرہ سے باندھ دیتے اور ان پر تیر اندازی کی مشق کرتے، لڑائیوں میں حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالتے، منت مانتے کہ دشمن کو قتل کریں گے تو اس کی کھوپڑی میں شراب پییں گے، مجرموں کو درختوں کی ٹہنیاں جھکا کر اس کے اعضا ان میں باندھ دیتے اور ٹہنیوں کو چھوڑ دیتے اس طرح مجرموں کا بدن چر کر ٹہنیوں کے ساتھ رہ جاتا، کبھی عورتوں کو گھوڑے کی دم سے باندھ کر گھوڑے کو سر پٹ دوڑاتے، ان کے بدن کے ٹکڑے اڑ جاتے۔ کسی شخص کو قید کر کے اس کا کھانا پانی بند کر دیتے حتیٰ کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔ (۳۲)

عربوں کے دور جاہلیت میں جذبہ انتقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ عرب جو شراب پر جان دیتے تھے انتقام لینے سے قبل اپنے لئے شراب پینا حرام سمجھتے تھے۔ (۳۳)

یہ تھا عرب کی جنگجوئی اور سفاکی کا خلاصہ۔ (۳۴)

اس جنگ جوئی سفاکی اور بے رحمی پر غور کیجئے اور پھر آپ ﷺ کی رواداری، قوت برداشت، تحمل و بردباری، صبر و استقامت اور رحم و ترحم کا مشاہدہ کیجئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ ان حالات میں ان اقدامات کے سلسلے میں آپ ﷺ کو سن کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا؟ اور آپ ﷺ کو کیا کیا مشکلات پیش آئی ہوں گی؟

اسلام کی آمد سے اہل عرب کی فطرت میں جو انقلابی تبدیلی رونما ہوئی، اس کا اعتراف خود اہل عرب نے بھی کیا اور جو لوگ آپ ﷺ کی کوششوں کے نتیجے میں مسلمان ہوئے انہوں نے خود تسلیم کیا کہ یہ اسلام کا اعجاز ہے کہ ہمارے درمیان اس قدر رواداری اور باہمی محبت پر مبنی

(۳۲) شبلی نعمانی / سیرت النبی / ج ۲ ص ۱۶۱ (۳۳) محمود شکاری آلوسی / بلوغ الارب فی احوال العرب / اردو ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن / مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۶۷ء، ج ۳ ص ۴۹۰ (۳۴) مزید تفصیل کے لئے دیکھیے، بلوغ العرب ج ۳ ص ۴۹۰ تا ۴۹۴، سیرت النبی، ج ۴ ص ۱۴۸-۱۶۱، اور ابوالکلام آزاد / اسلام کا نظریہ جنگ / بساط ادب، لاہور، ۱۹۸۷ء ص ۹

آج کے زندہ مسائل _____ عدم برداشت کا رجحان
 تعلقات قائم ہیں، ایک بار عمرو بن ابی شہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں احف بن قیس کو مخاطب کر کے کہا تھا:

ایک وہ وقت تھا جب ہم دونوں جاہلیت کی دنیا میں بستے تھے، اس وقت عزت کا مستحق وہ سمجھا جاتا تھا جو زیادہ جاہل اور وحشی ہوتا اور جہالت یہ تھی کہ ہم نے تمہارا خون بہایا اور تمہاری عورتوں کو قیدی بنایا آج ہم اسلام کے گھر میں بیٹھے ہیں، آج عزت کا مستحق وہ ہے جو زیادہ بردبار اور حلیم ہے۔ پس اللہ ہمیں اور تمہیں معاف فرمائے (۳۵)

یہی وجہ ہے کہ ایک غیر مسلم خاتون آپ ﷺ کی کوششوں کو خود آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل قرار دیتی ہیں، مسز ایسی بسنٹ نے ایک بار اپنے لیکچر کے دوران کہا تھا:

جو شخص ایسے ملک میں پیدا ہوا ہو جس کا میں نے تذکرہ کیا، جس کا ایسے لوگوں سے پالا پڑا ہو جن کے ناگفتہ بہ حالات کا نقشہ کھینچنا ہے اور جس نے ان کو مہذب ترین اور متقی بنا دیا ہو، ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ خدا کا رسول نہ ہو۔ (۳۶)

مخالفین سے سلوک، مختلف مذاہب اور اقوام کی تعلیمات کا تقابلی مطالعہ

اسلام کی قوت برداشت، مخالفین کے ساتھ حسن سلوک، مذہبی رواداری اور دشمنوں سے عفو و درگزر کے طرز عمل کا جائزہ لینے کے لئے ضروری ہے کہ اس سلسلے میں مختلف مذاہب کی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ ان کی تعلیمات اس بارے میں کیا کہتی ہیں؟ اور ان معاملات میں ان کا منشور کیا ہے؟ اس سلسلے میں پہلے دیگر مذاہب کا ذکر کیا جاتا ہے، بعد میں اس بارے میں آپ ﷺ کی تعلیمات کا بیان ہوگا۔

ہندومت کی تعلیمات

ہندومت کی تعلیمات کا خلاصہ سوامی دیانند کے الفاظ میں یہ ہے:

دھرم کی مخالفتوں کو زندہ آگ میں جلا دو، دشمنوں کے کھیتوں کو اجاڑ دو،

(۳۵) احمد حسن زیات، تاریخ ادب عربی، ص ۱۲۰ (۳۶) ماہنامہ مدینہ، انڈیا، جولائی ۱۹۳۳ء

آج کے زندہ مسائل

گائے، بیل اور لوگوں کو بھوکا مار کر ہلاک کر دو، جس طرح بلی چوہے کو تڑپا

تڑپا کر مارتی ہے، اسی طرح دشمنوں کو تڑپا تڑپا کر ہلاک کرو۔ (۳۷)

اور متحدہ ہندوستان میں جب انگریز کی پشت پناہی میں ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں کیں تو مسلمانوں کے بارے میں ان کے کیا خیالات تھے؟ اور ہندوؤں کو ان کے رہنماؤں کی کیا ہدایات تھیں، اس کا اندازہ ڈاکٹر کشیور اوبلی رام کی اس رائے سے کیجئے وہ کہتا ہے:

ہندوستان کا پورا کوچک ہندوؤں کا ہے جو اس میں ہزار ہا سال سے رستے سبتے

چلے آئے ہیں اور مسلمان دنیا کے اس حصے میں اجنبی اور غیر ملکی ہیں (۳۸)

ہندوؤں کی عدم برداشت کا یہ عالم تھا کہ انہیں مسلمانوں کا اس خطے میں رہنا گوارا ہی نہ تھا، راج کمار اتھلی نے ہندو مسلم ”اتحاد“ کا یہ طریقہ کار پیش کیا تھا:

بلاشبہ ہندو مسلم ایکتا (اتحاد) نہیں ہو سکتی، جب تک سب مسلمان غدھ

ہو کر ہندو نہ ہو جائیں۔ (۳۹)

مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے ”واردھا منصوبہ“ کے نام سے ایک تعلیمی پروگرام شروع کیا تھا، اس میں ہندوؤں کے علاوہ مسلمانوں کے لئے بھی مہاتما گاندھی کی تصویر کی پوجا لازمی تھی، اردو اسکولوں کے ہیڈ ماسٹروں کو ڈسٹرکٹ اماؤٹی کے لوکل بورڈ کی جانب سے یہ حکم جاری ہوا تھا:

صداقت اور عدم تشدد کا تمام عالم کو پیغام دینے والی عظیم المرتبت ہستی

مہاتما گاندھی کی تصویر کی پوجا اور ان کے بلند نظریوں کے متعلق حاضرین

کو نیک ہدایت دی جائے۔ (۴۰)

ہندوؤں کا یہ اچھا عدم تشدد تھا جس میں جبر ایک مذہب کے ماننے والوں کو پوجا پات پر

مجبور کیا جا رہا تھا۔

(۳۷) چودھری غلام رسول / مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ملی کتب خانہ لاہور، ۱۹۸۰ء، ص ۱۰۱-۱۰۳

(۳۸) منشی عبد الرحمن خاں، تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی، ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۲۴

(۳۹) ایضاً / ص ۲۸

(۴۰) دیکھئے سید فضل الرحمن / تحریک پاکستان کے فکری محرکات / زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی، ۱۹۹۷ء، ص ۷

یہودیت

جنگی قیدیوں، مال غنیمت اور مفتوحین کے متعلق بائبل کی تعلیمات یہ ہیں۔
 جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضے میں دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار
 سے قتل کر ڈالنا، لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے
 سب مال اور لوٹ کو اپنے لئے رکھ لینا، اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو
 جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی کھانا، ان سب شہروں کا یہی حال
 کرنا جو تجھ سے بہت دور ہیں اور ان قوموں کے شہر نہیں ہیں، یہ ان
 قوموں کے شہروں میں، جن کو خداوند تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا
 ہے، کسی ذی نفس کو زندہ نہ بچا رکھنا، بلکہ تو ان کو یعنی حتی، اموری، کنعانی،
 فرزی، حوی اور یبوسی قوموں کو جیسا کہ خداوند تیرے خدا نے تجھ کو حکم دیا
 ہے بالکل نیست و نابود کر دینا۔ (۳۱)

موسیٰ نے سرداروں سے کہا! ”کیا تم نے سب عورتیں زندہ بچا رکھی ہیں؟
 سو اس وقت ان بچوں میں سے جتنے لڑکے ہیں سب کو مار ڈالو اور جتنی
 عورتیں مرد کا منہ دیکھ چکی ہیں ان کو قتل کر ڈالو، لیکن ان لڑکیوں کو جو مرد
 سے واقف نہیں، اپنے لئے زندہ رکھو۔“ (۳۲)

انگریز

یہاں ان انگریزوں کی ہدایات اور پالیسیوں کا ذکر مطلوب ہے، جو ایک عرصے تک
 سرزمین ہندوستان کے سیاہ و سفید کے مالک رہے۔ آئیے دیکھیں قوت برداشت کے سلسلے میں دنیا
 کی سب سے بڑی ”جمہوریت“ کے دعوے دار کیا نمونہ پیش کرتے ہیں؟ انگریزوں کی ”جمہوریت
 پسندی“ کے اصل مظاہر اس سے اگلے عنوان کے تحت پیش کئے جائیں گے، یہاں صرف چند

(۳۱) عہد نامہ قدیم/ کتاب الاستثناء/ باب ۲۰، فقرہ ۱۰ تا ۱۷

(۳۲) عہد نامہ قدیم/ کتاب العدد/ باب ۳۱، فقرہ ۱۵ تا ۱۸ ملخصاً

آج کے زندہ مسائل _____ عدم برداشت کا رجحان
جھلکیاں ملاحظہ کیجئے، جن کا تعلق پالیسی سے ہے۔

انگریز نے ہندوستان میں مسلمانوں کو دبانے اور انہیں سیاسی اور معاشی طور پر ختم کرنے کے لئے ہندوؤں کو طاقتور کرنے کے پروگرام پر عمل کیا تھا، اس کا اعتراف خود انگریز مؤرخ ولیم ہنٹر سے سنئے وہ کہتا ہے:

سندر بن کے کمشنر نے گورنمنٹ گزٹ میں اعلان کیا تھا کہ جو ملازمین

خالی ہوں ان پر سوائے ہندو کے کسی اور کا تقرر نہ کیا جائے۔ (۴۳)

اور ہندوستان کا گورنر جنرل لارڈ ایلن باور اپنی حکومت کی پالیسی بیان کرتے ہوئے صاف الفاظ میں کہتا ہے:

میں اس حقیقت سے آنکھیں بند نہیں کر سکتا کہ یہ نسل (مسلمان) بنیادی

طور پر ہماری دشمن ہے، اس لئے ہماری صحیح پالیسی یہ ہے کہ ہندوؤں کو

خوش کیا جائے۔ (۴۴)

آج کے دور میں عدم برداشت کا پوری شدت سے پرچار کرنے والے انگریزوں نے آج سے قریباً ڈیڑھ سو سال قبل برداشت و رواداری کے سلسلے میں کیا کردار ادا کیا تھا، اس کی ایک اور جھلک دیکھئے، الہ آباد کے کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل جان کرک نے ۱۸۵۷ء کے فوراً بعد کہا تھا:

ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ ہندوستان میں موجودہ مذاہب اور نسلوں کی

صورت میں جو اختلاف ہے اسے پوری طاقت صرف کر کے برقرار رکھا

جائے اور اسے کسی صورت ختم نہیں ہونا چاہئے، آئندہ حکومت ہند کا سب

سے بڑا اصول ”لڑاؤ اور حکومت کرو“ ہونا چاہئے۔ (۴۵)

اور بمبئی کے گورنر لارڈ الفین سنون نے ۱۳ مئی ۱۸۵۹ء کو اپنی حکومت کو یہ نوٹ لکھا تھا:

”تقسیم کرو اور حکومت کرو“، قدیم رومیوں کا مونو بیہی ہے، ہمیں اس کو

(۴۳) پروفیسر سید محمد سلیم / مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت / ادارہ تعلیمی تحقیق لاہور، ۱۹۹۲ء / ص ۲۰۹، ۲۱۰

(۴۴) وہی مؤلف / تاریخ نظریہ پاکستان / ادارہ تعلیمی تحقیق لاہور، ۱۹۹۶ء / ص ۶۷

(۴۵) جانا بزم رزا / انگریز کے باغی مسلمان / مکتبہ تحفہ، لاہور، ۱۹۹۰ء / ص ۳۴۱

آج کے زندہ مسائل ۱۸۳ عدم برداشت کا رجحان

اختیار کرنا چاہئے۔ (۴۶)

یہ تھا غیر مسلموں کی تعلیمات کا خلاصہ، اب ملاحظہ کیجئے کہ اسلام مخالفین کو برداشت کرنے اور ان سے حسن سلوک کی کیسے تلقین کرتا ہے، اور آپ ﷺ کس کس انداز سے عدم برداشت کا انداد اور تحمل و برداشت کی تاکید فرماتے ہیں۔

تعلیمات نبوی ﷺ

کسی بھی مخالفت کی انتہا باہمی جنگ کی صورت میں سامنے آتی ہے اور مشہور مقولہ ہے کہ ”جنگ میں سب کچھ جائز ہے“، لیکن اسلام اس کا قائل نہیں، وہ جنگ کو ناگزیر ضرورت کے طور پر دیکھتا ہے اور حتی المقدور اس کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ جنگ نہ ہو، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

دشمن سے جنگ کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت کی دعا کرو، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ جنگ کی صورت میں تمہیں کیا حالات پیش آئیں گے؟ (۴۷)

حالانکہ اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ اہل عرب بہادری کے جوہر دکھانے کی غرض سے جنگ چھڑنے کی دعائیں کیا کرتے تھے۔

جنگ جسے ہر ایک اپنے اصولوں پر لڑنا پسند کرتا ہے مگر آپ ﷺ نے ایسے اصول تعلیم فرمائے کہ اس میں ایک تو جانی و مالی نقصان کم سے کم ہو دوسرے صرف ان لوگوں سے لڑا جائے جو واقعی آمادہ پیکار ہیں۔ دیگر تمام لوگ جن میں ضعیف افراد، بچے اور خواتین شامل ہیں اگرچہ دشمن کی قوم سے تعلق رکھتے ہیں مگر ان سے لڑنا درست نہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کا دستور تھا کہ کہیں حملے کی غرض سے اگر رات کو پہنچتے تو دھوکے سے حملہ نہیں کرتے تھے۔ (۴۸) غزوہ موتہ کے لئے لشکر روانہ فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا اور انہیں دیگر نصاب کے علاوہ یہ نصیحت بھی فرمائی کہ:

(۴۶) ایضاً (۴۷) قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی/تفسیر مظہری/مجلس اشاعت العلوم، حیدرآباد دکن/ج ۹ ص ۲۵
(۴۸) بخاری الصحیح/کتاب المغازی باب غزوہ خیبر

۱۔ ہر حال میں تقویٰ و پرہیزگاری کو ملحوظ رکھنا

۲۔ اپنے ساتھیوں کی خیر خواہی کرنا

۳۔ اللہ کی راہ میں اللہ کے نام پر، اللہ سے کفر کرنے والوں سے جہاد کرنا

۴۔ غدار ی نہ کرنا

۵۔ خیانت نہ کرنا

۶۔ کسی بچے، عورت اور بوڑھے کو قتل مت کرنا۔ (۴۹)

اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص کو کسی لشکر کا امیر مقرر فرماتے تو اسے تقویٰ و پرہیزگاری کی وصیت فرماتے، ساتھ جانے والے مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کی تلقین کرتے اور فرماتے کہ اللہ کے نام سے اور اسی کے راستے میں جہاد کرو، ان لوگوں سے لڑو جو اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہیں، مالِ غنیمت میں بددیانتی نہ کرو، مُثلہ (مقتولوں کے ناک، کان، ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹنا) نہ کرو، بچوں کو قتل مت کرو۔ (۵۰)

فتح مکہ کا موقع ہے، ایک ایسی قوم جو آج سے قبل بیسیوں مسلمانوں کو قتل و زخمی اور ہزاروں کو گھبر کر اچکی ہے، سینکڑوں مسلمانوں پر اذیت ناک تشدد میں ملوث ہے، دین اسلام کو ختم کرنے کے لئے ہر ممکنہ تدبیر آزما چکی ہے، مکہ معظمہ کی پاک سرزمین سے مسلمانوں کو نکال دینے کے بعد بھی اس کی آتشِ انتقام سرد نہیں ہوئی وہ پھر بھی مسلسل سازشوں میں ملوث رہی اور مسلمانوں پر اس نے کئی بھاری جنگیں تک مسلط کر ڈالیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود رسالت مآب ﷺ ان کی فتنہ انگیزیوں سے محفوظ نہیں رہ سکے، لیکن آج جب ان سے پرانے حساب چکانے کا موقع ملا ہے اور آپ ﷺ فاتحانہ شہر میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے لشکر کو حکم ہو رہا ہے:

۱۔ جو شخص ہتھیار پھینک دے اسے قتل نہ کیا جائے

(۴۹) زر قانی، ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی / شرح مواہب اللدنیہ / دار المعرفہ، بیروت، ۹۳، ج ۲، ص ۲۶۹

(۵۰) تفصیل کے لئے دیکھیے امام مسلم / الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب تأمیر الامام الامراء علی الجہاد

☆ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹) / السنن / دار احیاء التراث العربی، بیروت / ج ۳، ص ۲۲۸، رقم

۱۶۶۳ ابوداؤد / السنن، کتاب الجہاد باب فی دعا، المشرکین۔

آج کے زندہ مثال ۱۸۵ عدم برداشت کا رُجان

- ۲۔ جو خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے اسے قتل نہ کیا جائے
- ۳۔ جو شخص اپنے گھر میں بیٹھا رہے اسے قتل نہ کیا جائے
- ۴۔ جو ابوسفیانؑ کے گھر میں داخل ہو جائے اسے قتل نہ کیا جائے
- ۵۔ جو حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے اسے قتل نہ کیا جائے
- ۶۔ بھاگ جانے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے
- ۷۔ زخمی کو قتل نہ کیا جائے
- ۸۔ امیر کو قتل نہ کیا جائے۔ (۵۱)

کیا اس سے بڑھ کر برداشت و رواداری، اور تحمل کا مظاہرہ ممکن ہے؟
غیر مسلموں ہی کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

جو مسلمان کسی معاہدہ (غیر مسلم) پر ظلم کرے گا، یا اسے نقصان پہنچائے گا یا اس پر طقت سے زیادہ بوجھ ڈالے گا یا اس کی رضا مندی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے لے گا تو اس غیر مسلم کے لئے (اس غاصب و ظالم مسلمان کے خلاف) میں اللہ سے انصاف مانگوں گا۔ (۵۲)

یہ تھا مخالفین سے حسن سلوک کے بارے میں آپ ﷺ کی تعلیمات کا خلاصہ، اگلے عنوان کے تحت ہم دیکھتے ہیں کہ عملی میدان میں کس مذہب اور قوم کا کیا کردار ہے؟ اور عملی اقدامات کی روشنی میں کون کس مقام پر کھڑا ہے؟

مخالفین سے سلوک، عملی اقدامات کا تقابلی مطالعہ

زبانی پروگراموں اور تعلیمات کے بعد آئیے دیکھیں کہ عملی اقدامات کی روشنی میں کس قوم یا مذہب کا کیا مقام ہے؟ اس لئے کہ کسی جماعت، گروہ یا قوم کو پرکھنے کی اصل سوٹی تو عمل ہی ہے،

(۵۱) اس روایت کا کچھ حصہ ابن ہشام نے السیرۃ النبویہ (دار المعرفہ، بیروت، ۱۹۷۸ء، ج ۴، ص ۸۹، ۹۰) میں اور مکمل بیان قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے رحمۃ اللعالمین (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۷۳ء، ج ۱، ص ۱۱۸) میں دیا ہے۔ (۵۲) بخاری، الصحیح، کتاب الجہاد۔

آج کے زندہ مسائل _____ عُم بُرداشت کا رجحان
ورنہ خوشنما پر وگرام اور دیدہ زیب منشور تو ہر ایک پیش کر سکتا ہے، اس سلسلے میں محدود گنجائش کے
پیش نظر چند مذاہب اور اقوام کا قدرے اختصار سے تذکرہ کیا جاتا ہے، اور آخر میں آل حضرت
ﷺ کے اقدامات پر اجمالاً روشنی ڈالی جائے گی۔

ہندومت اور برداشت و تحمل

برداشت اور رواداری کی بات کرنے میں کوئی کسی سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا، ہر ایک کی یہ
خواہش ہے کہ زبانی دعوے اور خوشنما بیانات کے ذریعے اپنے آپ کو دنیا کا سب سے بڑا
جمہوریت پسند، سب سے زیادہ روادار اور سب سے بڑھ کر مخالفین سے حسن سلوک کرنے والا
ثابت کر دے۔ لیکن بیانات جاری ہوتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں، دعوے سامنے آتے ہیں اور فنا
ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو چیز باقی رہتی ہے اور تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ کے لئے ثبت ہو جاتی ہے،
وہ فقط کردار و عمل ہے۔ کردار ایسی چیز ہے جو اگر برا ہو تو اچھا کہنے سے اچھا نہیں ہو سکتا اور اگر اچھا
ہے تو اسے لاکھ بار قرار دیا جائے وہ برا نہیں ٹھہر سکتا، حقائق پر کچھ عرصے کے لئے پروپیگنڈے کے
ذریعے پردہ ڈالا جاسکتا ہے لیکن انہیں تبدیل کر دینا یا ہمیشہ کے لئے انہیں چھپا دینا ممکن نہیں ہے،
سچ بالآخر سامنے آتا ہے اور اپنے آپ کو منوا کر رہتا ہے۔ ہندوؤں کا برداشت و تحمل کے سلسلے میں جو
کردار ہے اور رواداری کے سلسلے میں ان کی جو ”خدمات“ ہیں وہ قطعاً قابل رشک نہیں قرار دی
جاسکتیں، اپنے بارے میں ان کا اپنا دعویٰ خواہ کچھ ہو، حقائق یہی کہتے ہیں کہ انہوں نے کسی بھی
معاملے میں دوسری اقوام کے ساتھ تحمل و رواداری کا معاملہ نہیں کیا، انہوں نے کبھی مخالفین کو
برداشت نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ انہیں دبانے کی کوشش کی۔

ان کے ان اقدامات کا پہلا اور سب سے بڑا نشانہ مسلمان بنے اگرچہ، سکھ، عیسائی، اور
خود نجلی ذات کے ہندو کوئی بھی ان کی فتنہ انگیزیوں سے محفوظ نہیں رہ سکا، کچھ حوالہ جات پیش کئے
جاتے ہیں خیال رہے کہ اختصار پیش نظر ہے۔

پہلے ہندوؤں کی مقدس کتب کی گواہی دیکھنے اوریدوں کو ملاحظہ کیجئے :

وہ اندراج جس نے درتر کو قتل کیا اور جس نے قصبے کے قصبے اور گاؤں کے

آج کے زندہ سائل ۱۸۷ عدم برداشت کا رجحان

گاؤں تہہ وبالا کر دیئے، وہ جو کالے داسوں (غلاموں) کو قتل کرتا ہو۔
مزید دیکھئے:

ہم نے داسوں کو دو ٹکڑوں میں کاٹ ڈالا، قضا و قدر نے ان کو اسی واسطے پیدا کیا تھا۔

یہ دعویٰ بھی خوب ہے کہ قضا و قدر نے انہیں اسی لئے پیدا کیا تھا۔ اس حوالے سے اعداد و شمار بھی ملاحظہ ہوں۔

اس نے پچاس ہزار سیاہ فام دشمنوں کو لڑائی میں تباہ و غارت کیا۔ (۵۳)
اب ذرا قیام پاکستان سے قبل کا کچھ احوال دیکھئے! اور فیصلہ کیجئے کہ قیام پاکستان کو ہندوؤں کی عدم برداشت کی پالیسی اور جارحیت پسندی کا منطقی نتیجہ قرار دیا جاتا ہے تو بجا نہیں کہا جاتا؟
قیام پاکستان اور اس کے بعد مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کا ذکر ذرا بعد میں، ابھی دیکھئے کہ قیام پاکستان سے قبل ہندوؤں کا مسلمانوں سے کیا رویہ تھا؟

قیام پاکستان سے قریباً ۳۰ سال قبل ہی ہندوؤں کی جانب سے مسلم کش فسادات شروع ہو گئے تھے (۵۴) پھر ۱۹۲۲ء میں ہندوؤں کی طرف سے بدنام زمانہ تحریک سنگٹھن شروع ہوئی، اس کے بعد تو ان فسادات کی گویا قطار لگ گئی، ۱۹۲۲ء میں محرم کے موقع پر پہلا بلوہ ہوا، پھر دہلی، الہ آباد، لکھنؤ، ناگ پور، جبل پور، گلبرگ، شاہ جہاں پور، اور کوہاٹ وغیرہ میں بڑے بڑے فسادات ہوئے، اور لارڈ ارون کے بقول ۱۸ ماہ سے بھی کم عرصے میں ان فسادات میں ۲۵۰۰ افراد قتل اور ۲۵۰۰ سے زائد زخمی ہوئے۔ اور ڈاکٹر امید کر کے بقول بمبئی میں فروری ۱۹۲۹ء سے اپریل ۱۹۳۸ء تک کے عرصے کے دوران مسلسل ۲۱۰ روز تک ہنگامے ہوتے رہے۔ ان میں ۵۶۰ افراد قتل ہوئے اور ۳۵۰۰ افراد زخمی ہوئے اور مارچ ۱۹۳۱ء میں کانپور میں فسادات میں ۵۰۰ سے زائد افراد ہلاک ہوئے۔ (۵۵)

(۵۳) محمد طفیل / نقوش، رسول نمبر، لاہور، ج ۴، ص ۳۱۲

(۵۴) ڈاکٹر اشتیاق حسن قریشی / بر عظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ / جامعہ کراچی، ۱۹۸۹ء، ص ۳۶۳

(۵۵) تفصیل کے لئے دیکھئے سید حسن ریاض / پاکستان ناگزیر تھا / جامعہ کراچی، ۱۹۹۲ء، ص ۱۵۰-۱۵۱

آج کے زندہ مسائل

اسی دوران اسلام دشمنی میں ایک اور مسئلہ کھڑا کیا گیا جو گاؤ کشی سے متعلق تھا، اس تحریک کی تائید امن عالم کے خود ساختہ علیبر دار مہاتما گاندھی نے بھی کی، اس تحریک کے دوران ہندوؤں کے حوصلے قدر بلند ہو گئے تھے کہ ۱۹۲۷ء میں سکھر میں ایک جلسہ عام سے خطاب کے دوران مہاشہ پر تاب سنگھ نے علی الاعلان ہندوؤں کو کہا تھا:

اگر تم ایک گائے کی خاطر کراچی سے لے کر مکہ تک تمام مسلمانوں کو ختم کر دو تو بھی تھوڑا ہے، ہندو دھرم میں جانوروں کا گوشت کھانا منع ہے لیکن مسلمانوں کا خون پینا جائز ہے، کسی ہندو کو اس کے پینے میں پس و پیش نہیں کرنا ہے۔ (۵۶)

اشتعال انگیزی اور عدم برداشت کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوگی؟

پھر جب قیام پاکستان کا اعلان ہوا تو ہندوؤں کو مسلمانوں کے قتل عام کا ایک اور موقع مل گیا، چاہنے تو یہ تھا کہ برداشت و تحمل سے کام لیتے ہوئے رضا کارانہ نقل آبادی ہوتی، لیکن اس عمل کو بھی جبری بنا دیا گیا اور اس دوران عام اعداد و شمار کے مطابق ۱۵ سے ۲۰ لاکھ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا، جبکہ سردار عبدالرب شتر کے بقول پانچ سے دس لاکھ جانیں گئیں، نوے ہزار عورتیں غیر مسلموں کے قبضے میں چلی گئیں اور اسی لاکھ مسلمان اپنے مال و جائیداد سے محروم ہو گئے۔ (۵۷)

ہندوؤں کی عدم برداشت کی ایک مثال اردو زبان ہے، جسے دنیا کی تیسری بڑی زبان تسلیم کیا جاتا ہے (۵۸) قیام پاکستان کے کچھ ہی عرصے بعد اس کے بارے میں ہندوؤں نے یہ موقف اختیار کر لیا کہ ”اردو کوئی زبان نہیں ہے“۔ (۵۹) اور اس کی جگہ ایسی ہندی رائج کرنے کی کوشش کی گئی جس کے متعلق خود ہندوستان کے وزیر اعظم جواہر لال نہرو کو یہ کہنا پڑا کہ ”یہ تو زے جبر اتوڑ الفاظ کا مجموعہ ہے اور اس طرح کی ہندی کبھی عامۃ الناس کی ہندی نہیں بن سکتی“۔ (۶۰)

اور آخر کار انہیں صاف لفظوں میں مذہب چھوڑ دینے کا مشورہ دے دیا گیا، اور انہیں

(۵۶) تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی / ص ۲۸-۲۸ (۵۷) ایضاً / ص ۲۳۶

(۵۸) ایضاً / بحوالہ یونیسکورپورٹ / ص ۳۳۹ (۵۹) بحوالہ بالا

(۶۰) روزنامہ صدق جدید، لکھنؤ / ۲۹ جنوری ۱۹۵۴ء

آج کے زندہ مسائل

ایک ہندو انتہا پسند تنظیم جن سنگھ کے لیڈر حکم چند نے کہا کہ مسلمانوں کو رام غلام اور حولا رام جیسے نام رکھنے چاہئیں، مسلمانوں کو اپنے تہوار بھی نہیں منانے چاہئیں، اور انہیں ہولی، دسہرہ اور بسنت منانی چاہئے۔ (۶۱)

اختصار کی خاطر دیگر موضوعات چھوڑ کر اب حال کا جائزہ لیتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ کشمیر میں عرصے سے آزادی اور حق خود ارادگی کی تحریک جاری ہے، اور اس میں ہزاروں کشمیری مسلمان جاں بحق ہو چکے ہیں، حال ہی میں حریت کانفرنس کے شعبہ انسانی حقوق کی جانب سے جاری ہونے والے اعداد و شمار کے مطابق فاروق عبداللہ کے ڈھائی سالہ دور حکومت میں ۵ ہزار ۷۷۷ کشمیری باشندوں کو شہید کیا جا چکا ہے۔ (۶۲)

جب کہ کشمیر لبریشن سیل کی ایک رپورٹ کے مطابق گزشتہ صدی کے آخری دس سالوں میں ۹۹۴۲۳ کشمیری مجاہدین زخمی ہوئے۔ ۹۲۲۳۸ نسبتے کشمیری بھارتی افواج کے ہاتھوں بے گناہ گرفتار ہوئے۔ ۱۶۹۶۷ خواتین کی بے حرمتی کی گئی۔ اسی طرح ایک اور رپورٹ کے مطابق ۱۱۸۲۹ مجاہدین شہید۔ ۹۶۷۸ زخمی۔ ۱۱۵۹۳ گرفتار ہوئے۔ اس کے علاوہ شہروں اور وادی کے دوسرے علاقوں میں رہنے والے پرامن شہریوں میں سے ۴۵۰۴۲ شہید۔ ۸۹۰۱۹ زخمی۔ ۸۰۰۳۱ گرفتار کئے گئے۔

اس کے ساتھ ساتھ اس دوران ۲۶۱۵۲ گھروں اور دکانوں کو نذر آتش کیا گیا اور آزاد کشمیر میں بھی بمباری اور فائرنگ کر کے ۵۳۹ نسبتے اور پرامن شہریوں کو شہید اور ۱۱۴۳۹ افراد کو زخمی کیا گیا۔ (۶۳)

اور ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت زار کے متعلق مسلم لیگ انڈیا کے رہنما جی، ایم بنات والا کا کہنا ہے کہ قیام پاکستان کے وقت انڈیا میں سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی ۳۰ فیصد تھی اور اب ۳ فیصد بھی نہیں رہی۔ (۶۴)

(۶۱) روزنامہ نوائے وقت، ۱۰ بور/ اکتوبر ۱۹۵۵ء، (۶۲) روزنامہ جنگ کراچی/ ۸ مارچ ۱۹۹۹ء،

(۶۳) روزنامہ نوائے وقت، ملتان/ ۱۲ دسمبر ۱۹۹۹ء، ص ۳

(۶۴) انٹرویو جی، ایم بنات والا، صدر مسلم لیگ انڈیا، نشریہ بی بی سی اردو سروس، ۱۰ مارچ ۹۹ء،

آج کے زندہ مسائل

ہندوستان کے ہندوؤں کا یہ رویہ محض مسلمانوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس کی لپیٹ میں دوسری غیر مسلم اقلیتیں بھی آرہی ہیں۔ بھارت کے کیتھولک چرچ نے کچھ عرصہ قبل ایک رپورٹ میں یہ انکشاف کیا تھا کہ بھارت میں اس سال عیسائیوں پر چند حملوں کے بعد ہندو گروپوں کی مذہب کے خلاف مہم زیادہ منظم ہو گئی ہے۔ دہلی کیتھولک آرچ ڈائیوسز کے ڈائریکٹر کمیونیکیشن فادر ڈومینک ایمانیل نے بتایا کہ ہندوؤں کے حملے اب زیادہ منظم طریقے سے ہو رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بھارت میں جہاں ۸۰ فیصد ہندو اور ۱۲ اعشاریہ ۲ فیصد عیسائی ہیں، عیسائی مخالف لٹریچر اب زیادہ پھیلا دیا گیا ہے۔ ایمانیل نے کہا کہ ریاست گجرات کے قبائلی ضلع ڈینگلو میں ہندو بنانے کی کئی تقریبات کے منصوبے بنائے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس سال وسط نومبر تک ہندوؤں کی طرف سے عیسائیوں پر حملوں کے ایک سو واقعات ہو چکے ہیں۔ (۶۵)

یہ تھی ہندوؤں کی عدم برداشت کی ایک جھلک۔

یہودیت اور عدم برداشت

آئیے دیکھیں کہ یہود کے عدم برداشت کے سلسلے میں ان کی مذہبی کتب کیا اعداد و شمار نقل کرتی ہیں، کیونکہ اس سے بڑا اعتراف ممکن نہیں ہے، چند حوالے ملاحظہ کیجئے:

تب سجون بمع اپنی ساری قوم کے یاہص پر ہمارے خلاف لڑنے کو نکلا۔ اور خداوند ہمارے خدا نے اس کو ہمارے ہاتھوں میں کر دیا۔ تب ہم نے اس کو اور اس کے بیٹوں کو اور اس کی ساری قوم کو قتل کیا۔ اور اس وقت ہم نے اس کے تمام شہروں کو لے لیا۔ اور ہر ایک شہر کے آدمیوں اور عورتوں اور بچوں کو ہلاک کیا، ہم نے کسی کو باقی نہ چھوڑا۔ (۶۶)

اور دیکھئے:

اور شہر کو بمع سب کچھ کہ جو اس کے اندر تھا آگ سے جلا یا۔ لیکن سونا اور چاندی اور پتیل اور لوہے کے برتن خداوند کے گھر کے خزانے میں جمع

(۶۵) روزنامہ جنگ، کراچی/۲۳ دسمبر ۲۰۰۰ء

(۶۶) عہد نامہ قدیم/کتاب الاستثناء، باب ۲۔ فقرہ ۳۲-۳۴

کئے۔ (۶۷)

اور جب بنی اسرائیل عی کے سب رہنے والوں کو میدان اور بیابان میں قتل کر چکے، جہاں انہوں نے ان کا تعاقب کیا تھا اور وہ سب تلوار کی دھار سے مارے گئے تو سارے بنی اسرائیل عی کی طرف پھرے اور اس کو تلوار کی دھار سے مارا اور سب مردوزن جو اس مارے گئے بارہ ہزار تھے، وہ سب عی کے رہنے والے تھے (۶۸)

اور حال کے عرصے میں اسرائیل کی صورت میں یہودیت نے عدم برداشت کی جو تاریخ رقم کی ہے، وہ بجائے خود عالم انسانیت کے لئے لمحہ فکریہ اور پوری دنیا کے لئے مقام عبرت ہے، جس کا آغاز ہی نہایت ظالمانہ تھا، چنانچہ تاریخ کے قاری سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ۱۰۹۹ء میں فتح یروشلم کے موقع پر انہوں نے ستر ہزار سے زائد مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ (۶۹)

عیسائیت اور عدم برداشت

عدم برداشت کے سلسلے میں عیسائیت کی تاریخ بھی ہندوؤں سے کم خفت آمیز نہیں ہے، ان کے بارے میں ایک انگریزی کا یہ تبصرہ خاصا بر محل ہے کہ:

عیسائیت اپنے دور ابتلا میں صلح و آشتی، عفو و درگزر کی تبلیغ کرتی رہی، لیکن اقتدار حاصل کرنے کے بعد عیسائیوں نے بجائے عفو و درگزر سے کام لینے کے اپنے مخالفین سے عبرت ناک انتقام لیا، کلیسا کا دستور تھا کہ ہر مخالفت کو بزور شمشیر کچلا جائے گا۔ غیر مذہب کے لوگوں کے لئے عیسائی بننے یا موت کے سوا کوئی راستہ نہ تھا، ایک راستہ شدید ایذا کا، دوسرا

(۶۷) عہد نامہ قدیم / کتاب یوشع / باب ۶۔ فقرہ ۲۴ (۶۸) ایضا / باب ۸۔ فقرہ ۲۴، ۲۵۔ عہد نامہ قدیم کی متعدد کتب خصوصاً کتاب یوشع اس قسم کے بیانات سے پر ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے۔ کتاب یوشع کے باب ۷۔ فقرہ ۱۹۔ ۲۳۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ باب ۱۰۔ فقرہ ۱۰۔ ۱۱۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۳۰۔ ۳۳۔ تا ۳۴۔ باب ۱۱، فقرہ ۲۱ تا ۲۸۔ وغیرہ (۶۹) Arnold toyn bee J. / Astudy of history V012.

آج کے زندہ مسائل ۱۹۲

عدم برداشت کا رجحان

ناقابل برداشت ہسپانی اذیت کا۔ (۷۰)

اس میں شبہ نہیں کہ عیسائیت کی تاریخ شروع ہی سے جبر و تشدد کی تاریخ ہے اور اس کے ہاں برداشت و تحمل کا رجحان کہیں مطلق نظر نہیں آتا، آج تو اس کا بڑا ہدف اسلام اور مسلمان ہیں لیکن اس نے اپنے آغاز میں یہودیت کو بھی برداشت نہیں کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کچھ عرصہ قبل ۶۱۰ء میں شہنشاہ فوقا (Phocas) نے یہودیوں کی سرکوبی کے مشن پر انطاکیہ میں اس دور کے معروف فوجی افسر بنوسوس (Bonosus) کو بھیجا، جس نے پوری یہودی آبادی کا خاتمہ کر دیا اور اس طرح کہ ہزاروں کو تلوار سے پٹنگڑوں کو دریا میں غرق کر کے، آگ میں جلا کر اور درندوں کے سامنے ڈال کر ہلاک کیا۔ (۷۱)

پھر اس کے ۲۰ برس بعد ۶۳۰ء میں رومی سلطنت کے شہنشاہ ہرقل (Heraclius) نے عیسائی پادریوں اور مذہبی رہنماؤں کے ایما پر یہودی مفتوحین کا اس طرح قتل عام کیا کہ رومی سلطنت میں صرف وہی یہودی باقی بچے جو ملک چھوڑ کر چلے گئے یا کہیں یہ چھپے رہنے میں کامیاب ہو گئے۔ (۷۲)

عیسائیت کی عدم برداشت کا جائزہ لینا ہے تو پھر ہسپانیہ کی تاریخ اور سقوط غرناطہ سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں، یہ عدم برداشت کی کتنی بڑی مثال ہے کہ عیسائیت سے یورپ کے قلب میں ایک مسلمان آبادی کا وجود برداشت نہ ہوا، حالانکہ مغرب نے علوم و فنون کے سلسلے میں مرحوم ہسپانیہ کی جس قدر خوشہ چینی کی، اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، اس طرح ہسپانیہ اپنے اندر عیسائیت کی عدم برداشت کی ہی نہیں احسان فراموشی کی بھی اندوہ ناک داستان رکھتا ہے۔

ہم اس حصے کو معروف مسلم اسکالر محمد مارماذیوک پکچھال کے اس مختصر تبصرے پر ختم کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ہسپانیہ، صقلیہ اور پالیہ میں مسلمانوں کا ایسا قتل عام

(۷۰) Artur Gilman / The Saracens, P-184, London, 1887.

(۷۱) سید ابوالحسن علی ندوی / انسان دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر / مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۶۷ء / ص ۵۷ (۷۲) نمونہ ۱۱۱

آج کے زندہ مسائل ۱۹۳ _____ عدم برداشت کا رجحان

ہوا کہ ان ممالک میں مسلمانوں کا نام لیوا بھی باقی نہیں رہا، کیا یہ سچ نہیں ہے کہ یونان کی ۱۸۲۱ء کی بغاوت میں مسلمانوں کو چن چن کر یوں قتل کیا گیا کہ ان کا نام و نشان مٹ گیا اور ان کی مسجدوں کی لفظاً و معنایاً اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ (۷۳)

انگریز اور برداشت و تحمل

دنیا کے ان تین بڑے مذہب کے بعد اپنے آپ کو دنیا کی سب سے مہذب قوم تصور کرنے والے انگریزوں کی قوت برداشت کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے یہاں صرف ان اقدامات کا سرسری جائزہ لیا جائے گا جو انہوں نے مقبوضہ ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف کئے، انگریزوں کی مسلم دشمنی اور عدم برداشت کے مناظر جب تاریخ کے صفحات میں مستند حوالوں سے سامنے آتے ہیں تو یہ باور کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ آج اپنے آپ کو مہذب ترین قرار دینے والی انگریز قوم کیا اس حد تک گرسکتی ہے کہ انسانیت کو اس کے ذکر سے بھی ندامت محسوس ہونے لگے، سچ ہے کہ انسانی حقوق کی پامالیوں کی یہ داستان ایک ”تہذیب یافتہ“ قوم نے اپنے خونخوئی سنگینوں سے لکھی ہے، چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

۲۷ جنوری ۱۸۵۷ء کو جب بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے ان پر مقدمہ چلانے کا فیصلہ کیا گیا تو اس کے کچھ ہی عرصے بعد چند خداریان وطن کی نشاندہی پر کیپٹن ہڈسن نے ہمایوں کے مقبرے سے شہزادوں، مرزا مغل، خضر سلطان، مرزا ابوبکر اور عبداللہ کو گرفتار کیا، اور انہیں شہر سے ایک میل دور لے جا کر برہنہ کر کے گولیوں سے شہید کر دیا گیا، پھر ان کے سر ایک طشت میں رکھ کر بادشاہ کو پیش کئے، پھر ان کی لاشیں کو توالی کے سامنے لٹکادی گئیں اور ان کے سر جیل کے خونخوئی دروازے پر لٹکادیئے گئے، ہڈسن نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اس کی درندگی اس حد تک بڑھ گئی کہ اس نے شہزادوں کا خون چلو پھر کر پیا اور کہا کہ ”اگر میں خون نہ پیتا تو میرا دماغ خراب ہو جاتا۔“ (۷۴)

(۷۳) محمد مامد یو پاکھال / اسلامی کلچر / اردو ترجمہ پروفیسر محمد ایوب منیر / مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور ص ۸۲

(۷۴) جانا باز مرزا / انگریز کے باغی مسلمان / ص ۱۳۴

آج کے زندہ مسائل

انگریزی وحشت اس پر بس نہیں کرتی انہوں نے ”باغیوں“ کو سزا دینے کا ایک بڑا ہی دلخراش طریقہ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ باغی کو توپ سے باندھ کر اڑا دیتے تھے، ایسے ہی ایک واقعے کا ذکر ایک انگریز یوں کرتا ہے:

ایک روز توپ کے بڑے دھماکے کی آواز سے ہم چونک پڑے جس کے ساتھ ہی ایک ناقابل بیان دھیمی مگر وحشت ناک چیخ بھی سنائی دی، دریافت کرنے پر ایک افسر نے ہمیں بتایا کہ یہ ایک نہایت ہی کرب انگیز نظارہ تھا، ایک توپ میں بارود زیادہ بھر گیا جس کے چلانے سے ملزم کا گوشت ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا اور تماشاخیوں پر خون کے چھینٹے اور گوشت کے ٹکڑے گرے اور اس کا سر ایک راہ رو پر اس زور سے گرا کہ اسے بھی چوٹ آئی۔ (۷۵)

اس سارے تشدد کا مقصد ایک اور انگریز کے الفاظ میں فقط یہ تھا کہ ان بد معاش مسلمانوں کو بتا دیا جائے کہ خدا کے حکم سے صرف انگریز ہی ہندوستان پر حکومت کر سکیں گے۔ (۷۶)

انگریز کی اس تشدد پسندی اور قتل عام نے مسلمانوں کے محلے کے محلے صاف کر دیئے، کوئی حویلی تاراج کئے بغیر نہیں چھوڑی گئی، درختوں پر بھی پھانسیاں آویزاں کر دی گئی تھیں، دہلی کے ان کشتگانِ فرنگ کا تخمینہ ۲۷ ہزار لگایا گیا ہے۔ (۷۷) غالب نے یہ سب کچھ دیکھ کر ہی کہا تھا:

چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
شہر دلی کا ذرہ ذرہ خاک تشہ خوں ہے ہر مسلمان کا (۷۸)

(۷۵) ایڈورڈ تھاٹسن، انقلاب ۱۸۵۷ء، اردو ترجمہ Other Side of the Medal / مترجم شیخ حسام الدین / گوتم پبلشرز لاہور، ۹۳ء / ص ۳۱ (۷۶) ایضاً / ص ۳۹۔ انگریز کے مظالم کی تفصیل کے لئے اس کے علاوہ دیکھئے: جانا باز مرزا / انگریز کے باغی مسلمان۔ سید فضل الرحمن / تحریک پاکستان کے فکری محرکات اور پروفیسر سید محمد سلیم / تاریخِ نظریہ پاکستان (۷۷) اردو دائرہ معارف اسلامیہ / دانش گاہ پنجاب لاہور طبع اول ۱۹۸۹ء / ج ۲۳ ص ۱۸۳

(۷۸) مرزا غالب / دیوان غالب کامل / مرتبہ کالی داس کپتارشا / انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۲ء / ص ۳۴۶

آج کے زندہ مسائل

عدم برداشت کا رجحان

امریکہ، اور برداشت و تحمل

انگریز کے مختصر تذکرے کے بعد مختصراً امریکہ کا ذکر، امریکہ کی جانب سے مسلمانوں کے بارے میں کئے جانے والے اقدامات علیحدہ سے توجہ کے متقاضی ہیں۔ خصوصاً حالیہ برسوں میں افغانستان پر حملہ (۷۹) اور عراق پر مسلسل بم باری اور پابندیاں جن کے نتیجے میں ہی ایک تا ۹ لاکھ سے زائد بچے صرف خوراک اور ادویات کی عدم فراہمی کی وجہ سے موت کا شکار ہو گئے ہیں۔ (۸۰) اس کے علاوہ امریکی اقدامات کے نتیجے میں ۳۰ فیصد عراقی بچے اسکول کی تعلیم ختم کرنے پر مجبور ہو گئے، اور ہر ماہ چھ ہزار بچے غذائی کمی اور بیماریوں کے سبب موت کے منہ میں جانے پر مجبور ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ دو کروڑ تیس لاکھ افراد مہاجر کیمپوں میں کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ (۸۱)

لیکن یہاں صرف جاپان پر اس کے ایٹمی حملوں کے اعداد و شمار پیش کئے جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ ۱۹۴۵ء میں امریکہ اور جاپان کی جنگ میں دو چھوٹے ایٹم بم جاپان پر پھینکے گئے تھے ان میں پہلا ’ہیروشیما‘ پر اور دوسرا صرف تین روز بعد ’ناگاساکی‘ پر اور ان کے نتیجے میں ایک لاکھ دس ہزار سے زائد افراد ہلاک اور اتنے ہی زخمی ہوئے۔ (۸۲) اور اس کے مابعد اثرات ان کے علاوہ ہیں۔

اسلامی غزوات اور عالمی جنگوں کا تقابل، اعداد و شمار کے آئینے میں

آئیے اب دیکھیں کہ اسلامی غزوات میں ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی تعداد بین الاقوامی سطح پر لڑی جانے والی لڑائیوں کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتی ہے اور پھر فیصلہ کریں کہ کیا اس کے بعد بھی اسلامی غزوات کو بریت کا نام دینا اور جہاد کے مقدس لفظ کی توہین کرتے ہوئے اسے منسوخ کر کے پیش کرنا کس قدر قرین انصاف ہے۔

(۷۹) جبکہ آج بھی دوبارہ حملوں کی دھمکیاں جاری ہیں، ملاحظہ کیجئے روزنامہ جنگ کراچی ۱۲-۱۳ مارچ ۱۹۹۹ء

(۸۰) روزنامہ ڈان کراچی، ۲۰، دسمبر ۱۹۹۸ء

(۸۱) روزنامہ جنگ، کراچی/۱۱۹ اپریل ۲۰۰۰ء

(۸۲) روزنامہ جنگ کراچی/۳۰ دسمبر ۱۹۹۸ء

آج کے زندہ مسائل

عدمِ برداشت کا رجحان

قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ علیہ کے بیان اور تحقیق کے بموجب ان تمام غزوات و سرایا میں جو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں پیش آئے مسلمانوں کے مجموعی طور پر ۱۲۵۹ افراد شہید اور ۱۱۲۷ افراد زخمی ہوئے۔ جبکہ مخالفین کے مقتولین کی تعداد ۵۹۷ اور اسیروں کی تعداد ۶۵۶۲ ہے، اس طرح ان جنگوں میں کل ۱۰۱۸ افراد قتل، ۱۲۷ زخمی اور ۶۵۶۵ قید ہوئے (مسلمانوں کا ایک اسیر بھی شامل ہے) حالانکہ ان غزوات میں وہ واقعات بھی شامل ہیں جو معروف معنی میں لڑائی تھی ہی نہیں، یا تو فریقین کی غلط فہمی کا نتیجہ تھا یا پھر مجرموں کی سرکوبی کے لئے نہیں روانہ کی گئی تھیں۔ (۸۳) جبکہ معروف مسلمان محقق ڈاکٹر حمید اللہ کا دعویٰ ہے کہ دشمن کے جتنے لوگ مدنی زندگی کے دس سالوں میں مرے ہیں ان کی تعداد اوسطاً فی مہینہ دو بھی نہیں، اور کل دو سو چالیس افراد بھی مخالفین کے نہیں مرے جبکہ مسلم مقتولوں کی تعداد اس سے بھی کم ہے۔ (۸۴) اب دو عالمگیر جنگوں کے نقصانات کے اعداد و شمار ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے ان دونوں میں کوئی مناسبت ہے۔

جنگِ عظیم اول میں جو ۱۵۶۵ دنوں تک جاری رہی، اس میں ہلاک ہونے والے تقریباً ۹ ملین (۹۰ لاکھ) اور شدید زخمی ہونے والوں کی تعداد ۲۲ ملین (دو کروڑ ۲۰ لاکھ) اور پانچ اور معذور ہونے والے ۲۵ ملین (دو کروڑ ۵۰ لاکھ) تھے، یہ اعداد و شمار میدانِ جنگ کے ہیں جبکہ شہروں میں مرنے والے اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ اس جنگ میں مجموعی طور پر ساڑھے چھ کروڑ افراد دھکیلے گئے، ایک کروڑ فوجی میدانِ جنگ میں ہلاک ہوئے، ڈیڑھ کروڑ شہری قتل ہوئے، دو کروڑ سے زائد افراد دائمی معذوری کا شکار بنے، لاکھوں بچے یتیم ہوئے، پچاس لاکھ عورتیں بیوہ ہوئیں، لاکھوں عورتیں بچے، فوجی اور شہری لاپتہ ہوئے۔ (۸۵)

جبکہ دوسری جنگِ عظیم کا احوال اس سے بھی زیادہ خوفناک ہے، اس میں ہلاک ہونے والے فوجی اور شہری افراد کی تعداد ۵۴ ملین تھی، اس جنگ میں کل ۵۰ ملین ڈالر لاگت آئی، جو تاریخ کی تمام جنگوں پر آنے والی لاگت سے زیادہ تھی۔ (۸۶) اس جنگ میں ۲۰ ملین (دو

(۸۳) قاضی سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ، ج ۲، ص ۲۱۳

(۸۴) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطباتِ بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، ۱۹۹۲ء، ص ۲۳۹

(۸۵) روزنامہ جنگ، کراچی، ۳۰ دسمبر ۱۹۹۸ء، (۸۶) ہفت روزہ اخبار جہاں کراچی، ۲۵ ستمبر ۱۹۹۵ء

آج کے زندہ مسائل

کروڑ) افراد معذور ہوئے، اور ۷۷ ملین لیٹر خون زمین پر بہا دیا گیا۔ (۸۷) یہ تھی ”حقوق انسانی کے علمبرداروں“ کے ہاتھوں انسانیت کی بے توقیری۔

اس حصے کے اختتام سے قبل اسی مناسبت سے واشنگٹن پوسٹ کی حالیہ تحقیقاتی رپورٹ بھی ملاحظہ کر لیجئے جس کے مطابق گزشتہ دو ہزار برسوں کے درمیان بڑی جنگوں میں ہلاک ہونے والوں کی مجموعی تعداد ۱۴ کروڑ ۹۰ لاکھ ہے، جن میں سے ۱۰ کروڑ افراد صرف ۲۰ ویں صدی میں ہلاک ہوئے۔ (۸۸)

اب اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والوں کے ذمے مسلمانوں کی جانب سے اس سوال کا جواب باقی ہے کہ ان اعداد و شمار میں مسلمانوں کا کتنا حصہ ہے۔ ہم اپنی اس گفتگو کو مشہور مغربی مؤرخ الفریڈ اسمتھ (Alfred Smith) کے اس بیان پر ختم کرتے ہیں جو تسلیم کرتا ہے کہ اسلام نے ہمیشہ نظریاتی فتح حاصل کی ہے، وہ کہتا ہے:

پیغمبر اسلام نے رواداری کے جو اصول وضع کئے تھے مسلمانوں نے ان پر سختی سے عمل کیا، ان اصولوں کے مطابق عیسائی اور یہودی بھی مسلم ریاست میں امن و سلامتی کی زندگی بسر کر سکتے تھے اور اپنے مذہب پر قائم رہ کر وہ تمام شہری حقوق حاصل کر سکتے تھے جو مسلمانوں کو حاصل تھے، مسلم فاتحین کی رواداری اور اسلامی نظریہ حیات کی کشش لاکھوں عیسائیوں اور یہودیوں کو دائرہ اسلام میں لے آئی، یہ مسلمانوں کی عسکری فتح نہیں نظریاتی فتح تھی۔ (۸۹)

آنحضرت ﷺ اور برداشت و تحمل

اسلامی جنگوں اور غزوات میں ہونے والا جانی نقصان تو سامنے آچکا اور اس کے مقابل عالمی جنگوں کے نقصانات بھی واضح ہو چکے ہیں، اب یہاں ان چند واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۸۷) روزنامہ جنگ کراچی/۳۰ دسمبر ۱۹۹۸ء۔ (۸۷) ایضاً/۱۴ مارچ ۱۹۹۹ء۔

(۸۹) ابو محمد امام الدین/غیر مسلم مشاہیر عالم اور محاسن اسلام/صدیقی ٹرسٹ کراچی/ص ۹

آج کے زندہ مسائل

عمر برداشت کا رجحان

جب آپ ﷺ نے مخالفین کے ساتھ بے پناہ دے مثال قوت برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ مخالفین کو معاف فرمادیا بلکہ ان کے لئے دعائے ہدایت تک فرمائی اور جانی دشمنوں سے بدلہ تک نہیں لیا۔

بددعا کے موقع پر بھی دعا

طائف کے سفر میں جب آنحضرت ﷺ سے بدسلوکی کی گئی یہاں تک کہ آپ ﷺ بے ہوش ہو کر گر پڑے اس وقت جبریل امین علیہ السلام ملک الجبال (پہاڑوں کے فرشتے) کے ساتھ آئے اور کہا کہ اللہ نے ہمیں اس لئے بھیجا ہے کہ آپ ﷺ رحم کریں تو دونوں طرف کے پہاڑوں کو ملا کر ان تمام افراد کو یکدل دیں، رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے، بلکہ مجھے امید ہے کہ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں کریں گے۔ (۹۰)

اسی طرح جب غزوہ احد میں آپ ﷺ زخمی ہوئے، آپ ﷺ کا دندان مبارک شہید ہوا اور آپ ﷺ کا چہرہ مبارک بھی زخمی ہو گیا، ایسے موقع پر بھی رحمت للعالین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم برداشت و تحمل کی اپنی ہی قائم کردہ بے مثال روایات کی پاسداری فرماتے ہیں اور جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ عرض کرتے ہیں کہ ان کے لئے بددعا فرمائیے تو رحمتِ عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں مبعوث کیا گیا، میں تو ہادی اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں اور پھر ان کفار کے لئے یہ دعا فرماتے ہیں:

اللهم اهد قومی فانهم لا یعلمون (۹۱)

اے اللہ میری قوم کو ہدایت عطا فرما یہ مجھے جانتے نہیں ہیں۔

قحط کے موقع پر مدد

وہی قریش مکہ جنہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کو شعب ابی طالب میں محصور کر کے انہیں دانے پانی تک کا محتاج کر دیا تھا اور جب بھوک سے بچے بلبلاتے تو یہ

(۹۰) بخاری/ الحج / ج ۲ ص ۱۳۶ (۹۱) قاضی عیاض/ الشفا، ج ۱ ص ۶۱

آج کے زندہ مسائل

خوشی و مسرت کا اظہار کرتے تھے وہی قریش مکہ قحط کا شکار ہوئے اور یرمہ کے رئیس ثمامہ بن آخال رضی اللہ عنہ نے جہاں سے مکہ کو غلہ سپلائی ہوتا تھا اسلام لانے کے بعد جب مکہ کو غلے کی فراہمی بند کر دی تو وہ آپ ﷺ کے دربار سے امداد کے طالب ہوئے، ہر چند اہل مکہ کا ظالمانہ کردار آپ ﷺ کے سامنے تھا مگر رحمت عالم ﷺ نے انسانیت کو تڑپتے دیکھنا برداشت نہ کیا، اور ثمامہ رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا کہ پابندیاں اٹھا لو، اور یوں غلے کی فراہمی پھر سے شروع ہو گئی۔ (۹۲)

فتح مکہ، قوت برداشت کا بے مثال مظاہرہ

تاریخ کا سب سے عجیب، سب سے حیرت انگیز اور سب سے انوکھا منظر فتح مکہ کے موقع پر نظر آتا ہے، جب سالوں سے دشمنی کرنے والے، سینکڑوں مسلمانوں کے قاتل، طرح طرح سے اذیت رسانی میں پیش پیش رہنے والے اور آپ ﷺ کی ذات تک کو براہ راست نشانہ بنانے والے مجرموں کی حیثیت میں سامنے آتے ہیں، جب رحمت تمام ﷺ ان پر ہر طرح سے غلبہ پالیتے ہیں اور پرانے بدلے چکانے اور سالہا سال کا حساب صاف کرنے کا موقع آتا ہے تو آپ ﷺ ان کی طرف دیکھتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تمہیں کچھ علم ہے کہ میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟ وہ لوگ آپ ﷺ کے مزاج سے کسی قدر آگاہ تھے، وہ اس سے قبل بار بار رحمت عالم ﷺ کی رحمت عامہ اور غفور و رحیم کا مشاہدہ کر چکے تھے، فوراً بول اٹھے آپ ﷺ شریف بھائی ہیں، اور شریف بھائی کی اولاد میں، آپ ﷺ نے فرمایا:

لا تشرب علیکم الیوم اذہبوا فانتم الطلقاء (۹۳)

آج تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ پوری انسانی تاریخ اس سے بڑھ کر برداشت و تحمل اور غفور و درگزر کی کوئی ایک مثال بھی پیش کرنے سے قاصر ہے۔

آج کے زندہ مسائل

۲۔ آنحضرت ﷺ کا برداشت و تحمل، غیر مسلم مفکرین کی نظر میں

آپ ﷺ کے ان بے مثال اقدامات نے جو پوری انسانیت کے لئے پیغام امن اور ساری نسل انسانی کے لئے راہ نجات ثابت ہوئے، ہر انصاف پسند ذہن کو متاثر کیا اور ہر منصف مزاج شخص اس پر آپ ﷺ کو خراج عقیدت پیش کرنا نظر آتا ہے، حتیٰ کہ وہ مستشرقین بھی اس صف میں دست بستہ کھڑے نظر آتے ہیں جن کی تحقیقات ان کی حق پسندی کا زیادہ ثبوت فراہم نہیں کر سکیں، یہ ایک عجیب تاریخی حقیقت ہے، اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ نبی رحمت، ہادی اعظم اور محسن عالم ﷺ کی رحمت و رافت، عفو و درگزر، مثالی رواداری اور بے مثال قوت برداشت خود بخود انہیں اعتراف حقیقت کرنے پر مجبور کر رہی ہے، صرف چند ایک بیانات پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

سکھ سیرت نگار جی سنگھ دارا فتح مکہ کے موقع پر مشرکین مکہ کے ساتھ رحم و کرم اور عفو عام پر مبنی سلوک کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے:

سبحان اللہ! کیا ٹھکانہ دریا نے رحمت کی اس طغیانی کا، یہ دریا اٹا اور ہر غلاظت و عفونت گناہ کی بہا لے گیا، رسول اللہ (ﷺ) نے اپنے قتل کے قصد کرنے والوں کو، اپنی نور چشم کے قاتلوں کو، اپنے چچا کا کلیجہ کھانے والوں کو سب ہی کو معافی دے دی، اور قطعی معافی، قتل عام دنیا کی تاریخوں میں اکثر سنتے تھے مگر قاتلوں کی معافی نہ سنی تھی۔ (۹۴)

ایک یورپی دانشور آر تھر کلیمن (Arthur Gliman) فتح مکہ ہی کے حوالے سے کہتا ہے:

فتح مکہ کے موقع پر یہ بات آپ (ﷺ) کے حق میں جائے گی کہ اس وقت جبکہ اہل مکہ کے ماضی کے انتہائی ظالمانہ سلوک پر آپ (ﷺ) کو جتنا بھی طیش آتا تھا اور آپ (ﷺ) کے انتقام کی آگ بھڑکانے کے لئے کافی تھا، مگر آپ (ﷺ) نے اپنے لشکر و سپاہ کو ہر قسم کے خون خرابے سے روکا اور اپنے اللہ کی بندگی اور اطاعت کا مظاہرہ کیا، دوسرے

آج کے زندہ سائل

فاتحین کے وحشیانہ طرز عمل کے مقابلے میں اسے انتہائی درجے کی شرافت اور انسانیت سے تعبیر کیا جائے گا۔ (۹۵)

بی، ایس رندھاوا ہوشیار پوری آپ (رحمہ اللہ) کی رحم دلی، شفقت اور قوت برداشت کی داد دیتے ہوئے کہتا ہے:

حضرت محمد (ﷺ) کو جتنا ستایا گیا اتنا کسی ہادی اور پیغمبر کو نہیں ستایا گیا، ایسی حالت میں کیوں نہ محمد صاحب (ﷺ) کی رحم دلی اور شفقت اور مروت علی المخلوقات کی داد دوں، جنہوں نے خود تو ظلم و ستم کے پہاڑ اپنے سر پر اٹھائے مگر اپنے ستانے والے اور دکھ دینے والوں کو اف تک نہ کہا بلکہ ان کے حق میں دعائیں مانگیں اور طاقت و اقتدار حاصل ہو جانے پر بھی ان سے کوئی انتقام نہیں لیا۔ (۹۶)

سوامی لکشمن رائے کی رائے دیکھئے:

مفسر راز حیات سرور عالم (ﷺ) کے سوا تاریخ عالم کے تمام صفحات زندگی اس قدر صحیح تفسیر کرنے والی دوسری شخصیت عظمیٰ کے بیان سے خالی ہیں، وہ کونسی اذیتیں تھیں جو کفرستان عرب کے کافروں نے اپنے عقائد باطلہ کی حفاظت کے لئے اس بت شکن پیغمبر کو نہیں دیں، وہ کون سے انسانیت سوز مظالم تھے جو عرب کے درندوں نے اس رحم و ہمدردی کے مجسمے پر نہیں توڑے، وہ کون سے زہرہ گداز ستم تھے جو جہالت کے گہوارے میں پلنے والی قوم نے اپنے سچے ہادی پر روا نہیں رکھے، مگر انسانیت کے اس محسن اعظم (ﷺ) کی زبان فیض ترجمان سے بجائے بددعا کے دعائی نگلی (۹۷)

لالہ مہر چند لدھیانوی کہتے ہیں:

Artur Gilman/The Saracens, P-184- 185, London , 1887. (۹۵)

(۹۶) ماہنامہ مولوی دہلی/ربیع الاول ۱۳۵۱ھ (۹۷) اخبار صحیفہ حیدر آباد دکن/نومبر ۱۹۳۲ء

آج کے زندہ مسائل

عدم برداشت کا رجحان

بانی اسلام نے دشمنوں کی زبان سے اور ان کے ہاتھوں سے وہ ظلم برداشت کئے جن پر کمزور سے کمزور آدمی بھی بگڑ کھڑا ہوتا ہے، مگر بانی اسلام نے استعدادِ مقابلہ اور طاقت کے باوجود کبھی جواب میں زبان ہلانا یا ہاتھ اٹھانا پسند نہیں کیا۔ (۹۸)

اور ماسٹر تارا سنگھ ان لوگوں کی کم عقلی پر ہنستے ہیں جو حضور ﷺ کے پیغام کو پھیلانے میں تلوار کا کمال سمجھتے ہیں:

جب کوئی مجھے یہ کہتا ہے کہ محمد (ﷺ) نے تلوار کے زور سے اپنا مذہب پھیلایا تھا تو مجھے اس شخص کی کمی نہیں پر ہنسی آتی ہے۔ (۹۹)

ایک ہندو سیرت نگار رانا بھگوان داس آپ ﷺ کی رحم دلی اور قوتِ برداشت پر یوں تبصرہ کرتا ہے:

فتح مکہ نے خون آشامی و دردناکی کو ختم کر کے اخلاص، محبت جاوداں اور امن و عافیتِ ذیشان کا مقدس درس دیا، کاش جنگ میں آگ و خون کا دریا پیدا کرنے والے فاتحینِ عالم جادہ محمد (ﷺ) پر گامزن ہوتے۔ (۱۰۰)

رومانیہ کے دانشور کونسٹن ویرٹل فتح مکہ ہی کے بارے میں کہتے ہیں:

مروجہ قوانین کے مطابق پیغمبر اسلام (ﷺ) کو یہ حق حاصل تھا کہ شہر کے سارے مردوں کو تہہ تیغ کر ڈالیں یا انہیں اپنا غلام بنالیں، لیکن آپ (ﷺ) نے اہل مکہ کے لئے عام معافی کا اعلان کر دیا اور حقیقت تو یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کی بخشش نے اہل مکہ کو نئی زندگی عطا کی۔ (۱۰۱)

اور آخر میں سویڈن کے مشہور مستشرق ٹورا نڈرے (Towrandrae) کی رائے دیکھئے وہ بھی پیغمبر اسلام ﷺ کی قوتِ برداشت پر طربِ اللسان ہیں:

(۹۸) ماہنامہ مدینہ، انڈیا / جولائی ۱۹۳۳ء (۹۹) اخبار ارمان، دہلی / ۱۷ جولائی ۱۹۳۲ء

(۱۰۰) ڈاکٹر حافظ محمد ثانی / روزنامہ جنگ کراچی / ۳۰ دسمبر ۱۹۹۸

(۱۰۱) سیارہ ڈائجسٹ، لاہور / عکس سیرت نمبر / جون ۱۹۹۶ء

آج کے زندہ مثال ۲۰۳ عدم برداشت کا رجحان

غیر ضروری امور پر ذاتی توہین کو برداشت کرنے کا آپ (ﷺ) کا حوصلہ اور ہمت، یہ صفات بتاتی ہیں کہ آپ (ﷺ) بے مثال اور منفرد اہلیت کے مالک تھے، واقعہ یہ ہے کہ آپ (ﷺ) کی سی ذہنی برتری رکھنے والا انسان زمام کار ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے، خواہ اسے کبھی لمحہ بھر کے لئے مجبوراً جھکنا ہی کیوں نہ پڑے۔ (۱۰۲)

خلاصہ کلام

آپ نے اسلام کی قوت برداشت، دشمنوں سے حسن سلوک اور رواداری کا احوال پڑھا، رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مخالفین سے برتاؤ اور عفو و درگزر کا مشاہدہ کیا، آپ نے قرآنی تعلیمات دیکھیں اور پھر ان کے پہلو بہ پہلو اقوام عالم کے کردار و عمل کی چند جھلکیاں بھی آپ کے سامنے پیش کی گئیں۔ کیا یہ سب جاننے کے بعد یہ کہنا قرین انصاف نہ ہو گا کہ درحقیقت رحمت عالم، ہادی اعظم ﷺ کا کسی سے کسی بھی پہلو سے، کسی بھی حیثیت میں کوئی مقابلہ نہیں، مقابلہ تو کبھی کوئی آپ (ﷺ) کے پاسنگ بھی نہیں۔ رہے وہ جو ”انسانی حقوق“ کے علمبردار ہیں ان کے کاغذی پیراھن بظاہر خواہ کتنے ہی دیدہ زیب کیوں نہ ہوں ان کے کردار کی تہ ترپوشی کے لئے کافی نہیں اور بارش کا ایک قطرہ بھی ان کا بھرم کھول دینے کے لئے کافی ہے۔

ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ آج عدم برداشت کے جو رجحانات قومی یا بین الاقوامی سطح پر فروغ پا رہے ہیں اس کی واحد وجہ قرآنی تعلیمات سے انحراف اور تعلیمات نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے روگردانی ہے، اگر ہم آج بھی اپنی کوتاہیوں سے تائب ہو کر قرآن حکیم اور اسوۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کر لیں تو نہ صرف ان تمام فتنوں، مصائب و آلام اور مشکلات و فسادات سے امان پاسکتے ہیں بلکہ پوری دنیا کی امامت کا تاج بھی پھر سے مسلمانوں کے سر پر جاسکتا ہے۔

اس موقع پر اس حقیقت کی یاد دہانی بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اس حوالے سے ہمارے

(۱۰۲) رشید احمد جالندھری / مقالات سیرت / ۱۹۸۹ء، وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان اسلام آباد، ص ۷۰

آج کے زندہ مسائل

عبد اُردا شت کا رجحان

اندر بھی جو کمزوریاں، خامیاں اور کوتاہیاں راہ پا چکی ہیں ان کے ازالے کے لئے کوشش کرنا بھی بطور مسلمان ہمارا اولین فریضہ ہے۔ کسی بھی قوم کی کسی بھی نوعیت کی کمزوری یا خامی ہماری کوتاہیوں کے لئے دلیل نہیں بن سکتی۔ جو چیز غلط ہے بطور مسلمان ہمارا یہ فرض ہے کہ اسے دوسروں سے پہلے دور کرنے کی کوشش کریں۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ جو اچھائیاں ہیں انہیں حاصل کرنا بھی اوروں سے پیشتر ہم پر لازم ہے۔

اختتام سے قبل ایک وضاحت کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زیر نظر مقالے میں غیر مسلم مفکرین، اہل علم اور دانشوروں کے حوالہ جات کثرت سے آئے ہیں، اس سے مقصود ان لوگوں کو دعوتِ فکر دینا ہے جو ہر چیز کو مغرب کی نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں اور جن کی نظر میں ان کا ہر فرمان مستند ہے، اسی بناء پر تقابلی مطالعے پر بھی خاص توجہ دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائیں، اخلاص عطا فرمائیں اور مفید بنائیں اور ہم سب کو عمل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین

و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ ،

و ازواجہ و اہل بیتہ اجمعین

بے لاگ احتساب سیرتِ طیبہ کی روشنی میں

قومی سیرت النبی ﷺ کانفرنس ۲۰۰۰ء

وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، اسلام آباد

اس ابدی حقیقت کا نہ انکار ممکن ہے نہ اس سے انحراف کی کوئی صورت ہے کہ فطرت کے اصول اور قوانین اٹل ہیں اور تابدار رہنے کے لئے ہیں، ان میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی ممکن نہیں، یہ ضابطے ہر چیز پر محیط ہیں اور کائنات کا کوئی ذرہ بھی ان اصول و ضوابط کی حدود سے باہر نہیں، ان میں توازن ہے، اعتدال ہے ایک نظم و ضبط ہے، کائنات کے عناصر کا یہ اعتدال ہی ہے جو اسے برقرار رکھے ہوئے ہے ورنہ اس ضمن میں معمولی سی بے اعتدالی اور طے شدہ طریقہ کار سے تھوڑا سا انحراف بھی نظام کائنات کو درہم برہم کرنے کے لئے کافی ہے۔

آج کے زندہ مسائل ۲۰۷ بے لاگ احتساب

تمہید

یہ مقالہ ذیل کے امور پر مشتمل ہے۔

- ۱۔ احتساب، مفصل تشریح۔
- ۲۔ موجودہ دور میں احتساب کی ضرورت۔
- ۳۔ بے لاگ احتساب کے اجزائے ترکیبی۔
- ۴۔ اقسام احتساب۔
- ۵۔ اجتماعی احتساب کے مختلف پہلو۔
- ۶۔ بے لاگ احتساب کی درخشاں مثالیں۔

فطرت کے قائم فرمودہ نظام کے تحت کرۂ ارض پر فساد کا پھیلنا اور زمین پر بسنے والی مخلوق کا جبر و تشدد اور ظلم و ستم کا شکار ہونا یہ سب انسان کی پیدا کردہ برائیوں، سیاہ کاریوں اور کوتاہیوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس قاعدے کی رو سے جب کبھی انسان اپنے فرائض سے روگردانی کرتا ہے، اپنے خالق و مالک کی جانب سے اپنے اوپر عائد کردہ ذمہ داریوں سے اعراض کرتا ہے اور اپنے اوپر واجب دوسروں کے حقوق سے احتراز کرتا ہے تو پھر تباہی کے ایک لامتناہی سلسلے کا آغاز ہو جاتا ہے، اور آہستہ آہستہ خرابیاں اس مقام تک پہنچ جاتی ہیں جہاں سے واپسی کا راستہ تک باقی نہیں رہتا اور انسان کو ہوش اس وقت آتا ہے جب اس کے لئے کرنے کو کچھ باقی نہیں بچتا، عمل کا وقت گزر چکا ہوتا ہے، اب فقط نتائج کا ظہور باقی رہتا ہے۔

اس کے برعکس اگر انسان اپنی زندگی گزارنے کے عمل کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی روشنی میں جاری رکھے، فرائض و حقوق کی پابندی اور نواہی و منکرات سے اجتناب کرے، اور وقتاً فوقتاً اپنا محاسبہ کرتا رہے تو دنیا کے نظام کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا اور زمین بھی فساد و تضاد کے عمل سے محفوظ رہتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

آج کے زندہ مسائل

بے لاگ اقتساب

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ
لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَنَهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥٠﴾

بحر و بر میں فساد ظاہر ہو گیا لوگوں کی اپنی ہاتھ کی کمائی (اعمال بد) کے
باعث، تاکہ اللہ ان کو ان کے بعض اعمال کا مزا چکھادے، ممکن ہے لوگ

(راہ راست پر) واپس لوٹ آئیں۔ (۱)

یہ فساد صرف اس لئے پھیلا، یہ طوفان فقط اس لئے بپا ہوا کہ اللہ اس کے ذریعے مخلوق کو
ان کی بد اعمالیوں کا مزا چکھانا چاہتا ہے، تاکہ جن کی قسمت میں ہدایت ہو وہ غلط راستے سے لوٹ کر
راہ راست اور صراط مستقیم پر واپس آجائیں۔ (۲)

اس ابدی حقیقت کا نہ انکار ممکن ہے نہ اس سے انحراف کی کوئی صورت ہے کہ فطرت کے
اصول اور قوانین اٹل ہیں اور تاباں رہنے کے لئے ہیں، ان میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی ممکن نہیں،
یہ ضابطے ہر چیز پر محیط ہیں اور کائنات کا کوئی ذرہ بھی ان اصول و ضوابط کی حدود سے باہر نہیں، ان
میں توازن ہے، اعتدال ہے ایک نظم و ضبط ہے۔ کائنات کے عناصر کا یہ اعتدال ہی ہے جو اسے
برقرار رکھے ہوئے ہے ورنہ اس ضمن میں معمولی سی بے اعتدالی اور طے شدہ طریقہ کار سے تھوڑا
سا انحراف بھی نظام کائنات کو درہم برہم کرنے کے لئے کافی ہے۔ ستاروں کی روشنی، چاند و سورج
کا حساب، ایام کی تبدیلی، موسموں کا تفاوت، مزاجوں کا اختلاف، علاقوں کا فرق سب ایک
دوسرے سے الگ ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ کیونکہ قدرت کے طے فرمودہ
طریقہ کار کے تحت ہیں، فرمان خداوندی ہے!

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ﴿٥١﴾ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ

اور اسی نے آسمان کو بلند کیا اور اسی نے میزان (عدل) قائم کی۔ تاکہ تم

(۱) روم: ۴۱ (۲) ملاحظہ کیجئے آلوسی، ابوالفضل شہاب الدین السید محمود (م ۱۲۷۰ھ) / روح
المعانی / دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۸۵ء، ج ۲۱ / ص ۳۸، ابن کثیر، الحافظ عماد الدین ابو
الفداء اسماعیل، (م ۷۷۷ھ) / تفسیر القرآن العظیم، / عینی البانی الحنفی، مصر / ج ۳ / ص ۳۳۵، ☆ سید امیر
علی بیچ آبادی (م ۱۹۱۹ء)، / مواہب الرحمن / مکتبہ رشیدیہ، لاہور، ج ۲۱ / ص ۵۲-۵۳

آج کے زندہ مسائل

۲۰۹

بے لاگ احتساب

تولنے میں بے اعتمادی نہ کرو۔ (۳)

ہر معاشرہ اگرچہ مختلف عناصر سے مرکب ہوا کرتا ہے لیکن ان عناصر میں افراد کی اہمیت و حیثیت امتیازی ہوتی ہے، یہ وہ اکائی ہے جو معاشرے کی سمت متعین کرتی ہے، اسی پر معاشرے کے اصلاحی اور مثالی ہونے کا انحصار ہوتا ہے، اس کے برخلاف اگر یہ اکائی ہی فساد و تضاد کی شکار ہو جائے تو پھر پورا انسانی معاشرہ ٹوٹ پھوٹ اور شکست و ریخت کے عمل سے دو چار ہو جاتا ہے۔ (۴) اس لئے معاشرے کی اصلاح کی درست صورت یہی ہے کہ اصلاح کا عمل فرد سے شروع کیا جائے۔ سابقہ تمام پیغمبروں اور انبیائے کرام علیہم السلام کا یہی طریقہ کار رہا، اور آنحضرت ﷺ نے بھی اپنی پہلی توجہ کا مرکز فرد ہی کو بنایا۔ اور چونکہ اصلاح معاشرے کے لئے احتساب لازمی عنصر ہے، اس لئے احتساب کا آغاز بھی فرد ہی سے ہوگا، اور یہی آغاز معاشرے کی تعمیر و ترقی کا سنگ بنیاد بھی ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ۔

حکومت اور اس کے ذیل میں آنے والے تمام ادارے اور ان کو تفویض ہونے والی تمام ذمہ داریاں اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کی امانت ہیں، اس امانت میں من مانے تصرف کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں، صرف اللہ تعالیٰ کی متعین فرمودہ حدود کے اندر رہ کر قومی مفاد اور مصالح میں خرچ کرنے کی اجازت ہے، جن لوگوں کو یہ امانتیں سپرد ہوتی ہیں وہ خدا کے حضور اس کے جوابدہ ہیں، بدعنوانی اور لوٹ مار کا آغاز وہیں سے ہوتا ہے جہاں جواب دہی اور امانت داری کے تصور کا اختتام ہوتا ہے، اسلام نے اسی بنا پر پہلے نمبر پر خود احتسابی کو لازمی قرار دیا ہے، تاکہ خوف آخرت اور خدا کے حضور جواب دہی کا تصور قوی رہے، اور دوسرے مرحلے میں حکمرانوں پر اور ہر اس شخص پر محاسبے کا فریضہ عائد کیا ہے جو کسی بھی درجے میں ذمہ دار اور مسئول ہیں۔

ذیل کی سطور میں احتساب کی تشریح کے بعد احتساب کے اجزائے ترکیبی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ احتساب کے اسلامی طریقہ کار پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔

(۳) رحمٰن: ۷، ۸

(۴) سید عزیز الرحمن / تعمیر شخصیت و فلاح انسانیت / زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۹۶ء / ص ۱۴، ۱۵

آج کے زندہ مسائل

بے لاگ اقتاب

اقتاب مفصل تشریح

لغوی معنی

ح، س، ب مادے کے الفاظ بہت سے معانی میں استعمال ہوتے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ باب نصر سے حسبه، حساباً و حسباً، حسباناً اور حسبه و حسابة کے معنی شمار کرنے اور گننے کے ہیں (۵)

۲۔ باب سمع اور حسب سے حسباناً و محسبة و محسبة کے معنی گمان کرنے اور خیال کرنے کے ہیں۔ (۶)

۳۔ باب کرم سے حسباً و حسابة کے معنی ہیں شریف الاصل ہونا۔ (۷)

۴۔ اسی طرح حسبه کے معنی تکلیف دینے کے ہیں اور اگر حسب المیت کہا جائے تو میت کو کفن دینے اور دفنانے کے معنی ہوں گے۔ (۸)

۵۔ اور احسبه کے معنی ہیں کسی کو خوب دینا، مثلاً کہا جاتا ہے اعطی فاحسب، اس نے دیا اور خوب دیا۔ (۹)

۶۔ حاسبه محاسبه و حساباً حساب کی جانچ پڑتال کرنا۔ (۱۰)

۷۔ تحاسباً، آپس کے حساب کی جانچ پڑتال کرنا، آپس کا حساب درست کرتا۔ (۱۱)

۸۔ احتساب عربی میں طلبِ اجر کے معنی میں آتا ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

(۵) (لویس معلوف / المنجد عربی، / مطبعہ کاٹولیک، بیروت ۱۹۴۷ء / ص ۱۲۷، (۶) ایضاً (۷) ایضاً (۸) ابن المنظور / لسان العرب / نشر ادب الجوزہ، قم ایران، ۱۳۰۵ھ / ج ۱، ص ۳۱۵ / لویس معلوف / المنجد / محولہ بالا (۹) ایضاً (۱۰) لسان العرب / ج ۱، ص ۳۱۵، / المنجد / ص ۱۲۷ (۱۱) لسان العرب / ایضاً

آج کے زندہ مسائل ۲۱۱ بے لاگ اختساب

من صام رمضان ايماناً واحتساباً (۱۲) یعنی طلباً لوجه اللہ

تعالیٰ و ثوابہ

- ۹۔ احتساب ان معانی میں بھی مستعمل ہے، (i) احتساب الامر، شمار کرنا، گمان کرنا،
- (ii) احتساب ماعند فلان، دوسروں کے پاس موجود چیز کا حساب، شمار، آزمائش کرنا، (iii)
- احتساب علیہ الامر، امر منکر سے منع کرنا، (iv) احتساب بہ، قناعت کرنا، (v) احتساب
- عنه، رک جانا باز رہنا۔ (۱۳)

موجودہ مفہوم

اردو میں احتساب کے معنی حساب، جانچ پڑتال اور آزمائش کے ہیں۔ (۱۴) آج کل کا مروجہ مفہوم بھی یہی ہے اور غالباً اس کا تعلق احتساب ماعند فلان سے ہے، جس کے مفہوم میں احتساب کے موجودہ معانی شامل ہیں۔

(۱۲) مکمل حدیث اس طرح ہے، (عن ابی ہریرۃ) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من صام رمضان ايماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه، و من قام ليلة القدر ايماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے رمضان کے روزے ایمان کی حالت میں اور ثواب کی نیت سے رکھے اس کے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جس شخص نے لیلة القدر کو ایمان کی حالت میں ثواب کی غرض سے رات بھر عبادت کی اس کے (بھی) سابقہ تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ مسلم ابوالحسن بن حجاج القشیری (م ۲۶۱ھ) / الصحیح / دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۸ء / ج ۱ ص ۴۲۴ / رقم ۷۶۰، بخاری، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم، (م ۲۵۶ھ) / الصحیح / مصطفیٰ البابی الحلی، مصر ۱۹۵۳ء / کتاب الصوم، باب ۶، ابن ابی داؤد، سلیمان بن اشعث الشافعی (م ۲۷۵) / السنن / دار الفکر بیروت، ۱۹۹۴ء / ج ۱ ص ۵۱۰، رقم ۱۳۷۲، نسائی، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب (م ۳۰۳) / السنن / کتاب الصیام باب ثواب من قام رمضان وصامه ايماناً واحتساباً

(۱۳) بلیاوی، ابو الفضل عبد الحفیظ / مصباح اللغات / مکتبہ برہان دہلی، ۱۹۵۰ء / ص ۱۲۸

(۱۴) فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات اردو، جامع، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور ص ۳۷۳۔

موجودہ دور میں احتساب کی ضرورت

احتساب کی ضرورت سے کوئی باعزت اور متمدن معاشرہ انکار نہیں کر سکتا خواہ وہ ترقی پذیر ہو یا ترقی یافتہ، احتساب کی ضرورت واہمیت ہمیشہ مسلم رہی ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں!

احتساب ایک سنہری زنجیر ہے، جس میں تمدن، اخلاق، مذہب اور معاشرت کی تمام جزئیات جکڑی ہوئی ہیں، اگر اس کی بندش ڈھیلی پڑ جائے تو دفعتاً نظامِ عالم کی ایک ایک کڑی درہم برہم ہو جائے، اسی غرض سے دنیا نے احتساب کو مختلف صورتوں میں قائم رکھا، خاندانوں اور کنبوں نے مختلف رسم و رواج اختیار کئے، جن کی خلاف ورزی موجبِ ملامت بلکہ بعض اوقات قومی جرم خیال کی جاتی ہے، سلطنتوں نے قوانین بنائے جو انسان کو ایک خاص نظام کے ماتحت ہر قسم کی مادی، اخلاقی اور مذہبی ترقی کرنے کا موقع دیتے ہیں، حکمانے فلسفہ اخلاق ایجاد کیا جو اخلاقی قوانین کی پیروی پر جمعیت بشری کو مجبور کرتا ہے (۱۵)

جیسا کہ تحریر ہوا احتساب کی ضرورت ہر متحرک، فعال اور مستحکم معاشرے میں ہوتی ہے اور درحقیقت وہی قوم کامیاب بھی ہے جو ہمہ وقت اپنے احتساب پر مستعد و تیار رہتی ہے۔

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

لیکن جہاں یہ معاملہ ہو کہ ہر آنے والا دن صورتِ حالات کے مخدوش تر ہونے کی گواہی دے رہا ہو وہاں احتساب سے روگردانی آخری موقع کھودینے کے مترادف ہوتی ہے، ہمارے ملک اور معاشرے کا اس وقت یہی عالم ہے، اس کی وضاحت کے لئے ذیل کے نکات پر غور کیجئے۔

۱۔ قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ملک میں مقیم پاکستانیوں کی بیرون ملک بینکوں

(۱۵) ابوالکلام آزاد، مولانا ابوالکلام آزاد، راجہ اشرف علی ایڈیٹر، ۱۱، پور تریب، مولانا ابوالکلام آزاد، ۶۹۹،

آج کے زندہ سائل

میں رکھی ہوئی رقم کا تخمینہ ۵۰ بلین ڈالر ہے۔ جبکہ کچھ عرصے قبل ایک امریکی سفارت کار کا یہ بیان اخبارات کی زینت بن چکا ہے کہ پاکستان سے ۱۰۰ بلین ڈالر کی رقم لوٹ کر بیرون ملک منتقل ہو چکی ہے۔

۲۔ ملک کو بدعنوانی، دھوکہ دہی، اسمگلنگ، اسراف اور نااہلی و بددیانتی کی وجہ سے ہونے والے سالانہ نقصان کا تخمینہ ۶۰۰ بلین روپے، جس کی مختصراً تفصیل یہ ہے، ☆ ٹیکس چوری اور ٹیکس نظام میں دیگر گھپلوں سے سالانہ نقصان ۲۰۰ بلین روپے، ☆ ۱۰۰ بلین روپے کے ترقیاتی بجٹ میں بدعنوانی سے نقصان ۶۰ بلین روپے سالانہ، ☆ بینکوں کے پھنسے ہوئے قرضوں کی رشوت، سیاسی دباؤ اور بدعنوانی کی بنا پر عدم وصولی سے نقصان ۱۵ بلین روپے سالانہ، ☆ پبلک سیکٹر میں بدعنوانی، فضول خرچی، نااہلی و بددیانتی سے حکومت کو پہنچنے والا نقصان ۱۰۰ بلین روپے سالانہ ☆ غیر ترقیاتی اخراجات میں بدعنوانی اور اسراف کی وجہ سے نقصان ۱۵ بلین روپے سالانہ، وغیرہ۔

۳۔ سات برسوں میں بیرونی کرنسی کے کھاتوں کی تقریباً ۱۰ بلین ڈالر کی رقم کو بلا اختیار شاہ خرچیوں اور غیر ضروری درآمدات وغیرہ میں خرچ کرنا، جو کہ خیانت کی بدترین مثال ہے۔ (۱۶)

۴۔ گزشتہ حکومت کے ۳۲ ماہ کے دور اقتدار میں غیر ملکی قرضوں کی مد میں ۱۵ ارب ڈالر کا ریکارڈ اضافہ۔

۵۔ سالانہ بدعنوانی (Corruption) کا تخمینہ ۲۰۰ ارب روپے ہے جس میں ۱۴۰ ارب روپے سرکاری ملازمین کی بدعنوانی اور ۱۴۰ ارب روپے ٹیکس چوری کی نذر ہوتے ہیں۔

۶۔ ۱۴۵ ارب روپے کے قرضے ناکافی ثبوت، ریکارڈ غائب ہونے اور سیاسی اثر و رسوخ کی بناء پر ناقابل واپسی تصور کئے جا چکے ہیں۔ (۱۷)

۷۔ ورلڈ بینک کی رپورٹ کے مطابق پاکستان کے ۷۰ فیصد بیوروکریٹ رشوت لیتے ہیں۔ (۱۸)

۸۔ اور انسٹیٹیوٹ آف کاسٹ اینڈ مینجمنٹ اکاؤنٹنٹس پاکستان کی رپورٹ کے مطابق

(۱۶) ڈاکٹر شاہد حسین صدیقی / معشیت کی جھلکیاں / روزنامہ جنگ کراچی / ۱۰ نومبر ۱۹۹۹ء

(۱۷) روزنامہ جنگ کراچی / ۱۰ نومبر ۱۹۹۹ء (۱۸) روزنامہ جنگ کراچی / ۲۴ دسمبر ۱۹۹۹ء

آج کے زندہ مسائل

پاکستان میں ہر سال ۶ کھرب سے زیادہ کی مالی بدعنوانی ہوتی ہے، جس میں ہر سال ڈھائی کھرب روپے کے ٹیکس چوری ہوتے ہیں۔ جبکہ سرکاری اداروں کی بدانتظامی اور خورد برد میں ایک کھرب روپے، سالانہ ترقیاتی اور غیر ترقیاتی پروگراموں میں ۵۷ ارب اور سرکاری بینکوں و مالیاتی اداروں میں ہر سال ۲۵ ارب روپے نااہلی کی نذر ہو جاتے ہیں۔ (۱۹)

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں تصور کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے لئے اس وقت بے لاگ احتساب کس قدر ناگزیر ہو چکا ہے۔ رہا اسلامی تعلیمات اور سیرت طیبہ سے حاصل ہونے والی ہدایات کا معاملہ تو ان کی روشنی میں بھی احتساب ہر حکومت وقت کی اولین ذمہ داری ہے۔ جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

احتساب کے اجزائے ترکیبی

احتساب کوئی منفرد چیز نہیں متعدد امور سے مرکب ایک مکمل نظام کا نام ہے۔ جو نظام حکومت کا حصہ ہے، اس کے اجزائے ترکیبی میں نظام حکومت و سلطنت کے تمام اہم اجزاء شامل ہیں۔ جن پر کسی حکومت کے استحکام کا مدار ہوتا ہے، کیونکہ ایک مستحکم حکومت ہی ایک مضبوط نظام احتساب کی بنیاد رکھ سکتی ہے۔ یہ وہ امور ہیں جو ہر حکومت کے لئے ضروری و لا بدی ہیں، ان سے اعتنائے بغیر کسی حکومت کے لئے استحکام حکومت اور احتساب مسلسل کی منزل کا حصول ممکن نہیں، نیز ان نکات پر اگر عمل کر لیا جائے تو کافی حد تک احتساب کی ضرورت خود ہی پوری ہو جاتی ہے، ذیل میں ان کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے، ساتھ ساتھ احتساب کے ساتھ ان کے ربط و تعلق کی وضاحت بھی کی جائے گی۔

عدل

عدل عربی زبان کا لفظ ہے اس کی بہت سی تفریغیں کی گئی ہیں، علامہ راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ ان دونوں میں سے کسی میں بھی

آج کے زندہ مسائل

کمی بیشی نہ ہو، اسے عدل کہا جاتا ہے۔ (۲۰) ابن منظور کے بقول عدل حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا نام ہے اور یہ جور کی ضد ہے۔ (۲۱)

نسفی نے کہا ہے کہ عدل آپس کے حقوق میں تسویہ و برابری، ظلم کو ترک کرنے اور ہر حق دار تک اس کا حق پہنچانے کا نام ہے۔ (۲۲)

ابن فارس کہتا ہے العدل، الحکم بالا ستواء۔ (۲۳) عدل برابری کے حکم کو کہتے ہیں۔ ایک معنی یہ کئے گئے ہیں ہو التوسط بین طرفی النقص (۲۴) دو مخالف انتہاؤں کے بالکل درمیان میں ہونا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عدل، اعتقاد، عمل اور خلق میں اعتدال اور میانہ روی کا نام ہے۔ (۲۵) اس قول کی تشریح بیضاوی کے ہاں ملتی ہے وہ کہتے ہیں کہ ”عدل تمام امور میں توسط اور میانہ روی کا نام ہے اعتقاد بھی جیسے خدا کے انکار اور شرک کے درمیان توحید متوسط کا اقرار یعنی صرف ایک خدا کی شہادت اور جبر و قدر کے عقائد کے مابین کسب متوسط کا اقرار، اور عملاً بھی جیسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے واجب کئے جانے والے فرائض کی میانہ روی کے ساتھ ادائیگی، نہ تو مکمل روگردانی نہ اتنا غلو کہ رہبانیت کا آغاز ہو جائے، اور خلقت بھی جیسے بخل و اسراف کے مابین جو دو سخاوت کا راستہ۔“ (۲۶)

علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ عدل افراط و تفریط کی دونوں جانبوں کے مابین میانہ روی کی رعایت رکھنے کو کہتے ہیں۔ (۲۷) ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ عدل دراصل تسویہ و برابری اور

(۲۰) راغب اصفہانی، ابوالقاسم حسین بن محمد (م ۵۰۳ھ) / المفردات فی غریب القرآن / مصطفیٰ البابی الحلی، مصر ۱۹۶۱ء / ص ۳۲۵ (۲۱) ابن منظور / لسان العرب / ج ۱۱ ص ۴۳۰

(۲۲) نسفی، ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود / مدارک القریل / دار احیاء الکتب العربیہ / ج ۲ ص ۲۹۷ (۲۳) ابن فارس، ابوالحسن احمد / معجم مقاس اللغہ / بیئ البابی الحلی، مصر ۱۳۶۱ھ / ج ۳، ص ۲۴۶ (۲۴) ایضاً (۲۵) حسین محمد مخلوف / کلمات القرآن / مکتبہ عبدالجید مرزا، مکہ مکرمہ / ص ۲۲۹ (۲۶) بیضاوی، قاضی ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر، (م ۷۹۱ھ) / تفسیر القرآن الکریم / مکتبہ جمہوریہ مصریہ، مصر / ص ۳۰۳

(۲۷) آلوسی، / روح المعانی / ج ۱۴ / ص ۲۱۷، عدل کی تشریح کے ضمن میں تفاسیر کے جو حوالے اوپر گزرے یہ سورۃ نحل کی آیت ۹۰ کے ذیل میں اور اس کی تفسیر و تشریح کے ضمن میں بیان ہوئے ہیں۔

آج کے زندہ مسائل

بے لاگ اعتبار

مساوات و انصاف کا نام ہے، ابن العربی نے عدل کے دائرہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے ان تمام اقوال کا مفہوم جمع کر دیا ہے، اس اعتبار سے ان کا قول جامع ترین ہے، وہ فرماتے ہیں۔

عدل کا دائرہ بند ہے اور خدا، انسان اور اس کی ذات، انسان اور مخلوق خدا تک وسیع ہے، بندے اور خدا کے مابین عدل یہ ہے کہ انسان خدا کے حق اور اس کی رضا کو اپنے حق اور اپنی پسند سے مقدم تصور کرے، خدا کے حکم پر عمل اور ہر نبی سے اجتناب کو اپنا مقصد زندگی سمجھے۔ انسان اور نفس کے مابین عدل یہ ہے کہ نفس کو مہلکات سے روکا جائے اور ”نہی النفس عن الہوی“ کے خدائی حکم کے تحت اللہ کی اتباع کے ذریعے نفس کو قناعت پسند بنائے۔ اور انسان اور مخلوق خدا کے مابین عدل یہ ہے کہ انسانیت کی خیر خواہی اختیار کرے، خیانت سے اجتناب کرے، دوسروں کے لئے اپنی طرف سے ہر اعتبار سے انصاف کی فراہمی کو لازم گردانے، برائی سے ہر حالت میں بچے خواہ وہ قولاً ہو فعلاً ہو یا سرا ہو یا جبراً، مخلوق کی جانب سے پیش آنے والے مصائب کو برداشت کرے۔ (۲۸)

خلاصہ یہ ہے کہ عدل اس کا نام ہے کہ ہم جو کام بھی کریں اور جو بات بھی کہیں اس میں میزان صداقت اور میزان عمل کسی جانب بھی جھکنے نہ پائے، بلکہ صرف وہی بات کہی جائے اور فقط وہی کام کیا جائے جو انصاف کی کسوٹی پر پورا اترے اور جس میں افراط و تفریط کا شائبہ تک نہ ہو۔

کسی بھی مسلم ریاست اور مستحکم حکومت کے لئے نظام عدل و انصاف کا قیام ابتدائی ضروریات میں سے ہے، اس کے بغیر کوئی سلطنت اور مملکت استحکام حاصل نہیں کر سکتی، کیونکہ اس کا تعلق براہ راست عوام سے ہے، جب تک ریاست میں بسنے والے تمام افراد کو بلا تفریق اور بلا تاخیر انصاف مہیا نہیں کیا جائے گا اور ان سے عدل و مساوات پر مبنی سلوک روا نہیں رکھا جائے گا اس وقت تک انہیں ذہنی طور پر آسودہ نہیں کیا جاسکتا اور جب تک وہ ذہنی طور پر کسی حکومت سے مطمئن اور متفق نہیں ہوں گے اس وقت تک وہ حکومت سے تعاون نہیں کریں گے اور عدم اطمینان

(۲۸) قرطبی، ابو عبد اللہ محمد الانصاری / الجامع لاحکام القرآن / ج ۱۰ / ص ۱۶۶

آج کے زندہ مسائل ۲۱۷ بے لاگ انتخاب

اور عدم تعاون کی یہ فضا داخلی انارکی اور عدم استحکام کو جنم دیتی ہے۔ (۲۹)
ایسی فضائیں احتساب کا نظام بھی قابل افتخار کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا، اسے بھی عدم تعاون پر مبنی عوامی رویے کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ نظام احتساب عوامی تعاون کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔

شورائیت کے حکم پر عمل

احتساب کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ حکمران شورائیت کے قرآنی حکم پر عمل پیرا ہوں، تاکہ احتساب کے عمل میں کسی جانبداری کا شائبہ نہ پایا جاسکے، اور نہ کسی کو اس عمل کی غیر جانبداری مشکوک بنانے کا موقع مل سکے۔ شورائیت کی اسلام میں اس قدر تاکید ہے کہ آپ ﷺ کو بھی جن کا ہر عمل سر تاپا وحی تھا۔ (۳۰) یہ حکم دیا گیا:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ

اور (اے نبی ﷺ) ان (صحابہ کرامؓ) سے معاملات میں مشاورت کیجئے۔ (۳۱)

اور مسلمانوں کے معاملات کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا گیا

وَأْمُرْهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ

اور ان (مسلمانوں) کے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں۔ (۳۲)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَرَادَ أَمْرًا فَشَاوَرَ فِيهِ أَمْرَاءَ مُسْلِمٍ وَفَقَهُ اللَّهُ لِأَرْشَادِ

أُمُورِهِ (۳۳)

جس شخص نے کسی امر کا ارادہ کیا پھر اس بارے میں کسی مسلمان فرد سے

(۲۹) سید عزیز الرحمن، استحکام پاکستان سیرت طیبہ کی روشنی میں، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۹۷ء،

ص ۲۸ (۳۰) النجم آیت ۲۳ (۳۱) آل عمران: ۱۵۹ (۳۲) الشوریٰ: ۳۸ (۳۳) ابوالدین

علی بن ابی بکر (م ۸۰) / مجمع الزوائد دار الفکر، بیروت ۱۹۹۴ء، ج ۸، ص ۱۸۱، رقم ۱۳۱۵۸

آج کے زندہ مسائل

۲۱۸

بے لاگ اعتبار

مشورہ کیا تو تعالیٰ اللہ اسے بہترین کام کی توفیق دے گا۔

ابن المنذر نے حسن سے اور عبد بن حمید اور بخاری نے الادب المفرد میں روایت کیا ہے۔ فرمایا:

ما تشاور قوم قط الا هداوا و ارشد امرهم ثم تلا و امرهم

شورى بينهم (۳۴)

جس قوم نے بھی مشورہ کیا اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے صحیح راستے کی

ہدایت ملے گی اور ان کا معاملہ درست ہو جائے گا۔ پھر آپ نے آیت

وَأْمُرْهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ تلاوت فرمائی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر ہمیں آپ

ﷺ کے بعد کوئی ایسا معاملہ پیش آ جائے جس کے بارے میں نہ قرآن میں کوئی حکم ہو نہ ہم نے

آپ ﷺ سے کچھ سنا ہو تو ہم کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا!

اجمعوا له العابدین من امتی و اجعلوا بینکم شوری ولا

تقصوه برأی و احد (۳۵)

میری امت کے عابدین کو جمع کرنا اور اس معاملے کو مشورے کے لئے ان

کے سامنے پیش کرنا اور کسی ایک کی رائے پر فیصلہ مت کرنا۔ (بلکہ باہمی

رضا مندی سے اجتماعی فیصلہ کرنا)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ

اگر کوئی شخص مسلمانوں کے مشورے کے بغیر اپنی یا کسی اور شخص کی امارت

کے لئے دعوت دے تو تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ تم اسے قتل نہ

کرو۔ (یعنی اسے قتل کر ڈالو) (۳۶)

ان احادیث سے اندازہ ہوگا کہ اسلام میں شورا بیت کا حکم کس قدر اہمیت رکھتا ہے، اس

(۳۴) آلوسی/روح المعانی/ج ۲۵/ص ۴۶ (۳۵) محولہ بالا

(۳۶) علی متقی، علاؤ الدین البہدی (م ۹۷۵) /کنز العمال/ التراث الاسلامی/ج ۵، رقم ۲۵۷۷

لئے احتساب کے سلسلے میں بھی اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔

منصفانہ قوانین کا اجرا

بے لاگ احتساب کے کسی رکاوٹ کے بغیر جاری رہنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ریاست میں رائج تمام قوانین منصفانہ اور عادلانہ ہوں، ان میں زیادتی، جبر اور ظلم کا عنصر شامل نہ ہو، کیونکہ اگر یہ قوانین انصاف کے تقاضوں کو نظر انداز کر کے مدون اور جاری کئے جائیں گے، تو انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہو سکیں گے اور یہ عوام الناس میں بے چینی پھیلنے کا سبب بنے گا، دوسرے عوام کا اعتماد بھی اداروں پر قائم نہیں رہ سکے گا اور نتیجتاً وہ قانون سے فرار کی راہیں تلاش کرنے لگیں گے یہ بھی عدم استحکام کا سبب بنے گا، ایسی صورت میں احتساب کا عمل کامیاب نہیں ہو سکتا جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ بے لاگ اور منصفانہ احتساب کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔

جمہوری حکومتوں میں قانون سازی کی ذمہ داری اسمبلی کے پاس ہوتی ہے اور وہی مقننہ کے فرائض انجام دیتی ہے، لیکن اسلامی ریاست میں اس کا کردار کافی محدود ہوتا ہے کیونکہ اس کے ہاں دیگر امور کی طرح حکمرانی اور امور ریاست سے وابستہ تمام معاملات اور اصول و ضوابط مرتب و طے شدہ ہیں اور ان میں کوئی ابہام اور کسی قسم کی کمی موجود نہیں ہے، اس لئے ان میں ترمیم و تنسیخ کی بھی کسی کو اجازت نہیں ہے۔ قرآن کریم میں واضح ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ
أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَعْصِ
اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا ۝

اور کسی مؤمن مرد و عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرمادے تو پھر ان کا اپنے معاملے میں کچھ اختیار رہ جائے، اور جس نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہی میں جا پڑا۔ (۳۷)

آج کے زندہ مسائل

بے لاگ احتساب

لیکن وہ نئے امور جن کے بارے میں قرآن و سنت میں کوئی ہدایت نہ ملتی ہو ان کے بارے میں مسلمان اہل علم کو باہمی مشاورت سے فیصلہ کرنے کا حکم ہے، اسی لئے اجتہاد کی بھی اجازت ہے، جیسا کہ ماقبل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں بیان ہو چکا ہے۔ (۳۸)

مگر اس کے لئے دو بڑی اہم شرطیں ہیں، ایک تو یہ ہے کہ یہ قانون سازی ایسے ہاتھوں سے انجام پائے جو اجتہاد کے سلسلے میں عائد کی جانے والی کڑی شرائط پر پورا اترتے ہوں اور دوسری اہم شرط یہ ہے کہ ان کے مدون کردہ قوانین اسلام کے مروجہ اصولوں اور متفقہ قوانین سے متصادم نہ ہوں۔

قوانین پر بلا تخصیص عمل درآمد

بے لاگ احتساب کے ضمن میں قوانین کا بلا امتیاز نفاذ اور ان پر بلا تخصیص عمل درآمد بھی ایک اہم ضرورت ہے، کیونکہ اگر قوانین کا نفاذ بھی کسی وجہ سے طبقاتی تقسیم کا شکار ہو جائے اور مساوات برقرار نہ رہے تو احتساب کا مقصد ہی ختم ہو جاتا ہے، بلکہ عوام الناس کی نظر میں اس کی حیثیت مشکوک ہو جاتی ہے اور اس کی غیر جانبداری کا تصور ختم ہو جاتا ہے جو احتسابی عمل کے لئے بے حد ضروری ہے، آنحضور ﷺ نے اس سلسلے میں بھی درخشاں مثالیں پیش فرمائی ہیں۔ آپ کی مدینہ منورہ آمد سے قبل وہاں آباد یہود کے قبائل بنو نضیر اور بنو قریظہ میں عزت و شرف کا بالکل غیر فطری اور نہایت غیر معقول طریقہ کار رائج تھا، جس کے مطابق بنو قریظہ کا کوئی شخص بنو نضیر کے کسی فرد کو قتل کر دیتا تو قصاصاً قاتل کو بھی مارا جاتا، لیکن اگر کوئی بنو نضیر کا فرد بنو قریظہ کے کسی شخص کو مار دیتا تو اس کا صرف خون بہا سو و سق کھجور کی صورت میں ادا کیا جاتا تھا، قاتل کو قصاص میں قتل نہیں کیا جاتا تھا۔ آپ کے سامنے جب اس قسم کی صورت حال پیش آئی تو آپ ﷺ نے اس غیر فطری اور غیر منصفانہ طریقے کو ختم فرمادیا اور توریت ہی کے حکم کے بموجب تمام قبائل میں برابر کا قصاص جاری فرمادیا۔ (۳۹)

(۳۸) ملاحظہ کیجئے حوالہ ۳۵ (۳۹) ابوداؤد/ السنن/ ج ۴ ص ۱۶۵، رقم ۴۳۹۴، لا نسبی/ السنن/ کتاب

القصاص، باب تاویل قول اللہ تعالیٰ وان حکمت فاحکم بینہم بالقسط

آج کے زندہ مسائل

آپ ﷺ نے قوانین کے بلا امتیاز نفاذ کے سلسلے میں ہمیشہ اہم اقدامات کئے اور ریاست کے تمام اراکین پر بغیر تخصیص کے انہیں لاگو کیا، اور اس بارے میں نہ کسی کی سفارش قبول کی نہ رعایت سے کام لیا، بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کا ارتکاب کیا، وہ گرفتار ہوئی، چونکہ اس کا تعلق بڑے خاندان سے تھا اس لئے یہ کوشش کی گئی کہ اس پر حد سرقہ جاری نہ ہو، آپ ﷺ سے بہت قربت رکھنے والے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں سفارش کروائی گئی، مگر آپ ﷺ نے اس تعلق خاطر کے باوجود نہ صرف ان کی سفارش قبول نہیں فرمائی بلکہ ان پر غصے کا اظہار فرمایا اور فرمایا:

اے اسامہ کیا تم حدود خداوندی میں سفارش کرتے ہو؟

اور پھر لوگوں کو جمع کر کے خطاب فرمایا، اس میں فرمایا:

تم سے پہلے کی امتیں اس لئے تباہ ہو گئیں کہ جب معزز آدمی کوئی جرم کرتا تو درگزر کرتے اور اگر کوئی معمولی حیثیت کا آدمی جرم کر بیٹھتا تو اس کو سزا دیتے، خدا کی قسم اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو محمد (ﷺ) اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔ (۴۰)

یہاں آخری جملہ خصوصیت کے ساتھ قابل غور ہے، درس یہ دینا مقصود ہے کہ اسلامی نظام چونکہ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کا عطا فرمودہ ہے اس لئے اس میں ترمیم و تنسیخ اور تبدیلی کا اختیار کسی کو حاصل نہیں، نہ اس کے اجرا و نفاذ میں کسی قسم کی تخصیص روارکھی جاسکتی ہے۔

اہل و دیانت دار اہل کاروں کا تقرر

غیر جانبدارانہ احتساب کے لئے یہ شرط بھی اہم ہے کہ حکومتی مناصب پر ان افراد کا تقرر کیا جائے جو اہل دیانت و امانت بھی ہوں اور اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے درکار مکمل اہلیت کے بھی حامل ہوں، نا اہل اور بد دیانت افراد کا تقرر استحکام حکومت کے لئے بھی مضر ہے اور عمل احتساب کے لئے بھی، کیونکہ نا اہل افراد نہ تو دیانت داری کے تصور کا پاس رکھ سکتے ہیں نہ ان میں

(۴۰) بخاری/صحیح/ج ۳ ص ۱۲۲/کتاب الحدود، باب کراهية الشفاعة في الحد،

الاداری، عبد اللہ بن عبد الرحمن (م ۲۵۵) السنن/قدیمی کتب خانہ، کراچی/ج ۲ ص ۲۲۷، رقم ۲۳۰۲،

آج کے زندہ مسائل

یہ اہلیت ہوتی ہے کہ وہ ایمان داری سے اپنے فرائض انجام دے سکیں، جس کے نتیجے میں احتساب کی روح مجروح ہوتی ہے اور اس کا پورا عمل شدید متاثر ہوتا ہے، اس لئے دیانت دار افراد کا تقرر بھی ضروری ہے اور اہم مناصب پر فائز افراد میں اہلیت کا پایا جانا بھی اہم ہے۔ حضور ﷺ نے ان دونوں پہلوؤں کی جانب توجہ مبذول کروائی ہے۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

جس شخص کو اللہ ایک رعیت دے (اسے لوگوں کا حاکم یا ذمہ دار بنائے)

پھر وہ مرے اور جس دن مرے اس دن اپنی رعایا پر خیانت کرتے ہوئے

مرے تو اللہ اس کے لئے جنت کو ضرور حرام کر دے گا۔ (۴۱)

عہدے داروں کے تقرر کے بعد اگر ضرورت سمجھے تو حکمران یا ان کا نمائندہ ان کا امتحان بھی لے سکتا ہے، تاکہ ان کی تقرری کسی بھی شک و شبہ سے بالاتر ہو جائے، آنحضرت ﷺ کا یہی طریقہ تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے لئے مامور کر کے روانہ فرمایا تو روانگی کے وقت ان کی تبحر علمی، شرعی امور سے واقفیت اور اسلامی تعلیمات سے آگہی کا امتحان لیا اور جب آپ ﷺ مطمئن ہو گئے تو اس پر تحسین فرمائی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ (۴۲) آپ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق اگر کوئی شخص اپنے آپ کو خود کسی ذمہ داری کے لئے پیش کرتا ہے تو یہ اس کے نااہل ہونے کی علامت ہے، اسے قطعاً کوئی ذمہ داری نہیں سونپی جائے گی۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إننا، واللہ! لا نولی علی هذا العمل احداً سألہ، ولا احداً

حرص علیہ (۴۳)

(۴۱) بخاری/ کتاب الاحکام، باب من استر علی رعیت فلم یصح ☆ مسلم/ الصحیح/ ج ۱ ص ۱۱۷، رقم ۱۴۲

☆ احمد بن محمد بن حنبل، ابو عبد اللہ الشیبانی (م ۲۴۱) / المسند / دار احیاء التراث العربی، بیروت ۹۳، ج ۵ ص ۶۶۰، رقم ۱۹۷۸۰، (۴۲) طبری، ابو جعفر محمد بن جریر / تاریخ المرسِل والملوک / دار المعارف، مصر ۱۹۶۰، ج ۲ ص ۱۰۴ ☆ ابن اثیر، عز الدین ابوالحسن علی / الکامل فی التاريخ / دار صادر، بیروت، ۱۹۶۵، ج ۱ ص ۴۳۹

(۴۳) مسلم/ ج ۳ ص ۲۲۳، رقم ۱۷۳۳ ☆ بخاری/ کتاب الاحکام، باب ۷

آج کے زندہ مسائل ۲۲۳ بے لاگ اعتبار

ہم خدا کی قسم، کسی ایسے شخص کو عامل (ذمہ دار) مقرر نہیں کرتے جو اس کا سوال کرتا ہے، نہ کسی ایسے شخص کا تقرر کرتے ہیں جو اس کا حریص ہو۔
حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے جب آپ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ مجھے عامل نہیں مقرر کرتے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

يا اباذر، انك ضعيف، و انها امانة، و انها يوم القيامة خزي و ندامة، الا من اخذها بحقها و ادى الذي عليه فيها (۳۳)
اے ابو ذر! تم کمزور ہو، اور یہ عہدے امانت ہیں، اور یہ عہدے روز قیامت رسوائی اور ندامت کا باعث ہوں گے، سوائے اس کے جس نے یہ عہدے حق طریقے پر حاصل کئے اور اس سلسلے میں اپنے آپ پر عائد ہونے والے حقوق ادا کئے۔

اس روایت سے کئی ایک باتیں واضح ہوتی ہیں۔ ۱۔ عہدے امانت ہیں، ۲۔ کمزور لوگوں کا تقرر مناسب نہیں، ۳۔ اس امانت کی عدم ادائیگی روز قیامت رسوائی و ندامت کا سبب ہوگی۔
اور ایک روایت میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہدے طلب کرنے والے کو خائن قرار دیا ہے، خائن بھی وہ جس سے بڑھ کر کوئی خائن نہیں، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

ان اخونکم عندنا من طلبہ (۳۵)

بلاشبہ ہمارے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ خائن وہ ہے جو ذمہ داری خود طلب کرتا ہے۔

اقسام احتساب

قرآن و سنت کی روشنی میں احتساب کی دو قسمیں ہیں، ۱۔ انفرادی احتساب اور ۲۔ اجتماعی احتساب۔ انفرادی احتساب، خود احتسابی کا نام ہے، اگرچہ موضوع بحث صرف اجتماعی (۳۳) مسلم ج ۳ ص ۲۲۲، رقم ۱۸۲۵ (۳۵) ابو داؤد، السنن ج ۳ ص ۶۱، رقم ۲۹۳۰،

آج کے زندہ مسائل

بے لاگ احتساب

احتساب ہی کا احاطہ کرتا ہے، لیکن ایک مثالی اسلامی معاشرے میں حکمرانوں کی دوسری عمدہ صفات کے ساتھ ساتھ خود احتسابی پر بھی زور دیا جاتا ہے، یہ عمل ان کی کارکردگی جانچنے کے لئے بھی ضروری ہے۔ نیز چونکہ کوئی بھی حکمران، حکمران بننے سے پہلے اسی معاشرے کا ایک فرد ہوتا ہے اس لئے جہاں دوسرے افراد کے لئے اپنے آپ کو مسلسل خود احتسابی کے عمل سے گزارنا لازمی امر ہے وہیں اس عمل کی ذمہ داری حکمرانوں پر زیادہ شدت سے عائد ہوتی ہے، کیونکہ وہ صرف اپنے اعمال کے ذمہ دار نہیں پوری سلطنت کے مسئول بھی ہیں، اور ان کے ذمہ صرف اپنے فرائض کا محاسبہ نہیں اپنے ماتحتوں اور ریاست کے تمام ذمہ داروں اور عہدے داروں کا احتساب بھی ہے جو اجتماعی احتساب کا حصہ ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

الا کلکم راع، وکلکم مسؤول عن رعیتہ، فالأمیر الذی علی

الناس راع، وهو مسؤول عن رعیتہ، والرجل راع علی اهل

بیتہ، وهو مسؤول عنہم، والمرأة راعیة علی بیت بعلہا و

ولده، وهو مسؤلة عنہم، والعبد راع علی مال سیدہ، وهو

مسؤول عنہ، الا فکلکم راع، وکلکم مسؤول عن رعیتہ (۳۶)

آگاہ ہو جاؤ، تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت

(اس کے زیر اثر افراد) کی بابت سوال ہوگا، پس جو لوگوں کا امیر ہے اس

سے اس کی رعیت کے متعلق سوال ہوگا، اور ہر شخص اپنے اہل خانہ کا نگہبان

ہے اور اس سے ان کے متعلق سوال ہوگا، اور عورت اپنے شوہر کی اولاد

اور کے گھر کی نگہبان ہے، اس سے ان کے بارے میں سوال ہوگا، اور

غلام (یا ملازم) اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اس سے اس کے

بارے میں پوچھا جائے گا، سو آگاہ ہو جاؤ! تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے

(۳۶) مسلم/ ج ۳ ص ۲۲۵، رقم ۱۸۲۹، ابوداؤد/ ج ۳ ص ۶۰، رقم ۲۹۲۸، بخاری/ کتاب الاستراض،

باب العبد راع فی مال سیدہ، و کتاب الجمع، باب الجمعۃ فی القری والمدن

ترذی، ابویسی محمد بن عیسیٰ (۲۷۹ م) الجامع، السنن، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۴، ج ۳ ص ۲۶۹، رقم ۱۷۱

آج کے زندہ مسائل

بے لاگ احتساب

اور ہر ایک سے اس کی رعیت کی بابت سوال ہوگا۔

یہاں پہلے خود احتسابی کے حوالے سے گفتگو ہوگی پھر اجتماعی احتساب اور اس کے مختلف پہلوؤں کے متعلق بات ہوگی، کیونکہ بقول مولانا ابوالکلام آزاد:

احتساب کی ترتیب اصلاح نفس سے شروع ہو کر بالترتیب محتسب کے قبیلے اور قوم تک منتہی ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرض احتساب اسی ترتیب سے ادا فرمایا ہے۔ (۴۷)

خود احتسابی

خود احتسابی ایک ضروری وصف ہے، خصوصاً اسلام میں اس کی بہت اہمیت ہے، قرآن حکیم میں ارشاد باری ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّامَتْ لِغَدٍ
وَ اتَّقُوا اللَّهَ ط إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۴۸﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور چاہئے کہ ہر شخص دیکھ لے کہ اس نے آگے آئندہ کل (قیامت) کے لئے کیا بھیجا ہے؟ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ اس سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ (۴۸)

یعنی قبل اس کے کہ تمہارا روز قیامت محاسبہ کیا جائے تم اپنے آپ کا خود احتساب کرو اور غور کرو کہ اس روز کے لئے جب تم اپنے رب کے حضور پیش کئے جاؤ گے، تم نے نیک اعمال کا کیا کچھ ذخیرہ کر رکھا ہے؟ اور جان لو کہ تمہارا پروردگار تمہارے تمام حالات اور اعمال سے بخوبی آگاہ ہے، اس سے نہ کوئی بڑا عمل مخفی ہے نہ کوئی چھوٹی چیز۔ (۴۹)

آپ ﷺ نے فرمایا:

موتوا قبل ان تموتوا وحاسبوا قبل ان تحاسبوا (۵۰)

(۴۷) ابوالکلام آزاد، رسول رحمت، ص ۷۰۱ (۴۸) الحشر: ۱۸ (۴۹) ابن کثیر، التفسیر، ج ۳، ص ۴۲۲۔

(۵۰) مجلہ فی / کشف الغما، مکتبہ دار التراث، بیروت، ج ۲، ص ۴۰۲

آج کے زندہ سائل

بے لاگ احتساب

ماروا اپنے آپ کو (یعنی اپنے نفس کو) اپنی موت سے پہلے اور اپنا احتساب کرو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔

یعنی مرنے سے قبل اپنا محاسبہ کرو اور خود احتسابی کے عمل سے اپنے آپ کو متواتر گزارتے رہو تاکہ تمہارے اعمال درست رہیں۔

خود احتسابی کی دو جہتیں ہیں۔

۱۔ ہر شخص کو خواہ کوئی سیاسی و سماجی حیثیت رکھتا ہو یا نہیں ہمہ وقت خود احتسابی کے عمل سے گزرتے رہنا چاہئے۔

۲۔ خصوصاً حکمرانوں کو اور ان لوگوں کو جو کسی بھی نوعیت کی عوامی یا قومی ذمہ داریاں رکھتے ہوں، اس کی اہمیت کا احساس ہونا چاہئے، اس لئے بھی کہ حکمران طبقہ عام طور پر اپنے آپ کو جواب دہی کی ذمہ داری سے ماوراء تصور کرتا ہے، حالانکہ رسول خدا ﷺ کے قول مبارک کلکم مسؤل عن رعیتہ (۵۱) کے مطابق جس شخص کو شریعت مقدسہ نے جس قدر اختیارات دیئے ہیں اسی قدر اس سے جواب طلبی بھی ہوگی۔

نیز اس لئے بھی حکمرانوں میں خود احتسابی کا جذبہ زیادہ ہونا چاہئے کہ الناس علی دین ملوکھم کے بمصداق عوام میں وہی خواہشیں، تمناں اور عادات پرورش و فروغ پاتی ہیں جو ان کے حکمرانوں کا طریقہ و وطیرہ ہوتی ہیں، اس لئے اگر عام لوگوں میں ایمان داری و اخلاق حسنہ کو فروغ دینا ہے تو حکمرانوں میں ان صفات کو پیدا کرنا ہوگا، جس کی صحیح صورت خود احتسابی ہی ہے، خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

اعلم ان العامل اذا زاغ زاغت رعیتہ، واشقى الناس من شقیة به رعیتہ (۵۲)

جان لو کہ جب حاکم کج روی کا شکار ہوتا ہے تو اس کی رعایا بھی کج روی ہو جاتی ہے اور جس حاکم کی وجہ سے اس کی رعایا کج روی ہو وہ بدترین انسان ہے۔

(۵۱) ملاحظہ کیجئے حوالہ نمبر ۴۶

(۵۲) مولانا محمد ظفر الدین مفتاحی ندوی، اسلام کا نظام امن/ اسپاٹیم سعید کمپنی، کراچی، ۱۹۸۱ء/ ص ۶۵

آج کے زندہ مسائل

حضور ﷺ نے خود احتسابی کے قرآنی حکم پر اس طرح عمل کیا اور اپنی تربیت و تعلیم کے ذریعے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی صورت میں ایسی قوم تیار کی، جس کا ہر لمحہ خود احتسابی کی دولت سے مالا مال تھا، اور جس کا ہر عمل ان کی قوتِ احتساب کا معلن و شاہد تھا، خلیفہ کول امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بار خلافت سنبھالتے ہی جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا اس میں یہ قیمتی الفاظ بھی شامل تھے۔

يا ايها الناس! انما انا متبع، ولست بمبتدع، فان انا احسنت

فاعينوني، وان انا زُغت فقوموني (۵۳)

اے لوگو! میں دین میں نئے طریقے وضع کرنے والا نہیں ہوں، میں تو (حضور ﷺ کے طریقے اور سنت کی) اتباع کرنے والا ہوں، سو اگر تم دیکھو کہ میں خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دے رہا ہوں تو مجھ سے تعاون کرو اور اگر دیکھو کہ میں راہِ حق سے بھٹک رہا ہوں تو مجھے سیدھا کرو اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

ايها الناس! اني قد وليت عليكم ولست بخيركم، فان

رايتموني على حق فاعينوني، وان رايتموني على باطل

فسددوني، اطيعوني ما اطعت الله فيكم، فاذا عصيته فلا

طاعة لي عليكم (۵۴)

اے لوگو! مجھے تمہارا والی مقرر کیا گیا ہے، حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، سو اگر تم مجھے حق پر دیکھو تو میری اعانت کرو اور اگر باطل پر دیکھو تو مجھے درست کرو، میری اطاعت اس وقت تک کرو جب تک میں تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا رہوں اور اگر میں اس کی نافرمانی

(۵۳) ابو عبیدہ قاسم بن سلام (۲۲۴م) / کتاب الاموال / مکتبۃ التجاریہ الکبریٰ، مصر / ص ۵ (۵۴) احمد زکی

صفوت / جمرۃ خطب العرب / مکتبۃ علیہ، بیروت / ص ۱۸۰ تھوڑے فرق سے یہ روایت ابن ہشام کے

ہاں بھی ہے، ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک / السیرۃ النبویہ / دار المعرف، بیروت، ۱۹۷۸ء / ج ۳ ص ۲۶۲

آج کے زندہ مسائل

بے لاگ احتساب

کرنے لگوں تو تم پر میری اطاعت ضروری نہیں ہے۔

غور کیا جائے تو یہ چند مختصر مختصر جملے آپ زر سے لکھنے کے قابل اور ہر صاحب اختیار کے لئے مثالی اسوہ اور نمونہ ہیں، اور اگر انہیں ہمہ وقت سامنے رکھا جائے تو قدم ڈمگانے کا سوال ہی باقی نہ رہے۔

یہ صرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کا انداز نہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک بار کسی مسئلے پر مشورہ لیتے ہوئے صحابہ کرام سے فرمایا تھا:

ولست اريد ان تتبعوا هذا الذي اهوى (۵۵)

میرا یہ ارادہ نہیں ہے کہ جو میں چاہتا ہوں اسے تم (بے چون و چرا) تسلیم کر لو اس طرز عمل کی مثالیں ان ہی دو جلیل القدر خلفائے راشدین تک محدود نہیں ہیں، آپ ﷺ کی تربیت کے نتیجے میں خود احتسابی کا جو جذبہ بیدار ہوا تھا اس کے شواہد اور ثبوت تاریخ و سیر میں جا بجا نظر آتے ہیں، طوالت کا خوف ان کی تفصیل کے بیان سے مانع ہے۔ (۵۶)

اجتماعی احتساب

احتساب کی بیان کردہ تقسیم کے بموجب دوسری قسم اجتماعی احتساب ہے، یہ درحقیقت حاکم وقت کی ذمہ داری ہے، اس کا فرض ہے کہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کا وقتاً فوقتاً احتساب کرتا رہے، اس قسم کو ہم نے سہولت کے لئے چند عنوانات میں تقسیم کیا ہے، یہ وہ شعبے ہیں جن میں احتساب کی فوری ضرورت ہے، دلیل میں اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے انہی کا بیان کیا جاتا ہے۔

(۵۵) ابو یوسف / کتاب الخراج / ص ۱۴

(۵۶) اس قسم کے واقعات حضرت ابو بکر صدیق سے لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہم تک اور اس دور کے دوسرے حکمرانوں اور ذمہ داروں کی زندگی میں کثرت سے موجود ہیں، بعد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی زندگی بھی ان واقعات سے مرصع ہے، چند واقعات اس مضمون میں آگے بھی بیان ہو رہے ہیں۔

اجتماعی احتساب کے مختلف پہلو

حکمرانوں کا احتساب

حکمرانوں سے ہماری مراد وہ افراد ہیں جو مختلف اوقات میں یہاں حکمرانی کے منصب پر فائز اور سیاہ و سفید کے مالک رہے ہیں، باقی موجودہ حکمران خواہ وہ کوئی ہوں ان کے بارے میں اسلام کے نقطہ نظر کا خلاصہ خود احتسابی کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے۔

حکمرانوں کے احتساب کا مسئلہ ہمارے ہاں کی موجودہ صورت حال کے پیش نظر کافی پیچیدہ ہو چکا ہے، ماقبل میں پاکستان میں قائم ہونے والے بدعنوانیوں کے ریکارڈوں کی بابت عرض کیا جا چکا ہے۔ (۵۷) چند مزید جھلکیاں ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ سابقہ حکمرانوں کے ۳۲ سالہ دور حکومت میں غیر ملکی قرضوں میں 15 ارب ڈالر کا

اضافہ ہوا۔ (۵۸)

۲۔ سابقہ حکمرانوں ہی نے تیل کی قیمتوں میں مسلسل کمی کے باوجود پاکستان میں اس کی

قیمت کم نہ کر کے عوام کو دو سال کے دوران ۵۱ ارب روپے کے فائدے سے محروم رکھا۔ (۵۹)

۳۔ سابقہ دور حکومتوں نے مجموعی طور پر صرف تین سال کے مختصر عرصے میں غیر ملکی

دوروں پر ملکی خزانے کے ۵۱ کروڑ روپے خرچ کر ڈالے۔ تفصیلات کے مطابق سابقہ حکومت نے

۲۴ فروری ۹۷ء سے ۱۱ اکتوبر ۹۹ء کے دوران غیر ملکی دوروں پر ۳۰ کروڑ روپے خرچ کئے، اور

اس سے قبل کی حکومت نے ۲۴ فروری ۹۷ء سے قبل ایک سال کی قلیل ترین مدت میں ۲۱ کروڑ

روپے خرچ کر ڈالے، ان میں سفری اخراجات، روزانہ الاؤنس، کار ریٹ، تحائف اور وفد کے

ارکان کی رہائش کے اخراجات شامل ہیں۔ یہ وفد سیاسی افراد پر مشتمل ہوتے تھے، اور اہل خانہ اور

اقربا کو بھی نوازا جاتا تھا۔ ان اخراجات میں وہ رقوم شامل نہیں ہیں جو ۹۵ء میں اس وقت کی وزیر

(۵۷) ملاحظہ کیجئے حوالہ نمبر ۱۲۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹ (۵۸) روزنامہ جنگ کراچی، ۱۰ نومبر ۱۹۹۹ء۔

(۵۹) روزنامہ جنگ کراچی، ۲۰ دسمبر ۱۹۹۹ء۔

آج کے زندہ مسائل

بے لاگ انتخاب

اعظم نے واشنگٹن میں اپنی تشییر پر خرچ کی تھیں۔ (۶۰)

اور دوسری جانب ملاحظہ کیجئے کہ آپ ﷺ کی ہدایات کیا تھیں؟ اور اسلامی تعلیمات کے حامل حکمرانوں کا طرز عمل کیا تھا؟ یاد رہے کہ خلفائے راشدین اور دیگر اسلامی سربراہان کا طرز کوئی ان کا اپنا پسند فرمودہ نہیں تھا، انہوں نے وہی کچھ کیا جو بادی اعظم ﷺ نے انہیں تعلیم فرمایا تھا۔ اور جس طرز پر خود آپ ﷺ نے اپنی زندگی بسر کی تھی۔

آپ ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے لئے مقرر فرمایا تو انہیں یہ ذریعہ ہدایت بھی فرمائی تھی فرمایا:

ایاک والتنعم، فان عباد اللہ ليسوا بالمتنعمين (۶۱)

عیش پسندانہ زندگی سے احتراز کرنا، کیونکہ اللہ کے بندے عیش پسند نہیں ہوتے۔

آپ ﷺ کی اپنی عملی حیات طیبہ بھی اس قول مبارک کی تفسیر تھی۔ (۶۲)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کبھی اچھا کھانا نہیں کھایا، ایک مرتبہ اہل خانہ نے بیٹھا کھانے کی خواہش ظاہر کی تو فرمایا کہ میں بیت المال سے اس سے زیادہ نہیں لے سکتا، اور جب اہلیہ محترمہؓ نے پیٹ کاٹ کر ایک مدت میں کچھ رقم جمع کی تو بیت المال کے منتظم کو لکھ بھیجا کہ اتنی رقم میرے وظیفے سے کم کر لی جائے، کیونکہ اس سے کم میں بھی گزارا ہو جاتا ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ بچی ہوئی رقم بھی بیت المال کو واپس کر دی۔ (۶۳)

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں اور عمال کو یہ ہدایات دے کر روانہ فرمایا

(۶۰) روزنامہ جنگ کراچی، ۲ مارچ ۲۰۰۰ء

(۶۱) احمد/السند/ ج ۶ ص ۳۲۲، رقم ۲۱۶۰۰☆ پیشی/مجمع الاوائد/ ج ۱۰ ص ۴۳۹، رقم ۱۷۸۳۵

(۶۲) ملاحظہ کیجئے کتب سیرت میں موجود آپ ﷺ کی سادہ زندگی کے عملی نمونے، زرقانی، محمد بن عبد الباقی/شرح المواہب اللدنیہ/دار المعرفہ، بیروت، ۱۹۹۳ء/ ج ۴ ص ۳۶۸ تا ۳۷۵ و ج ۵ ص ۵۵ تا ۵۷☆ شبلی نعمانی/سیرت النبی/دار الاشاعت کراچی، ۱۹۸۵ء/ ج ۲ ص ۲۰۵ تا ۱۹۹☆ سید فضل الرحمن/

بادی اعظم/ادارہ مجددیہ کراچی، ۱۹۹۱ء/ ص ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲

(۶۳) رفیق بک/آشہر مشاہیر اسلام/ ج ۱ ص ۹۳

آج کے زندہ سائل

۲۳۱

بے لاگ اختاب کرتے تھے:

لا ترکبوا برذونا، ولاتا کلوا نقیاء، ولاتلبسوا رقیقا، ولا
تغلقوا ابوابکم دون حوائج الناس، فان فعلتم شیئامن
ذالک فقد حلت بکم العقوبة (۶۴)

عمدہ ترکی گھوڑے پر سوار مت ہونا، میدہ استعمال نہ کرنا، باریک پوشاک
مت پہننا، اور نہ ضرورت مندوں پر اپنے دروازے بند کرنا، اگر ان میں
سے کوئی بات کی تو تمہارے لئے سزا حلال ہو جائے گی۔

ملاحظہ کیجئے کہ کس طرح عیش پسندی کی جزا کاٹ ڈالی، ان کا منشا فقط یہ تھا کہ حکمران عامۃ
الناس سے بڑھ کر معیار زندگی نہ اپنالیں، اس صورت میں ایک غیر قدرتی طبقاتی تقسیم قائم ہو
جائے گی، اور حکمران خادم بننے کی بجائے مخدوم بن جائیں گے۔ جبکہ اسلام کا مقصود تو ایسا حاکم
ہے جو خود تو تکالیف برداشت کر لے، مگر عوام پر مشکلات کا سایہ بھی نہ پڑنے دے۔
اس قول کی تشریح کرتے ہوئے علامہ طیبی لکھتے ہیں:

ترکی گھوڑے کی سواری سے روکنا درحقیقت تکبر سے روکنا ہے، اور
میدے کے استعمال کرنے اور باریک لباس پہننے سے منع کرنا اصل میں
عیش پسندی اور اسراف سے منع کرنا ہے، او دروازے بند کرنے سے
روکنا دراصل لوگوں کی ضروریات پوری کرنے میں ایسی سستی و غفلت سے
منع کرنا ہے جس میں سارا وقت اپنے لئے مخصوص ہو جائے (۶۵)

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ صرف ان ہدایات پر ہی اکتفا نہیں فرماتے تھے بلکہ جب کبھی
انہیں یہ اطلاع ملی کہ کسی عہدے دار نے ان ہدایات کی خلاف ورزی کی ہے تو انہوں نے فوری

(۶۴) خطیب عمری، ولی الدین محمد بن عبد اللہ، (م ۴۳۷) / مشکوٰۃ المصابیح / کتاب الامارۃ، باب ما علی
الولاء من التیسیر، فصل ثالث

(۶۵) ملا علی قاری، علی بن سلطان محمد (م ۱۰۱۴ھ) / المرقاة المفاتیح / مجلس اشاعت المعارف ملتان،

۱۹۶۷ء / ج ۷ ص ۲۳۶

آج کے زندہ مسائل ۲۳۲

تادیبی کارروائی کی۔ (۶۶)

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی جنہیں عمر ثانی کہا جاتا ہے اس سلسلے میں خلفائے راشدین کے صحیح معنی میں جانشین نظر آتے ہیں، انہوں نے اقتدار سنبھالتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ غلط طور پر رواج پا جانے والی شاہی تزک و احتشام کی روایات کو یکسر موقوف کرنے کا اعلان کیا، اپنی جائیداد مسلمانوں کو واپس کر دی، اپنی اہلیہ کا زیور تک بیت المال میں داخل کر دیا، اس وقت ان کے دو وقت کھانے کا خرچ دو درہم سے زیادہ نہ تھا۔ (۶۷)

حکمرانوں کے فرائض میں جیسا کہ یہ ہے کہ وہ اپنا رہن بہن سادہ رکھیں، اور اپنے ماتحتوں کے طرز زندگی اور عوام الناس کے ساتھ ان کے طرز عمل پر نظر رکھیں اور ان کا احتساب کرتے رہیں، وہیں ان کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ عامۃ الناس کی دیکھ بھال اور ان کے روزمرہ کے امور و معاملات میں شرکت کریں اور انہیں یہ احساس نہ ہونے دیں کہ حکمران کسی اور دنیا کی مخلوق ہیں، یہ ریاست کے استحکام کے لئے بھی بے حد ضروری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل ملاحظہ کیجئے، آپ اپنے پاس آنے والے وفد سے پوچھا کرتے تھے کہ تمہارا امیر کیسا ہے؟ کیا وہ تمہارے بیماروں کی عیادت کرتا ہے؟ کیا کوئی غلام بیمار ہوتا ہے تو اس کی عیادت کے لئے جاتا ہے؟ کمزوروں کے ساتھ وہ کیسا سلوک کرتا ہے؟ بے کسوں کے دروازوں پر بیٹھنے میں وہ اپنی ہتک تو محسوس نہیں کرتا؟ اگر انہیں جواب نفی میں ملتا اور معلوم ہوتا کہ وہ ان کی ہدایات کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اسے فوراً معزول کر دیتے تھے۔ (۶۸)

ہمیں اپنی زندگیوں کا ان ہدایات کی روشنی میں جائزہ لینا ہوگا اور حکمرانی کے منصب پر فائز افراد کو ان تعلیمات کے مطابق اپنا اور دوسرے حکمرانوں کا احتساب کرنا ہوگا، ”بے لاگ احتساب“ کا ہم سب سے یہی مطالبہ ہے۔

(۶۶) چنانچہ تاریخ کی مشہور روایت ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد گورنری میں اپنے لئے ایک محل بنوایا ہے، جس کی وجہ سے عوام کو بدقت ہوتی ہے تو آپ نے فوراً وہ محل جھوا دیا، ابن تیمیہ / الحنفیہ فی الاسلام / ص ۵۹ (۶۷) ابو الحسن علی ندوی / تاریخ دعوت و عزیمت / مجلس نشریات اسلام کراچی، ج ۱ ص ۳۵-۳۶ (۶۸) اشہر مشاہیر اسلام / ج ۲ ص ۳۹۳

آج کے زندہ مسائل ۲۳۳ بے لاگ اعتبار

نوکر شاہی (Bureaucracy) کا احتساب

نوکر شاہی کا احتساب بھی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ورلڈ بینک کی رپورٹ کے مطابق نوکر شاہی کا ۷۰ فیصد حصہ رشوت لینے میں ملوث ہے۔ (۶۹) اسی رپورٹ میں ان کے معیار زندگی کے حوالے سے بھی باتیں کہی گئی ہیں، (۷۰) اس لئے ضروری ہے کہ ان کاربن سبن اور عادات و اطوار خالص اسلامی طرز زندگی کے مطابق ڈھالی جائیں، اور ان کا مکمل اور کھراؤ اکثر احتساب کیا جائے۔ آئیے سیرت طیبہ سے اس ضمن میں رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

حضور ﷺ نے اس سلسلے میں ہدایات دیتے ہوئے فرمایا!

من ولاہ اللہ عزوجل شیئا من امر المسلمین فاحتجب دون
حاجتہم و خلعتہم و فقرہم احتجب اللہ عنہ دون حاجتہ
و خلعتہ و فقرہ (۷۱)

جو شخص مسلمانوں کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنایا جائے اور پھر وہ اپنا
دروازہ ان کی ضرورت و حاجت اور فقر کے وقت ان پر بند کر لے تو اللہ
اس کی ضرورت، حاجت اور فقر کے وقت اس کے لئے اپنے دروازے
بند کر لے گا۔

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ روایت سنی تو ایک شخص کو لوگوں کی ضرورتیں
پوری کرنے کے لئے مقرر کر دیا۔ (۷۲)

آپ ﷺ حکمرانوں اور عملے کی تند خوئی اور سختی کو بھی سخت ناپسند فرماتے تھے، آپ
ﷺ نے یہ دعا فرمائی ہے:

اے اللہ! جو شخص میری امت کے کسی شعبے کا نگران بنایا جائے اور پھر وہ

(۶۹) روزنامہ جنگ کراچی/۲۴ دسمبر ۱۹۹۹ء (۷۰) ایضاً

(۷۱) ابوداؤد/السنن/ج ۳ ص ۶۸، رقم ۲۹۴۸، ورواہ الترمذی بمعناہ، ج ۳ ص ۶۴، رقم ۱۳۳۷

(۷۲) ابوداؤد ایضاً، ترمذی ایضاً

آج کے زندہ مسائل ۲۳۲ بے لاگ احتساب

لوگوں پر بے جا سختی سے پیش آئے تو تو بھی اس کے ساتھ سختی کر، اور جو نرمی اور ملاطفت کا معاملہ کرے تو تو بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرما۔ (۷۳)

اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:
جو شخص عوام کی خدمت کے لئے متعین کیا جائے اور پھر وہ لوگوں کی اتنی حفاظت نہ کرے جتنی اپنے گھر والوں کی کرتا ہے تو وہ شخص جنت کی بوجھی نہیں سونگھ سکے گا۔ (۷۴)

اس خیانت، عوام کی رقوم میں ناجائز تصرف اور عوام پر ہونے والی بے جا سختی کو روکنے کے لئے سخت احتساب کی ضرورت ہے، اور اسلام نے اس کا طریقہ کار بھی وضع فرما دیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا سد باب کس خوبی سے فرمایا تھا۔ بلاذری کا بیان ہے:

کان عمر بن الخطاب یکتب اموال اعماله اذا ولاہم ثم

یقاسمہم ما زاد علی ذالک (۷۵)

یعنی جب کسی شخص کو عامل مقرر کرتے تھے تو اس کے مال و اسباب کی مفصل فہرست تیار کروا کر رکھ لیتے تھے، پھر اگر اس کی مالی حالت میں اس دوران اضافہ ہوتا تو زائد رقم اس سے لے لیتے تھے۔ غور فرمائیے کہ کیا اس سے بہتر احتساب کا طریقہ ممکن ہے؟ اور کیا یہ آج ہمارے لئے قابل عمل نہیں ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی پر اکتفا نہیں فرمایا انہوں نے تمام عمال کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ حج کے موقع پر حاضر ہوں، وہ تمام لوگوں کی موجودگی میں یہ اعلان کرتے تھے کہ اگر کسی کو کسی عامل کے بارے میں کوئی شکایت ہو تو بیان کرے۔ چنانچہ جو شکایات پیش ہوتیں ان کی تحقیقات کے بعد ان کا تدارک کیا جاتا تھا۔ (۷۶) اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی جانب سے ہرج کے موقع پر اعلان ہوتا تھا کہ جو کسی کے ظلم کی اطلاع یا نیک مشورہ دے گا اسے سو

(۷۳) اسلام کا نظام امن/ص ۷۳ (۷۴) ایضاً

(۷۵) بلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر/فتوح البلدان/مسرا ۱۹۰، ص ۲۱۹

(۷۶) شبلی نعمانی/الفاروق/مکتبہ صدیقیہ ملتان ۱۹۵۲، ص ۳۲۵

آج کے زندہ مسائل

دینار سے تین سو دینار تک انعام ملے گا۔ (۷۷) بدعنوانی کے سد باب اور اس کا سراغ لگانے کے لئے آج بھی اس تجویز پر عمل پیرا ہو کر بہتر نتائج حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

قانون نافذ کرنے والے اداروں کا احتساب

اس حقیقت سے بھی کسی کو انکار نہیں ہوگا کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں خصوصاً پولیس کا کردار ہمارے ہاں ناقابل اطمینان اور سخت متنازع ہو چکا ہے، گزشتہ اور اس سے پیوستہ دور حکومتوں میں ”پولیس مقابلے“ سخت قومی و بین الاقوامی تنقید کا نشانہ بنے رہے، اور بعض اوقات ان کی بازگشت اعلیٰ عدلیہ تک میں سنی گئی، آج بھی ان کے بارے میں تحقیقات کرانے کے عندیئے مل رہے ہیں، اور حال ہی میں لاہور ہائی کورٹ کے ایک فاضل جج نے ایک مقدمے میں سخت ترین ریمارکس دیئے اور ڈی آئی جی لاہور کے سامنے فاضل جج نے کہا آپ کے ماتحت شہریوں کے ساتھ ایسا سلوک کر رہے ہیں جو جانوروں کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا۔ انہوں نے یہ تک کہا کہ قانون اجازت دیتا تو انسانیت کی تذلیل کرنے والے پولیس افسران کو زندہ جلانے کا حکم دیتے۔ (۷۸)

اس سے صورت حال کی سنگین کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، یقیناً اب اس معاملے میں کڑے احتساب میں اب مزید تاخیر نہیں کی جاسکتی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قانون کے نفاذ کے ذمہ داروں کو بھی اس بارے میں بڑی واضح ہدایات جاری فرمائی ہیں۔

حضرت ہشام بن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا ایک بار شام میں کچھ لوگوں پر سے گزر رہوا، جنہیں دھوپ میں کھڑا کر کے ان کے سروں پر تیل ڈالا جا رہا تھا، معلوم ہوا کہ یہ سخت عذاب ان سے خراج وصول کرنے کے لئے انہیں دیا جا رہا ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ فرمایا:

ان الله يعذب الذين يعذبون الناس في الدنيا (۷۹)

(۷۷) تاریخ دعوت و عزیمت / ج ۱ ص ۳۸ (۷۸) روزنامہ جنگ کراچی / ۳ مارچ ۲۰۰۰ء

(۷۹) مسلم / ج ۴ ص ۱۹۲، رقم ۲۶۱۳ کتاب الاسوال / ص ۴۲، رقم ۱۱۰

آج کے زندہ مسائل ۲۳۶ بے لگ احتساب

بلاشبہ اللہ انہیں عذاب دے گا جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں۔

پولیس وغیرہ کے جبر و تشدد کے بہت سے اسباب ہیں، ماضی میں اس کا اظہار جزئیے اور خراج وغیرہ ٹیکس کی وصولی میں زبردستی و جبر کے ذریعے ہوتا تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک بار جزئیے کا مال کثرت سے آیا، انہوں نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تم نے (اس قدر مال وصول کر کے) لوگوں کو بلاکت میں ڈال دیا ہوگا، عالمین بولے کہ نہیں خدا کی قسم ہم نے یہ مال ان کی سہولت اور خوش دلی سے وصول کیا ہے، حضرت عمرؓ نے پھر دریافت کیا، کیا بغیر کوڑے مارے اور بغیر لٹکائے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! اس پر حضرت عمرؓ نے کہا ”تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے میری حکومت کو جبر و تشدد سے محفوظ رکھا۔ (۸۰) پولیس کی زیادتیوں میں ناجائز دباؤ، رشوت اور دوسرے خلاف قانون امور بھی ہیں جن کی شریعت میں واضح ممانعت کی گئی ہے۔ (۸۱) ان روایات و نصوص کی روشنی میں ہمیں پولیس کے نظام کا جائزہ لے کر اس کا احتساب کرنا ہوگا اور اس میں اصلاحات کرنی ہوں گی۔

نظام محصولات کا احتساب

نظام محصولات دو پہلوؤں سے احتساب کا متقاضی ہے، ایک تو اس اعتبار سے کہ صحیح طور پر محصولات ادا نہیں کئے جاتے، اور ان کے حصول میں بہت سی خرابیاں درآئی ہیں، اس مسئلے کا دوسرا غور طلب پہلو یہ ہے کہ جو حاصل شدہ ٹیکس ہیں وہ بھی ملکی اور ریاستی ضرورتوں پر پوری طرح خرچ نہیں ہوتے، اور یا تو بالاجبی بلا صرف کردئے جاتے ہیں یا اعلیٰ پیمانے پر ہونے والی بدعنوانی کی نظر ہو جاتے ہیں، اس کی چند مثالیں پیش کی جا چکی ہیں، ٹیکس چوری کے متعلق کچھ عرصے قبل یہ خبر اخبارات کی زینت بنی تھی کہ سالانہ 140 ارب روپے ٹیکس چوری کی نظر ہو جاتے ہیں۔ (۸۲) جبکہ انسٹیٹیوٹ آف کاسٹ اینڈ منیجمنٹ اکاؤنٹنٹس پاکستان کی رپورٹ میں ٹیکس چوری ہونے والی رقم کا تخمینہ سالانہ ڈھائی کھرب روپے لگایا گیا ہے۔ (۸۳) اسلام جہاں اس

(۸۰) ایضاً / ص ۴۳، رقم ۱۱۴

(۸۱) رشوت کی ممانعت کے لئے ملاحظہ کیجئے: ترمذی، ج ۳ ص ۶۵، رقم ۱۳۴۱

(۸۲) روزنامہ جنگ کراچی، ۱۰ نومبر ۱۹۹۹، (۸۳) ایضاً، ۴ فروری ۲۰۰۰،

آج کے زندہ مسائل

بات پر زور دیتا ہے کہ حکومت وقت کی اطاعت کی جائے اور اس کے احکامات کو دل و جان سے تسلیم کیا جائے۔ (۸۴) جس میں حکومت کی جانب سے لگائے جانے والے ٹیکس اور دیگر انتظامی اقدامات بھی شامل ہیں۔ (۸۵) صاحب ہدایہ کہتے ہیں:

واما النوائب فان اريد بها مايكون بحق ككبرى النهر
المشترك واجر الحارس والموظف لتجهيز الجيش وفداء
الأسارى وغيرها جازت الكفالة بهاعلى الاتفاق (۸۶)
وہ محصول (ٹیکس) جو واقعتاً ضرورت کے لئے عائد کیا جائے مثلاً مشترکہ
مقاصد میں استعمال ہونے والی نہر کھودنے کے لئے یا پہرہ داروں کی
تنخواہوں کے لئے، یا فوج کی تیاری کے لئے یا قیدیوں کا فدیہ ادا کرنے
کے لئے تو بالاتفاق اس کی اجازت ہے۔

وہیں اجازت مذکورہ تصریح کے مطابق ریاست کی ضروریات کے لئے ہے، اسراف اور
حکومتی مناصب پر فرائز افراد کی عیش پسندانہ زندگی اور اللوں تللوں میں اڑانے کے لئے نہیں، اس
مقصد کے لئے عائد ہونے والا ٹیکس سراسر ظلم اور ناجائز ہے، صاحب ہدایہ نے اپنے مذکورہ بیان
کے فوراً بعد اس کی جانب اشارہ کیا ہے۔ (۸۷) اور شمس الائمہ رحمہ اللہ نے اپنے زمانے کے
امراء کا ذکر کرتے ہوئے یہ تک فرمادیا کہ

(۸۴) دیکھئے القرآن، سورۃ نساء آیت ۵۹، وغیرہ، یہ مضمون متعدد احادیث میں بھی بیان ہوا ہے، ملاحظہ
کیجئے مشکوٰۃ / کتاب الامارہ

(۸۵) ابن ہمام، کمال الدین محمد بن عبدالواحد، (م ۸۶۱ھ) فتح القدیر، مطبعہ کبریٰ الامیریہ، مصر،
۱۳۱۶ھ / ج ۵ ص ۴۳۲، ابن ہمام کے الفاظ یہ ہیں، لانہا واجبة علی کل مسلم موسر یا یجاب
طاعة ولی الامر فیما فیہ مصلحة المسلمین، ان ٹیکسوں کی ادائیگی ہر طاقت رکھنے والے مسلمان پر
اس لئے ضروری ہے کہ حکمرانوں کی اطاعت ان امور میں واجب ہے، جن میں مسلمانوں کی جہانی ہو۔

(۸۶) مرغینانی، برہان الدین علی بن ابی بکر، (م ۵۹۳ھ) الہدایہ / امین کمپنی جامع مسجد دہلی، ۱۳۵۸ھ،
ج ۳ ص ۱۰۹ (۸۷) مرغینانی / محمولہ بالا

آج کے زندہ مسائل ۲۳۸ بے لاگ اعتبار

لیکن ہمارے زمانے میں چونکہ عموماً یہ محصول ظلماً وصول کئے جاتے ہیں اس

لئے اس ظلم کے ازالے کا جس کو جتنا موقع ملے اتنا ہی بہتر ہے۔ (۸۸)

اس لئے جہاں بلا امتیاز سب سے ٹیکس کی وصول یابی ضروری ہے وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ ٹیکسوں کا نظام شفاف اور ٹیکسوں کی شرح حقیقت پسندانہ بنائی جائے، جس میں ظلم کا پہلو موجود نہ ہو، نیز ان کے استعمال میں بھی احتیاط کا مظاہرہ کیا جائے، کیونکہ یہ قومی امانت ہیں، پھر ٹیکس وصول کرنے والوں کی جانب سے اس سلسلے میں غبن کرنا اور اس میں خورد برد کرنا بھی بہت بڑا جرم ہے، آپ ﷺ نے اس کی سخت سزا بیان فرمائی ہے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے یمن کی جانب بھیجا میرے روانہ ہونے کے بعد ایک شخص کو مجھے بلانے کے لئے روانہ کیا، جب میں آ گیا تو فرمایا تمہیں پتہ ہے میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟ پھر فرمایا: میری اجازت کے بغیر کبھی کسی سے کوئی چیز مت لینا، کیونکہ یہ خیانت ہے اور جو شخص خیانت کرے گا وہ اسے قیامت کے دن لے کر آئے گا، میں نے تمہیں یہی بتانے کے لئے بلایا تھا اب جاؤ۔ (۸۹)

این جی اوز کا احتساب

یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ سماجی ترقی میں این جی اوز کا بڑا کردار ہے، ان غیر سرکاری رضا کار تنظیموں نے پاکستان کی ترقی اور تعمیر میں کافی کوششیں کی ہیں، مگر ہر شعبے کی مانند اس اہم شعبے میں بھی بدعنوان عناصر کی کمی نہیں بلکہ ان کا مسئلہ تو اس لئے بھی زیادہ سنگین ہو چکا ہے کہ اس میں ملک دشمن اور مذہب مخالف سرگرمیوں میں مصروف افراد بھی موجود ہیں، ایک رسالے نے کچھ عرصے قبل اپنے ادارے میں ان کی بدعنوانیوں کے یہ نکات شائع کرائے تھے۔

۱۔ حاصل ہونے والے فنڈ کا بیشتر حصہ ہضم کر جاتے ہیں۔

۲۔ انسانی حقوق کے نام پر کام کرنے والی بہت سی تنظیمیں قرآن و سنت کے صریح

احکامات کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے میں ملوث ہیں۔

آج کے زندہ مسائل

بے لاگ احتساب

۳۔ بعض تنظیمیں قومی وحدت اور ملکی سالمیت کے خلاف کام کرنے والوں اور بین الاقوامی

تخریب کاروں کی پناہ گاہ بن چکی ہیں۔

۴۔ مسیحی مشنریاں مسلمانوں کو غیر مسلم بنانے میں مصروف ہیں۔

۵۔ بعض تنظیمیں سیاسی و مذہبی جماعتوں اور صحافیوں میں بدعنوانی پھیلانے میں سرگرم

ہیں۔ (۹۰) اسی دوران ایک اہم خبر بھی اخبارات کی زینت بنی کہ عراق میں امریکہ نے اقوام

متحدہ کے ذریعے جاسوسی کروائی، اقوام متحدہ براہ راست یا بالواسطہ بے شمار ادارے کنٹرول کر رہی

ہے، بالواسطہ کام کرنے والوں میں این جی اوز بھی شامل ہیں، جنہیں زیادہ تر فنڈ اقوام متحدہ ہی

دیتی ہے، ان انکشافات نے اقوام متحدہ اور این جی اوز کے کردار کو سراسر مشکوک بنا دیا ہے۔ (۹۱)

یہ حالات ہم سب کے لئے لمحہ فکریہ ہیں، ہمیں کوشش کرنی ہوگی کہ ان تنظیموں کا بے

لاگ احتساب کیا جائے اور کھرے اور کھولے کی پہچان کی جائے، یہ ایک صبر آزما کام ہے، کیونکہ

ایک محتاط اندازے کے مطابق صرف پنجاب میں ۴۰ ہزار سے زائد این جی اوز رجسٹرڈ

ہیں۔ (۹۲) خصوصاً ملک اور اسلام مخالف سرگرمیوں کا فوری محاسبہ ضروری ہے۔

حضور ﷺ کے زمانے میں منافقین کا ایک سازشی گروہ موجود تھا جس نے اسلام مخالف

قوتوں سے ساز باز کر کے اسلام اور آنحضرت ﷺ کو نقصان پہنچانے کی مذموم کوششیں کیں،

منافقین کی سازشوں اور فتنج عادات کا ذکر قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ (۹۳)

منافقین نے مسلمانوں کے راز کفار و مشرکین کو فراہم کرنے کی بھی کوششیں کیں اور متعدد مواقع پر

کفار کو مسلمانوں کے خلاف اقدامات پر ابھارا، چنانچہ مشہور یہودی سردار کعب بن اشرف انہی

میں سے ایک تھا، مسلمانوں کو جب غزوہ بدر میں فتح ہوئی تو اسے سخت صدمہ پہنچا، کچھ عرصے بعد وہ

مکہ روانہ ہوا، جہاں وہ عبدالمطلب بن ابی وداعہ کے ہاں ٹھہرا، اس نے بدر میں مارے جانے

(۹۰) پندرہ روزہ الشریعہ، گوجرانوالہ / الشریعہ اکیڈمی گوجرانوالہ / ۱۶ جنوری ۱۹۹۹ء (۹۱) روزنامہ

اوصاف اسلام آباد / ۹ جنوری ۱۹۹۹ء

(۹۲) پیر سید محمد بنیامین رضوی / الشریعہ، گوجرانوالہ / ۱۶ جنوری ۱۹۹۹ء / ص ۱۰

(۹۳) ملاحظہ کیجئے سورۃ بقرہ، آل عمران، توبہ، منافقون

آج کے زندہ مسائل

والے مشرکین مکہ کے مریضے لکھے اور متعدد طریقوں سے انہیں مسلمانوں پر حملے پر اکسایا۔ (۹۴) اس نے بہانے بہانے سے آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کی بھی سازش کی۔ (۹۵) جس کے نتیجے میں اس کو قتل کیا گیا۔ (۹۶) اس طرح آپ ﷺ نے اس سازش کا خاتمہ کیا جو ریاست اور مسلمانوں دونوں کے لئے نقصان دہ تھی۔

اسی طرح غزوہ خندق کے موقع پر جی بن اخطب نے سازش کر کے اور بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کو سبز باغ دکھا کر جس نے حضور اکرم ﷺ سے امن و صلح کا معاہدہ کیا ہوا تھا، اس معاہدے کو ختم کر دیا۔ (۹۷) آپ ﷺ نے ان تمام اندرونی سازشوں کا جس طرح مقابلہ کیا وہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے اور ہمیں اس سے یہی تعلیم ملتی ہے کہ بیرونی خطرات کے ساتھ ساتھ اندرونی خطرات سے بھی غافل نہیں رہنا چاہیے، ہمیں این جی اوز کے معاملات کا بھی اسی تقاضے میں جائزہ لینا ہوگا۔

معاشی معاملات کا احتساب

معاشی زندگی بھی ہم سے بھرپور توجہ کا تقاضہ کر رہی ہے، کیونکہ آج غربت اور کمزور مالی حالت انتہا کو پہنچی ہوئی ہے، کساد بازاری بھی انتہا پر ہے اور پورا معاشی ڈھانچہ ہم سے احتساب مسلسل اور اصلاح مکمل کا متقاضی ہے، غربت و فاقہ کشی کس حد تک بڑھ چکی ہے اس کے اندازے کے لئے یہی کافی ہے کہ گزشتہ چند برسوں میں خود کشی کے واقعات میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے، اور ان میں اکثر کا سبب غربت تھی، دیکھا جائے تو اس کا بڑا سبب معاشیات کے حوالے سے ہمارا غیر حقیقت پسندانہ نظریہ اور ہمارے غیر اسلامی معاشی اصول ہیں، جن کی وجہ سے ہم مسلسل مالی مشکلات اور معاشی وسائل کی کمی کا شکار ہیں، ہماری ان کوتاہیوں میں سرفہرست سودی کاروبار ہے، جس کے بارے میں واضح ارشادِ بانی ہے کہ

(۹۴) ابنِ ہشام / ج ۳ ص ۱۳۹، ابوالفتح محمد بن محمد بن محمد، م ۳۴ ص ۷۰ عیون الاثر

دار ابن کثیر، بیروت، ۱۹۹۲ء، ج ۱ ص ۴۲۸

(۹۵) ابن حجر العسقلانی، م ۸۵۲ / فتح الباری / قدیمی کتب خانہ، راپڑی، ج ۷ ص ۴۲۸

(۹۶) فتح الباری / مآخذ ابن ہشام / مآخذ ابن ہشام، ج ۳ ص ۲۶۱

آج کے زندہ مسائل ۲۴۱

بے لاک احتساب

اگر تم سودی کاروبار ترک نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے

جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ (۹۸)

ہمارے ہاں بازاروں میں جو برائیاں عام طور پر رائج ہیں، ان میں دھوکہ دہی اور ملاوٹ عام ہے، اس کی آپ ﷺ نے سخت ممانعت فرمائی اور اسے غیر اسلامی فعل قرار دیا، ایک بار آپ ﷺ کا بازار سے گزر ہوا، آپ ﷺ نے غلے کے ایک ڈھیر کا معائنہ کیا تو اس میں خراب گندم ملی ہوئی محسوس ہوئی، آپ ﷺ نے مالک کو سخت سرزنش کی اور فرمایا کہ

مسلمانوں کے باہمی معاملات میں دھوکہ دہی نہیں ہونی چاہئے، جس نے

ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔ (۹۹)

ہمارے ہاں ناپ تول میں کمی کا بھی بہت رواج ہو چکا ہے، بلکہ شاید یہ کہنا غلط نہ ہو کہ اسے برائی ہی تصور نہیں کیا جاتا، حالانکہ قرآن کریم نے اس پر سخت وعید فرمائی ہے، ارشاد ہے:

وَبَلِّغْ لِلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝

بلاکت ہے (ناپ تول میں) کمی بیشی کرنے والوں کے لئے، وہ لوگ کہ

جب ناپ کر لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا

تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ (۱۰۰)

آپ ﷺ نے ان برائیوں کے انسداد اور سد باب کے لئے باقاعدہ بازاروں کے نگران افراد کا تقرر فرمایا تھا جو بازاروں میں جا کر وہاں کی صورت حال کا جائزہ لیتے تھے، چنانچہ حلبی نے بیان کیا ہے کہ بازاروں کے احتساب کے لئے آپ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد سعد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کے بازار میں اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو مدینہ

(۹۸) البقرہ: ۲۸۹، پوری آیت یوں ہے فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله ورسول

(۹۹) داری/السنن/ج ۲ ص ۳۲۳، رقم ۲۵۴۱

ابو بکر احمد بن حسین بن علی (م ۳۵۸) / السنن الکبریٰ / دار الفکر، بیروت ۱۹۹۲، ج ۸ ص ۹۵، رقم ۱۰۵۵۹

(۱۰۰) المطففین: ۳۳۱

بے لاگ احتساب
منورہ کے بازار میں مقرر فرمایا تھا۔ (۱۰۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مارکیٹ انسپیکٹر کا تصور سب سے پہلے آپ ﷺ نے ہی پیش فرمایا تھا۔

احتساب کی درخشاں مثالیں

احتساب کے عنوان پر گفتگو ختم کرتے ہوئے مناسب ہے کہ اسلامی احتساب کی چند درخشاں مثالیں بھی پیش کر دی جائیں، تاکہ ہمارے لئے عادلانہ، منصفانہ اور بے لاگ احتساب کے قیام کے لئے اسوۂ حسنہ اور خلفاء راشدین کے طرز عمل سے صحیح نمونہ عمل سامنے آ سکے، اور غیر جانبدارانہ نظام احتساب کے بنیادی خطوط واضح ہو سکیں۔

۱۔ حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ایک بار آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو بنی سلیم کے صدقات وصول کرنے کے لئے اپنا عامل مقرر کر کے روانہ کیا، جب مال وصول کر کے وہ لوٹا تو آپ ﷺ نے رقم کا حساب طلب کیا، اس پر وہ کہنے لگا کہ یہ تو آپ ﷺ کا مال ہے یعنی وصول ہونے والے صدقات ہیں اور یہ مجھے بدیہ ملا ہے، یہ سن کر آپ ﷺ غصے ہوئے اور فرمایا:

فہلا جلست فی بیت ابیک وامک حتی تاتیک

ہدیتک، ان کنت صادقاً

اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو تم کیوں نہ اپنے ماں باپ کے گھر

بٹھے رہے، یہ بدیہ وہیں تمہارے پاس آ جاتا؟

پھر آپ ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اس عمل کی سخت مذمت فرمائی۔ (۱۰۲)

۲۔ فتح مکہ کے بعد جب طائف فتح ہوا تو اس میں صحرائی ایک رئیس کا بڑا ہاتھ تھا،

انہوں نے ہی اہل شہر کو مصالحت پر آمادہ کیا تھا، مگر اس کے بعد مغیرہ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ عنہ آئے اور آپ ﷺ سے شکایت کی کہ صحرائے میری پھوپھی پر قبضہ کر رکھا ہے، آپ ﷺ نے صحرائے کو حکم

(۱۰۱) حلبی، علی بن برہان الدین، م ۱۰۴۲ھ/ انسان العیون/ دار المعرفہ، بیروت/ ج ۳ ص ۲۴۲

(۱۰۲) بخاری/ تصحیح/ ج ۳ ص ۱۴۶

دیا کہ ان کی پھوپھی واپس کر دیں، پھر بنو سلیم آئے کہ صخر نے ہمارے زمانہ گھر میں ہمارے چشمے پر قبضہ کر لیا تھا، اب ہم اسلام لائے ہیں، اب ہمارا چشمہ ہمیں واپس دلادیں، آپ ﷺ نے صخر کو چشمہ بھی واپس کرنے کا حکم دیا، راوی کا بیان ہے کہ صخر نے دونوں حکم منظور کئے مگر آپ ﷺ کے چہرہ انور پر شرم سے سرخی آگئی کہ دونوں معاملوں میں انہیں شکست ہوئی اور فتح طائف کا انہیں کوئی صلہ نہیں ملا۔ (۱۰۳) مگر اس کے باوجود احتساب کے تقاضے آپ ﷺ نے پورے کئے اور متاثرین کو فوری انصاف فراہم کیا۔

۳۔ شاہ غسان جہلم نے ایک مرتبہ ایک عام عرب کو تھپہ مار دیا، یہ مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، وہ اگرچہ بادشاہ تھا مگر انہوں نے فیصلہ سنا دیا کہ یا تو تم اسے راضی کرو ورنہ وہ بدلہ لے گا، یہ فیصلہ شاہ غسان پر بہت شاق گزرا، اس نے کہا کیا آپ کے نزدیک عام عرب اور ایک بادشاہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا، ”نہیں قطعاً نہیں، اسلام نے تم دونوں کو یکساں مقام عطا کیا ہے۔“ (۱۰۴)

۴۔ ایک بار حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے امامت کرائی اور مدائن میں ایک چبوترے پر چڑھ کر نماز پڑھانے لگے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کا دامن پکڑ کر کھینچ لیا اور سوال کیا کہ کیا آپ کو علم نہیں کہ عہد نبوت میں لوگوں کو اس سے روکا جاتا تھا؟ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ بولے کہ ہاں آپ نے کہا تو مجھے یاد آیا۔ (۱۰۵)

۵۔ اسی طرح حضرت ابوتیمیمہ کا معمول تھا کہ روزانہ نماز فجر کے بعد وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اس دوران اگر کوئی آیت سجدہ آجاتی تو اسی وقت سجدہ و تلاوت ادا کرتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو معلوم ہوا تو آپ نے منع فرمایا اور انہیں یہ بات بتائی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ وہ نماز کے بعد طلوع آفتاب ہو جائے اس پر گزرجسدہ نہ کرتے تھے۔ (۱۰۶)

(۱۰۳) شبلی نعمانی / سیرت النبی / ج ۲ / ص ۱۸۵

(۱۰۴) رفیق بک / اشہر مشاہیر الاسلام / ج ۲ / ص ۲۸۲

(۱۰۵) ابوداؤد / ج ۱ / ص ۲۳۴۔ رقم ۵۹۷ (۱۰۶) ابوداؤد / ج ۱ / ص ۵۲۶۔ رقم ۱۴۱۵

آج کے زندہ مسائل

۲۴۴

بے لاگ احتساب

اختتام

جو کچھ اوپر بیان ہوا، وہ یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ اگر ہم غیر جانبدارانہ، منصفانہ و عادلانہ اور بے لاگ احتساب کا ایک مکمل نظام قائم کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے سیرت طیبہ اسوۂ حسنہ اور تعلیمات نبوی ﷺ میں مکمل اور مفصل راہنمائی موجود ہے، ضرورت صرف خلوص نیت اور یقین کامل کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہونے کی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

پاکستان کے لیے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

قومی سیرت النبی ﷺ کانفرنس ۲۰۰۲ء
وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، اسلام آباد

آپ کی تعلیمات اور انداز تعلیم و تربیت کا یہ غور جائزہ لینے والے اہل علم و دانش بخوبی جانتے ہیں کہ جدید دور کی تعلیمی انفعیات کے انگنت پہلو آپ ﷺ کی تعلیمات ہی سے ماخوذ اور آپ ﷺ کے انداز تربیت ہی سے مستفاد ہیں، یہی تمام تعلیمات ہمارے لئے ایک مثالی نظام تعلیم و تربیت کی بنیاد بن سکتی ہیں، اور انہی پر عمل پیرا ہو کر ہم دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں کے سزاوار و مستحق ٹھہر سکتے ہیں۔ ضرورت صرف عمل کی ہے، اگر جذبہ عمل موجود نہ ہو تو خوبصورت ترین الفاظ اور قیمتی مفہیم بھی خوشنما ٹکڑا غذائی گلدستے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے، جن سے چند لمحوں کے لئے نظروں کو تو بہلایا جاسکتا ہے، مگر ان سے کسی طرح کے فائدے کے حصول کی امید رکھنا کار عبث اور اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔

تمہید

ابتدائے آفرینش سے یہ سنت اللہ چلی آرہی ہے کہ عالم آب و گل میں کارزیت کو صحیح خطوط پر استوار رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ مختلف انبیاء و مرسلین علیہم السلام مبعوث فرماتا رہا ہے، ان انبیاء کا مقصد واحد انسانوں کی تعلیم و تربیت تھا۔ یہ سلسلہ خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد اور بعثت مبارکہ پر ختم ہوا، حضور اکرم ﷺ کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے:

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رُسُلًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ

جیسا کہ ہم نے تم میں سے ایک رسول تمہارے لئے بھیجا، جو تمہیں ہماری آیات (قرآن حکیم) پڑھ کر سناتا ہے، اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب (قرآن کریم) اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور تمہیں ایسی باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے۔ (۱)

قرآن و حکمت کی یہ تعلیم اسلام کے نظام تعلیم کی اساس اور اس کا بنیادی جز ہے، یہی وہ کڑی ہے جو اسلامی اور غیر اسلامی نظام تعلیم کے مابین ماہہ الامتیاز ہے۔

حضور اکرم ﷺ تمام عالم کے لئے مبعوث ہوئے، اور آپ کے بارے میں فرمایا گیا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا

اور آپ ﷺ کو تمام انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر مبعوث کیا گیا

ہے۔ (۲)

اور آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ اور پوری حیات طیبہ اس امر کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ

کی زندگی کا عملی حصہ انہی مقاصد کے لئے وقف رہا، اور آپ کے فیضانِ نظر، اور شبانہ روز کاوشوں کے زیر اثر عرب کا چپہ چپہ، جہاں آپ ﷺ کی آمد اور بعثت باسعادت سے قبل جہالت کی ظلمت

آج کے زندہ مسائل

مثالی نظام تعلیم کی تشکیل

اور کفر کی ضلالت چھائی ہوئی تھی، یکا یک نور ایمانی اور علم کی تابانی سے جگمگا اٹھا، اور صدیوں کی وحشتوں میں چھپ گئی، برسوں کی گمراہی ایام میں دور ہو گئی، اور گمراہی و تاریکی کا ہر عنوان روشنی، ہدایت و رہنمائی سے تبدیل ہو گیا۔

آپ ﷺ کی تعلیمات زندگی کے ہر شعبے کو حاوی ہیں، وہاں کسی قسم کا فرق و امتیاز نہ تھا، ہر مسئلے اور ہر معاملے میں رائے واضح، موقف دونوں اور مقصد نہایت روشن تھا۔ آپ کی تعلیمات اور انداز تعلیم و تربیت کا بہ غور جائزہ لینے والے اہل علم و دانش بخوبی جانتے ہیں کہ جدید دور کی تعلیمی نفسیات کے اگنت پہلو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہی سے ماخوذ اور آپ ﷺ کے انداز تربیت ہی سے مستفاد ہیں۔ اس بنا پر یہی تمام تعلیمات ہمارے لئے ایک مثالی نظام تعلیم و تربیت کی بنیاد بن سکتی ہیں، اور انہی پر عمل پیرا ہو کر ہم دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں کے سزاوار و مستحق ٹھہر سکتے ہیں۔

ضرورت صرف عمل کی ہے، اگر جذبہ عمل موجود نہ ہو تو خوبصورت ترین الفاظ اور قیمتی مفاد ہم بھی خوشنما مگر کاغذی گلدستے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے، جن سے چند لہجوں کے لئے نظروں کو تو بہلایا جاسکتا ہے، مگر ان سے کسی طرح کے فائدے کے حصول کی امید رکھنا کار عبث اور اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔

زیر نظر مقالے میں چند ضروری تمہیدی مباحث کے علاوہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ایک مثالی اسلامی تعلیمی نظام کی تشکیل کے لئے ضروری بنیادی خدوخال نمایاں کرنے کی کوشش کی جائے گی، اور غور کیا جائے گا کہ ان مقاصد کا حصول کس طرح ممکن ہے۔

جبکہ مقالے کے آخری حصے میں انہی کی روشنی میں چند تجاویز پیش کی جائیں گی، جن میں واضح کیا جائے گا کہ ایک مثالی اسلامی تعلیمی نظام کی تشکیل کے حصول کا کیا طریقہ کار ہے؟

اللھم وفقنا لما تحب وترضی، آمین۔

آج کے زندہ مسائل علم

علم کے معنی معلومات اور درکات یعنی جاننے اور پہچاننے کے ہیں۔ یہ باب مع سے ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے راجل عالم وعلیم۔ (۳) اس کی جمع علوم اور عالم کی جمع علماء وعلام آتی ہے (۴) لفظ علم کی نسبت جب انسان کی طرف کی جائے اور یوں کہا جائے علم الرجل تو معنی ہوں گے، حصلت له حقيقة العلم (۱) سے علم کی حقیقت حاصل ہوگئی) اور اگر یہ کسی شئی یا امر کی طرف منسوب ہو اور یوں کہا جائے، علم علم الشئی یا علم الامر تو اس وقت معنی ہوں گے کہ عرفه و تقينه (۲) اسے اس چیز کی معرفت اور کامل یقین حاصل ہو گیا۔ (۵)

علم اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے، اللہ تعالیٰ علیم، عالم اور علام ہے۔ (۶) اللہ تعالیٰ کی یہ صفات قرآن حکیم میں بھی بیان ہوئی ہیں: هو الخلاق العلیم (۷) عالم الغیب والشهادة (۸) علام الغیوب (۹) معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ہماکان ویکون کو اس کے ہونے سے قبل ہی جاننے والا ہے، اور اس سے اس کائنات کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی مخفی نہیں، وہ تمام اشیا کے چھوٹے بڑے، ظاہری و باطنی ہر طرح کے حقائق کا جاننے والا ہے، (۱۰)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

ليس العلم بكثرة الحديث و لكن العلم بالخشية (۱۱)

علم کثرت سے احادیث (اور اسلامی احکام) جاننے کا نام نہیں، علم تو خشیت الہی کا نام ہے۔

اور امام زہری کے بقول ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کی تائید اس فرمان خداوندی سے ہوتی ہے:

(۳) فیروز آبادی/ القاموس المحیط/ دار الفکر، بیروت/ ج ۳ ص ۱۵۳ (۴) ایضاً

(۵) لوہب معلوف/ المنجد/ مطبعہ کا تولیدیہ، بیروت، ۱۹۴۷ء، ص ۵۵ (۶) ابن المنظور/ لسان العرب

نشر ادب الخوزہ قم ایران، ۱۴۰۵ھ/ ج ۱۲ ص ۲۱۶ (۷) الحجر: ۸۶ (۸) العنکبوت: ۲۲

(۹) المائدہ: ۱۰۹ (۱۰) لسان العرب/ محمولہ: ۱۱ (۱۱) ایضاً

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ

بلاشبہ اللہ سے اس کے بندوں میں سے صرف علمای ڈرتے ہیں۔ (۱۲)
اسی طرح امام مالک سے بھی منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

ليس العلم بكثرة الروايات، انما العلم نور يجعله الله تعالى
فی القلب (۱۳)

علم کثرت سے روایات جاننے کا نام نہیں، بلاشبہ علم تو ایک نور ہے جو اللہ
دل میں القافر ماتے ہیں۔
اور حضرت مسروق کا قول ہے:

كفى بالمرء علما ان يخشى الله، وكفى بالمرء جهلا ان
يعجب بعلمه (۱۴)

کسی شخص کے عالم ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتا
ہو، اور کسی شخص کی جہالت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے علم پر ناز
کرتا ہو۔

جبکہ بعض علما کے بقول عالم کی تعریف یہ ہے:

اجهل الناس من ترك ما يعلم، واعلم الناس من عمل
بما يعلم (۱۵)

سفیان بن عیینہ سے عالم اور جاہل کی تعریف اس طرح منقول ہے، فرمایا
لوگوں میں سب سے بڑا جاہل وہ ہے جو اس پر عمل نہ کرے جو وہ جانتا
ہے، اور لوگوں میں سب سے بڑا عالم وہ ہے جو اپنے علم پر عمل پیرا

(۱۲) الفاطر: ۲۸ (۱۳) مولانا سید محبوب حسن واسطی/حضور ﷺ کا تعلیمی انقلاب/شش ماہی السیرہ

عالمی/مدیر سید فضل الرحمن، شمارہ ۳، جون ۲۰۰۰ء/ص ۸۰

(۱۴) دارمی، عبد اللہ بن عبد الرحمن/السنن/قدیمی کتب خانہ، کراچی، ج ۱، ص ۱۰۴، رقم ۳۱۳

(۱۵) ایضاً، ص ۱۰۶، رقم ۳۳۰

آج کے زندہ مسائل

۲۵۱

شمالی نظام تعلیم کی تشکیل

ہو۔ (۱۶)

راغب اصفہانی علم کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

العلم ادراک الشئ بحقیقته، و ذالک ضربان، احدهما
ادراک ذات الشئ و الثانی الحکم علی الشئ بوجود
الشئ، هو موجود له، او نفی شی، هو منفی عنه (۱۷)

علم کسی شئی کی حقیقت کے ادراک کا نام ہے، اور یہ دو طرح ہے، ایک
ذات شئی کا ادراک اور دوسرے کسی چیز پر کسی دوسری چیز کی موجودگی کے
باعث حکم لگانا، جو اس کے لئے موجود ہے، یا اس کی نفی کرنا، جو اس سے
منفی ہے،

ارسطو کہتا ہے کہ علم ادراک کلی کا نام ہے، وہ کہتا ہے:

العلم ادراک کلی ای ادراک الماہیة النی هی کلیة بالقوة
وتصیر کلیة بالفعل متی التفت العقل الی جزئیاتہا الحقیقیة
و الممكنة (۱۸)

علم ادراک کلی کا نام ہے، یعنی اس ادراک ماہیت کا نام ہے جو کلیتاً بالقوة
موجود ہے، اور جسے اس وقت بالفعل بنایا جاسکتا ہے، جب کہ عقل انسانی
اس کی حقیقی و امکانی جزئیات کی جانب ملتفت ہو جائے۔

ملا علی قاری اس کی تعریف میں فرماتے ہیں:-

العلم نور فی قلب المؤمن مقتبس من مصابیح مشکوة النبوة
من الاقوال المحمدية والافعال الاحمدية والاحوال
المحمودية يهتدى به الى الله و صفاته و افعاله و احكامه (۱۹)

(۱۶) ایضاً (۱۷) راغب اصفہانی / المفردات / مصطفی البابی الحلی، مصر، ۱۹۶۱ء، ص ۳۴۳

(۱۸) یوسف خیاط، ندیم مرعشی / المصطلحات العلمیة والفنیة / نشر ادب الحوزہ، قم ایران، ۱۴۰۵ھ، ج ۲ ص

۱۷۴ (۱۹) ملا علی قاری / مرقاۃ المفاتیح / مکتبہ امدادیہ، ملتان، ج ۱ ص ۶۶۴

علم وہ نور ہے جو قلبِ مومن میں موجزن ہوتا ہے، اور مشکوٰۃ نبوت کے چراغوں سے آپ ﷺ کے اقوال و افعال اور احوال کی صورت میں ماخوذ ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کی صفات، افعال و احکام کی جانب رہنمائی کرتا ہے

تعلیم

لفظِ تعلیم اسی مادے علم سے بابِ تفعلیل سے ہے، اس کے معنی ہیں علم دینا، اور دوسروں کو سکھانا، اس کے معنوی مفہوم میں بار بار اور کثرت سے خبر دینا شامل ہے، جس سے اس کا مفہوم متعلم کے ذہن میں محفوظ ہو جائے۔ (۲۰)

پروفیسر سید محمد سلیمؒ فرماتے ہیں کہ تعلیم لکھنے اور پڑھنے کا نام نہیں، اس کو تو خواندگی (Literacy) کہتے ہیں، یہ تو ایک قسم کی ہنرمندی اور کاریگری ہے، یہ تو دنیا کی تمام قوموں میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے، تعلیم صنعت و حرفت کا نام بھی نہیں ہے، اس کو کاردانی اور کارآموزی (Instruction) کہتے ہیں۔ تعلیم محض سائنس اور آرٹس کی معلومات حاصل کرنے کا بھی نام نہیں ہے، یہ معلومات کی ذخیرہ اندوزی ہے۔ تعلیم خواندگی، ہنرمندی معلومات اندوزی سے بہت ارفع اور اعلیٰ شئی ہے، تعلیم ایک خاص نظریہ حیات کو فروغ دینے کا نام ہے، مخصوص انداز فکر و نظر اختیار کر لینے کا نام ہے، انسانی زندگی کے مختلف مظاہر کو ایک خاص انداز سے برتنے کا نام ہے، مظاہر کائنات کو ایک خاص رخ سے دیکھنے کا نام ہے، تعلیم قومی نظریہ حیات سے طالب علموں کے ذہن کو مزین کر دینے کا نام ہے۔ (۲۱)

تعلیم کے لئے انگریزی میں لفظ ایجوکیشن (Education) استعمال ہوتا ہے، جس کے معنی میں تعلیم و تربیت اور تہذیب شامل ہیں۔ (۲۲) اور اس کا مصدر ایجوکیٹ (Educate) ہے۔ جس کے معنی ہیں تربیت دینا (۲۳) یہ اصل میں لاطینی زبان کے لفظ (Edex) بہ معنی نکالنا

(۲۰) پروفیسر خورشید احمد / اسلامی نظام حیات / جامعہ کراچی، کراچی، ۹۳ء / ص ۴۲۲

(۲۱) پروفیسر سید محمد سلیمؒ / مغربی تعلیم کی مخالفت کیوں؟ / ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۱۹۹۱ء / ص ۲۸

Baba-e-urdu the students' standard english urdu (۲۲)

dictionary/ Anjuman taraqqi e urdu Karachi. 710, P-362 (۲۳) ایضاً

آج کے زندہ مسائل

اور (Duler-Dul) بہ معنی راہنمائی سے ماخوذ ہے، (۲۴) اور اس کے معنی معلومات جمع کرنے اور مخفی صلاحیتوں کو نکھارنے کے بنتے ہیں۔ انسانی کلویڈ یا آف ڈیکشنریز کے بقول تعلیم انسانی ذہن اور مختلف اعضا کو مہذب و تربیت یافتہ بنانے کا نام ہے۔ (۲۵) اس تشریح کی روشنی میں جان ملٹن کی تعریف ملاحظہ کیجئے، وہ کہتا ہے۔

میرے نزدیک مکمل اور شریفانہ تعلیم وہ ہے، جو انسان کو بحالت جنگ و امن اپنی اجتماعی و نجی زندگی کے فرائض دیانت و مہارت اور عظمت کے ساتھ ادا کرنے کے لئے تیار کرتی ہے۔ (۲۶)

تعلیم کی اہمیت اسلام کی نظر میں

اسلام تعلیم کو جو اہمیت دیتا ہے، وہ کسی اور چیز کو نہیں دیتا، تعلیم بنیادی انسانی ضروریات میں سے ہے، اور اس کی کثیر الحجث اہمیت خود اس امر کی متقاضی ہے کہ اسے بھرپور توجہ کا مستحق قرار دیا جائے۔ ایک اسلامی نظریاتی مملکت ہونے کے ناتے بھی ہمارے لئے یہ لازم ہے کہ تعلیم کو بھرپور اہمیت دیں۔ کیونکہ ایک نظریاتی ریاست کو بیک وقت دو محاذوں پر نہرہ آزما ہونا پڑتا ہے، ایک تو فوجی دفاع کا محاذ دوسرا نظریاتی سرحدوں کا محاذ، دوسرے محاذ میں اس ریاست کے نظریات کے تناظر میں تہذیبی، تمدنی اور ثقافتی، مذہبی و دینی روایات، افکار و اقدار اور اعتقادات کا تحفظ شامل ہے۔ یہ محاذ اس لئے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ اس پر حملہ خواہ باہر سے ہو یا اندر سے، اس کا مقابلہ جدید عصری شعور سے بہرہ ور اور اپنی دینی و مذہبی و ثقافتی تعلیمات و روایات سے مکمل طور پر بہرہ مند افراد ہی کر سکتے ہیں، جس کے لئے تعلیم از بس ضروری ہے۔ اور اسی سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ ہمیں نظام تعلیم کس نوع کا درکار ہے؟

علم کا حصول تخلیق انسانی کا ایک اہم جز ہے، یہی وہ جوہر ہے جس کی بنا پر انسان کو نوری

ShIPLEY. Joseph T./ Dictionary of word origins ames. lows. (۲۴)

Webster Encyclopedia of dictionarlies new (۲۵) P 114.

John Milton/ A reqagitica (۲۶) American edition vol. 1, P 121

and other prose works every man's library. P 46

آج کے زندہ مثال ۲۵۴

مثالی نظام تعلیم کی تشکیل

مخلوق فرشتوں پر بھی فضیلت عطا ہوئی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَرِّسُ لَكَ قَالِ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٠﴾
وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ
أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿٢١﴾

اور (اے محمد ﷺ وہ وقت یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں، انہوں نے (فرشتوں نے) کہا کہ کیا اس (زمین) میں ایسے شخص کو (خلیفہ) بنائے گا جو اس میں فساد اور خونریزی کرے گا؟ حالانکہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں، اور اس پر تیری حمد بھی کرتے ہیں کہ تو نے ہمیں اپنی تسبیح کی توفیق دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، بیشک (ان اسرار کو) میں جانتا ہوں، جن کو تم نہیں جانتے۔ اور اس (اللہ تعالیٰ) نے آدم کو تمام کام سکھا دیئے، پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے کر کے فرمایا کہ اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو تو مجھے ان سب چیزوں کے نام بتاؤ۔ (۲۱)

ان آیات سے یہ بھی واضح ہوا کہ علم انسان کے ضمیر ہی میں ڈال دیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے اسے وہ صلاحیتیں ودیعت فرمائی تھیں، جن کے بل پر اس کو دائمی فضیلت اور دوسری تمام مخلوقات پر اس کی حاکمیت قائم ہو سکتی ہے۔ (۲۸)

اسلام نے علم کو بہت بلند درجہ عطا کیا ہے، قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر فرمایا:

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ
قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٨﴾

(۲۸) البقرہ: ۳۰، ۳۱

(۲۸) سید عزیز الرحمن، تعلیمی شخصیت و فلاح انسانیت، زوار اکیدی جہلی کیشنر، کراچی، ۹۶، ص ۱۷، ۱۸

آج کے زندہ مسائل

مثالی نظام تعلیم کی تشکیل

اللہ تعالیٰ نے اس کی گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور فرشتوں نے بھی، اور اہل علم نے بھی، اور اللہ تعالیٰ معبود بھی اس شان کا ہے کہ اعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والا ہے۔ (۲۹)

امام غزالیؒ یہاں اہل علم کو فرشتوں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ لانے کی حکمت بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

فانظر كيف بدء سبحانه و تعالى : بنفسه وثنى بالملائكة وثلث

باهل العلم وناهيك بهذا شرفا وفضلا وجملا ونبلا (۳۰)

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے کیسے اپنی ذات سے کلام کا آغاز فرمایا، پھر فرشتوں کا ذکر کیا، اور تیسرے مرتبے میں اہل علم کا ذکر کیا، اور شرف و فضل اور بزرگی و اصالت کے لئے اتنے کافی ہے۔

ذیل میں چند نمونات کے تحت اسلام کی نظر میں تعلیم کی اہمیت و مقام کا جائزہ لیا جاتا ہے

تعلیم خود مقصود ہے

اسلام کی نظر میں تعلیم خود مقصود ہے، اسلام وہ واحد مذہب ہے، جو تعلیم کو وسیلہ اور سبب نہیں بلکہ خود مطلوب و مقصود قرار دیتا ہے، اور اس کے حصول کو ایک دینی فرض کے طور پر مسلمانوں پر لازم کرتا ہے، ایک ایسے فرض کے طور پر جو دیگر فرض کی طرح ہم پر لازم ہے۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ فرماتے ہیں۔ (۳۱)

دنیا نے علم کو ہمیشہ وسیلہ سمجھا، مگر مسلمانوں کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے علم کو کبھی وسیلہ نہیں سمجھا، بلکہ مقصد سمجھا، علم دین وسیلہ نہیں بلکہ مقصد ہے، اس کو کسی وسیلے کے لئے حاصل نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس لئے حاصل کیا جاتا ہے کہ اس کا حصول فرض ہے، مسلمانوں نے کبھی بھی علم کو اس لئے

(۲۹) آل عمران: ۸ (۳۰) امام غزالیؒ احیاء علوم الدین مصطفیٰ البانیؒ المجلد ۱، صفحہ ۱۹۳۹، ج ۱

(۳۱) خطاب، طلبائے دیوبند، ۱۹۵۵ء

آج کے زندہ مسائل

مثالی نظام تعلیم کی تشکیل

حاصل نہیں کیا کہ اس کے ذریعے سے معیشت حاصل کریں گے، یا کسی سرکاری منصب پر فائز ہوں گے، مسلمانوں نے ذریعہ معیشت کسی اور چیز کو بنایا، اور علم کو صرف علم کیلئے سیکھا، اور اسی کو اپنا مقصد بنایا۔ (۳۲)

تعلیم، بنیادی ضرورت

اسلام پہلا مذہب اور تمدن (Culture) ہے، جس نے تعلیم کو ہر انسان کی بنیادی ضرورت قرار دیا ہے، جبکہ اس سے قبل یہ تصور موجود نہ تھا، بلکہ ہر معاشرہ اور قبیلہ صرف اپنے اعلیٰ طبقے کی تعلیم پر قائل تھا، اور وہ قبیلے کے سردار اور امرا وغیرہ اور مذہبی پیشواؤں کی تعلیم و تربیت کو ضروری قرار دیتا اور اس کا اہتمام کرتا تھا، عام افراد اس تعلیمی نظام سے خارج سمجھے جاتے تھے، انہیں طبقہ اشرافیہ کی طرح تعلیم حاصل کرنے کا حق نہ تھا۔ (۳۳) یہاں تک کہ یونان اور چین کے ہاں بھی، جنہوں نے علم و تمدن کے میدان میں نمایاں بلکہ غیر معمولی ترقی کی، تمام انسانوں کی تعلیم کا کوئی تصور نہ تھا، بلکہ وہ اہل علم کے ایک خاص طبقے کی تعلیم کے محرک اور داعی تھے، افلاطون بھی فلاسفہ اور اہل نظر کے ایک مخصوص طبقے ہی کو اس امتیاز سے نوازتا ہے۔ (۳۴)

اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے، جس نے سب سے پہلے بلا تفریق طبقات و قبائل و بلا تخصیص مرد و زن سب کے لئے بلا امتیاز و بلا اختصاص عام تعلیم کا آواز بلند کیا، اور نبی امی صلی اللہ وسلم نے فرمایا:

طلب العلم فريضة على كل مسلم (۳۵)

علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے۔

یعنی تعلیم ہر چھوٹے بڑے، امیر غریب، مرد و عورت اور کالے گورے ہر ایک پر فرض ہے۔

(۳۲) ذاکر شیر بہادر خان فی مولانا ابوالکلام آزاد، ص ۷۶

Encyclopedia of Britanica 1984 pp 6/317.318 (۳۳)

(۳۴) اسلامی نظریہ کیات، ص ۲۲۰ (۳۵) ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی، السنن، دار المعرف، بیروت، ۹۸، ج ۱، ص ۹۷، رقم ۵۸۰۲، نو والدین علی بن ابوبکر، مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۳۳۲، رقم ۱۰۰۴۷۲، طبرانی، المعجم الکبیر، رقم ۱۰۰۴۷۲

اس باب میں نہ تو طبقہ فکر کی تخصیص ہے نہ کسی اور بنیاد پر اسلام نے کسی بھی نوعیت کے امتیاز کو درست سمجھا ہے۔

تعلیم فرض ہے

جیسا کہ تحریر ہوا، تعلیم چونکہ ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اسی لئے ہر ایک پر اس کا حصول فرض ہے، قرآن حکیم میں ارشادِ باری ہے:

وَلَا تَكْفُرُوا بِاللَّهِ
وَلَا تَكْفُرُوا بِاللَّهِ
وَلَا تَكْفُرُوا بِاللَّهِ

اور وہ وقت یاد کرو، جب اللہ نے اہل کتاب سے عہد لیا کہ اس (کتاب)

کا مطلب لوگوں سے ضرور بیان کرنا اور چھپانا مت۔ (۳۶)

ان آیات میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے ذریعے اہل کتاب کے علماء سے یہ عہد لیا تھا کہ جو احکام اور شہادتیں کتاب اللہ میں ہیں، ان کو صاف صاف، کسی قسم کی کمی بیشی کے بغیر لوگوں تک پہنچائیں گے، اور ان کی اشاعت میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کریں گے، یہاں مسلمان اہل علم کو بھی تنبیہ ہے کہ علوم دینی کے فروغ میں (جو ان پر فرض ہے) کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں، نہ انہیں چھپائیں۔ (۳۷) اسی طرح حدیث میں علم کے حصول کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ (۳۸) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کو اچھا ادب (سکھانے) سے بہتر عطیہ (تحفہ) نہیں دے سکتا۔ (۳۹) یہ اہتمام اس لئے ہے کہ تعلیم اسلام کی نظر میں فرض ہے، اور اس فرض کی ادائیگی کے لئے ہر ممکن ذریعہ استعمال کیا جائے گا، اور اس کا پہلا قدم گھر سے

(۳۶) آل عمران: ۱۸۷ (۳۷) ابن کثیر، ابوالفداء، اسماعیل/التفسیر/عیسیٰ البابی الخلیفی، مصر: ج ۱ ص ۴۳۶

(۳۸) قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پاتی/تفسیر مظہری/مجلس اشاعت العلوم، حیدر آباد دکن/ ج ۲ ص ۱۹۴

(۳۹) ملاحظہ کیجئے، حوالہ نمبر ۳۵

(۳۹) ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ/الجامع السنن/دار الفکر، بیروت ۱۹۴۰ء/ ج ۳ ص ۳۸۳، رقم ۱۹۵۹، ص ۲۵۶

تہنقی، ابوبکر احمد بن حسین/شعب الایمان/دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۰ء/ ج ۲ ص ۲۵۶

والدین کی نگرانی میں بچپن ہی میں اٹھایا جائے گا، امام قرطبی فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ ضرور کچھ نہ کچھ قرآن جانے اور دینی مسائل سمجھے۔ (۴۰) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا

علم سیکھو اور اسے لوگوں تک پہنچاؤ۔ (۴۱)

تعلیم، انسانی ترقی کا ذریعہ

قرآن کے بقول تعلیم انسانی ترقی کا ذریعہ ہے، قرآن حکیم میں فرمایا گیا اَنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (۴۲) عظمت و جلال ربانی سے متاثر ہونا اور اس کے اثر سے ہیبت ماننا خشیت کا مفہوم ہے، عظمت و جلال ربانی سے متاثر ہو کر اس کی بارگاہ میں جھکنا ایمان کی قوت کا اعلیٰ ثمرہ ہے، قرآن مجید کی مختلف آیات میں کہیں مغفرت اور اجر کریم کا، کہیں ہدایت پانے اور ہدایت قبول کرنے کا، اور کہیں رضائے الہی کے حاصل ہونے کا ذریعہ اس خشیت الہی کو قرار دیا گیا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہی بلند مراتب میں انسان کی بہبود اور سعادت ابدی منحصر ہے، ان سعادتوں کے مظہر ”خشیت الہی“ کو جب علم والوں کے ساتھ مخصوص فرما دیا گیا تو منطقی طور پر ساری انسانی سعادتیں علم کے دامن سے وابستہ ہو گئیں۔ (۴۳)

قرآن میں ارشاد ربانی ہے:

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۖ وَلَا الظُّلُمُتُ وَلَا النُّورُ ۖ
وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ۖ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۗ

اور برابر نہیں اندھا و بینا، اور نہ ظلمتیں اور نور، اور نہ سایہ اور دھوپ، اور

(۴۰) قرطبی/ الجامع لاحکام القرآن/ ج ۳ ص ۱۲۱ (۴۱) داری/ ج ۱ ص ۸۴، رقم ۲۲۱، ج ۱ دار قطنی، علی

بن عمر/ السنن/ مدینہ منورہ/ ج ۴ ص ۸۲ (۴۲) ملاحظہ کیجئے حوالہ نمبر ۱۲

(۴۳) مولانا محمد حبیب الرحمن خان شروانی/ مسلمانوں کی قدیم تعلیم کا نصب العین/ مشمولہ سماجی اسلام

اور عصر جدید/ جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، انڈیا/ ج ۳۲/ ش ۴، اکتوبر ۲۰۰۰ء/ ص ۸، ۹۔ یہ تصوف قلیل

آج کے زندہ مسائل

۲۵۹

مثالی نظام تعلیم کی تشکیل

براہر نہیں زندہ اور مردہ۔ (۴۴)

معلوم ہوا کہ قرآن کی نظر میں علم بینائی ہے، روشنی ہے، سایہ اور حیات ہے، جبکہ اس کے مقابل جہالت، اندھاپن ہے، تاریکی ہے، تپش ہے اور موت ہے۔ غالباً اس سے زیادہ مؤثر پیرایہ بیان علم و جہل کے تقابل کا ہو ہی نہیں سکتا۔ (۴۵)

تعلیم، رفع درجات کا سبب

تعلیم رفع درجات کا سبب بھی ہے، انسان کا جب اہل علم میں شمار ہوتا ہے، وہ علم سے بہرہ ور ہو کر اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے (اپنے ظرف اور اس کی توفیق کے بقدر) متصف ہوتا ہے۔ تو اس کے درجات بڑھادیئے جاتے ہیں، اس کا مرتبہ بلند کر دیا جاتا ہے، قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں کے اور جن کو علم دیا گیا ان کے درجات

بلند کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے جو تم کرتے ہو۔ (۴۶)

اس آیت میں انسان کی ترقی مدارج کے دو ذریعے بیان فرمائے ہیں،

۱۔ ایمان اور ۲۔ علم۔

معلوم ہوا کہ ایمان اور علم دونوں دوش بہ دوش مل کر انسان کو ترقی کی منازل طے کراتے

ہیں۔ (۴۷)

تعلیم کی اہمیت، احادیث کی روشنی میں

تعلیم کی اہمیت کو احادیث کی روشنی میں دیکھا جائے تو ایک جہان معنی اور ایک تجنیہ علم و حکمت سے انسان آشنا ہوتا ہے۔ احادیث میں تعلیم کو انسان کی اولین ضرورت اور اس کا حصول بڑی فضیلت کا باعث قرار دیا گیا ہے، چند احادیث ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

(۴۴) الفاطر: ۱۹-۲۲ (۴۵) اسلام اور عصر جدید ص ۹۰، ۹۱، بہ تصرف قلیل

(۴۶) المجادلہ: ۱۱ (۴۷) اسلام اور عصر جدید ص ۸

۱۔ تعلیم دینے والے یعنی معلم اور استاد کی فضیلت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خیر کی تعلیم دینے والے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ فرشتے، اہل آسمان، اہل زمین، حتیٰ کہ چونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں پانی میں، دعائے خیر کرتی ہیں (۴۸)

۲۔ طالب علم کو یہ بشارت سنائی:

فرشتے طالب علم کی رضامندی کے لئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔ (۴۹)

۳۔ ایک روایت میں آپ ﷺ نے عالم کو چاند سے تشبیہ دی، فرمایا:

عالم کی عابد پر فضیلت ایسی ہے جیسے چاند کی تمام ستاروں پر فضیلت، علما تو انبیاء کے وارث ہیں۔ (۵۰)

۴۔ آپ ﷺ نے طلب علم میں سرگرواں افراد کو جنت کی بشارت سنائی، حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے کوئی راستہ اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتے ہیں۔ (۵۱)

۵۔ اور طالب علم کو ایک یہ بشارت سنائی، آپ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص علم کی طلب میں گھر سے نکلتا ہے وہ اللہ کے راستے میں ہے، جب تک لوٹ نہ آئے۔ (۵۲)

(۴۸) ترمذی / ج ۴ / ص ۳۱۳

(۴۹) ترمذی ایضاً / ص ۳۱۲، رقم ۲۶۹۱، سلیمان بن اشعث السجستانی / دار الفکر، بیروت،

۱۹۹۳ء / ج ۳ ص ۳۱۳، رقم ۳۶۴۱ ابن ماجہ / ج ۱ / ص ۹۶، رقم ۲۲۳

(۵۰) ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، محولہ بالا، (۵۱) ترمذی / ج ۴ / ص ۲۹۳، رقم ۲۶۵۵، حاکم،

ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ، نیساپوری / المستدرک / دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۹۰ء / ج ۱ ص ۱۶۵

(۵۲) ترمذی / ص ۲۹۵، رقم ۲۶۵۲

آج کے زندہ مسائل ۲۶۱ مثالی نظام تعلیم کی تشکیل

- ۶۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے طلب علم کو بھوک سے تعبیر فرمایا، فرمایا: لوگوں میں سب سے زیادہ بھوکا طالب علم ہے، اور سب سے زیادہ پیٹ بھرا وہ ہے جسے علم کی طلب نہ ہو۔ (۵۳) (یعنی اصل بھوک علم کی بھوک ہے)
- ۷۔ ہر خیر کا حامل یا عالم ہے یا طالب علم، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، فرمایا: یا تو عالم بن یا طالب علم، اس کے علاوہ بھلائی کی کوئی صورت نہیں (۵۴)
- ۸۔ ایک روایت میں عالم کو عابد پر فضیلت دیتے ہوئے فرمایا: دین کی سمجھ رکھنے والا شخص شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ (۵۵)
- ۹۔ اور ایک مقام پر فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے کسی کم تر شخص پر۔ (۵۶)
- ۱۰۔ طالب علم کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص علم طلب کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے رزق کا کفیل بن جاتا ہے۔ (۵۷)
- ۱۱۔ حصول علم کو آپ ﷺ نے کفارہ گناہ قرار دیا، فرمایا: جو شخص علم حاصل کرتا ہے، اس کا یہ عمل اس کے (عمل) ماضی کا کفارہ بن جاتا ہے۔ (۵۸)
- ۱۲۔ عالم کی موت کو آپ ﷺ نے ایک بہت بڑا سانحہ قرار دیا، فرمایا: عالم کی موت سے اسلام میں ایسا شگاف پڑ جاتا ہے جس کو بند نہیں کیا

(۵۳) علی متقی البندی/کنز العمال/احیاء التراث الاسلامی، بیروت/رقم ۲۸۶۸۳

(۵۴) داری/ص ۱۰۹، رقم ۳۳۷ (۵۵) ابن ماجہ/ج ۱/ص ۹۶، رقم ۲۲۲

(۵۶) ایضاً ص ۳۱۳، رقم ۲۶۹۳، داری/ص ۱۰۰، رقم ۲۸۹ (۵۷) کنز العمال/رقم ۲۸۷۰۱

(۵۸) ترمذی/ص ۲۹۵/رقم ۲۶۵۷

جاسکتا، خواہ لیل و نہار کتنے ہی بدل جائیں۔ (۵۹)

۱۳۔ راہِ علم میں محرومی بھی باعثِ ثواب ہے، مخیر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

جو شخص کسی علم کی تحصیل میں لگا اور اسے حاصل کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دو حصے ثواب لکھے گا، اور جو شخص کسی علم کی تحصیل میں لگا اور اسے حاصل نہ کر سکا تو اس کے لئے ایک حصہ ثواب ہوگا۔ (۶۰)

یہ چند احادیث کا انتخاب پیش کیا گیا، ورنہ تو صرف اسی موضوع پر احادیث کی بڑی بڑی کتب موجود ہیں۔ جن سے اسلام میں علم و تحصیل علم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، (۶۱)

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح اسلام نے علم کی اہمیت کو سمجھایا اور ذہنوں میں راسخ کیا ہے، وہ اسی کا حصہ ہے۔ اسلامی تعلیمات نے حصول علم کی ایک ایسی تڑپ اور لگن مسلمانوں میں پیدا کی جس نے انہیں ملکوں پھرنے اور محض علم کی خاطر صبروں شہروں خاک چھاننے کا شائق بنادیا تھا۔ اسی شوق نے ان سے وہ کارنامے منسوب کئے، جن کی بازگشت آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی ہمیں بار بار سنائی دیتی ہے۔

اس عنوان پر گفتگو کا اختتام ابن شہاب زہریؒ کے اس قول پر کرتے ہیں، امام مالک ان سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں :

خدا کی قسم اگر کوئی شخص دین کے معاملے میں مجھ سے مشورہ کرے، اور میں غور و فکر کے بعد اسے راہِ حق بتا دوں، تاکہ اس کے دین کی اصلاح ہو جائے، تو میرے نزدیک یہ ایک سو غزوات میں شرکت سے بہتر ہے۔ (۶۲)

(۵۹) مجمع الزوائد ج ۳ ص ۷۲ / رقم ۹۸۴، دارنی / ج ۱ ص ۱۰۶ / رقم ۳۲۴

(۶۰) مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۳۰ / رقم ۵۰۲، کنز العمال / رقم ۲۸۸۳۸

(۶۱) ملاحظہ کیجئے، مولانا محمد شہاب الدین ندوی / اسلام میں علم کا مقام و مرتبہ / مجلس نشریات اسلام، کراچی

۱۹۹۴ء (۶۲) مولانا عبدالقیوم حقانی / سراغِ زندگی / القاسم اکیڈمی، نوشہرہ، ۲۰۰۱ء / ص ۱۰۰

مقاصدِ تعلیم

اب اہم اور قابلِ غور بات یہ ہے کہ اسلام کے مقاصدِ تعلیم کیا ہونے چاہئیں؟ اگرچہ اوپر کی گفتگو میں اس جانب چند اشارے تو ہوئے، مگر اس موضوع کو منہج کر کے زیادہ وضاحت سے پیش کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ اس کی روشنی میں ایک مثالی اور مستند نظامِ تعلیم کی تشکیل کی جاسکے، لیکن تعلیم کے اغراض و مقاصد پر غور کرنے سے قبل ضروری ہے کہ یہ دیکھیں کہ خود انسان کیا ہے؟ اور اسلام اسے کیا حیثیت دیتا ہے، جس کے لئے تعلیم کی بات کی جا رہی ہے۔

انسان کیا ہے؟

قرآن حکیم میں ارشاد مبارک ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝

ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا۔ (۶۳)

ابن العربی فرماتے ہیں:

ليس الله تعالى خلق احسن من الانسان فان الله خلقه حيا

عالما مریدا متعلما سميعا بصيرا مدبرا حكيما (۶۴)

اللہ تعالیٰ نے انسان سے بڑھ کر کوئی خوبصورت چیز پیدا نہیں کی، اللہ تعالیٰ

نے انسان کو پیدا کر کے اسے ان عظیم صفات سے متصف فرمایا، اسے حی،

عالم، قادر، صاحبِ ارادہ، متعلم، سننے والا، صاحبِ بصیرت، مدبر اور حکیم

بنایا۔

اور قاضی ثناء اللہ عثمانی یانی پٹی فرماتے ہیں کہ انسان کے اندر بیرونی جہان کی تمام

خصوصیات و دلالت رکھی گئی ہیں، اس میں عالمِ روح کے نازک حقائق بھی موجود ہیں اور عالمِ خلق

کے اہم عناصر بھی، اسی طرح نفسِ ناطقہ بھی موجود ہے، جو خود عالمِ عناصر کی پیداوار ہے، انسان کی

(۶۳) التین: ۴ (۶۴) قرطبی/الجامع الاحکام القرآن/بہ ذیل آیت، تفسیر سورۃ التین

آج کے زندہ مسائل

مثالی نظام تعلیم کی تشکیل

اسی جامعیت کے سبب کائنات کی تمام خصوصیات اس میں موجود ہیں، اس کے اندر ملکی صفات بھی موجود ہیں، اور درندوں کی خصوصیات بھی، چوپاؤں کی کیفیتیں بھی پائی جاتی ہیں اور شیطانی خباثت بھی۔ یہ ان صفات کا ملکہ الہیہ سے متصف ہے جو حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور محبت سمیت صفات الہیہ کا پر تو ہیں، یہ نور عقل سے مزین ہے، یہ انوار ظلی اور انوار حقانیہ و ذاتیہ کا مورد ہے، انہیں خصوصیات کے سبب اسے خلعت خلافت عطا کی گئی، اور اسی سبب سے اسے اِنْسِی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةُ (۶۵) (میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں) فرمایا گیا۔ (۶۶)

جو صفات اوپر بیان ہوئیں، یہ تمام صفات انسانوں میں پیدا نشی طور پر موجود ہیں۔ مگر بالقوہ، بالفعل نہیں، ان میں مفید اور مثبت صفات کو رو بہ عمل لانا، اور انہیں متحرک کرنا، نیز منفی صفات اور ان کے مقتضائے عمل کو دبانانا ہی منشائے خداوندی ہے۔ یہی حکم خداوندی بھی ہے، اور یہی غرض و غایت اولین بھی۔ اس لئے نظام تعلیم بھی ایسا ہونا چاہئے جو انسان کو خصوصاً ایک مسلمان کو ان صفات حسنہ کا حامل بنا سکے، اور صفات سیئہ سے مجتنب رکھ سکے۔ اس کی روشنی میں ہی اسلام کے مقاصد تعلیم متعین کئے جاسکتے ہیں۔

اس کے برعکس مغربی و یونانی غیر مسلم مفکرین انسان کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟

ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ انسان ایک ایسی مشین ہے، جس میں روح ہے، ارسطو

۲۔ انسان ایک وحشی ہے، البتہ اسے سکھایا جاسکتا ہے۔ ڈیکارت

۳۔ انسان دو ناگوں والا جانور ہے، روسو

۴۔ انسان ایک دوسرے کے لئے بھیڑیا ہے۔ ہابز

۵۔ انسان کو بد معاش ہی تصور کرنا چاہئے۔ ہیوم

۶۔ انسان ایک اعلیٰ درجے کا حیوان ہے۔ ڈارون

۷۔ انسان ایک ایسا حیوان ہے، جس کی جنسی جبلت منحرف ہو کر تباہی مچا دیتی ہے۔ فرائڈ

۸۔ انسان ایک ایسا جانور ہے جس کو عقل و خرد سے۔ بے گانہ کر کے دنیا میں پھینک دیا گیا

ہے، سارتر (۶۷)

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان ماہرین کا عطا فرمودہ نظام کیا ہوگا؟ اردوہ کس حد تک حضرت انسان کے لئے مفید ہوگا، انسان کیا ہے؟

جب تک یہ متعین نہ کر لیا جائے کہ ایک مسلمان کا مقصد حیات کیا ہے؟ اس وقت تک، مقاصد تعلیم متعین نہیں ہو سکتے، اسی بنا پر ایک مسلمان کا نظریہ تعلیم اور مقصد تعلیم ایک غیر مسلم سے قطعی مختلف ہوگا، اس فرق کو ملحوظ رکھنا از بس ضروری ہے کہ فکری لغزش کی بنیاد یہیں سے پڑتی ہے، اور مقاصد تعلیم کے متعین کرنے میں خطا و لغزش کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے، اس لئے اختصار کے ساتھ پہلے اسلام کے مقصد حیات کو متعین کیا جاتا ہے۔

۱۔ اسلام کی نظر میں ایک انسان کا مقصد حیات بالکل واضح ہے، ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے، یہی اس کا اصل وظیفہ حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَمَا خَلَقْتُ الْإِنْسَانَ إِلَّا لِيَعْبُدُنِي ①

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس غرض سے کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ (۶۸)

۲۔ انسان کو ہر ہر قدم اور ہر ہر گام پر یہ یقین رکھنا ہوگا کہ ہر طرح کی ترقی اور ہر نوعیت کی عمدہ صلاحیتوں کے باوجود اصل اقتدار اللہ ہی کا ہے۔ فرمایا:

وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ②

اور اللہ ہر چیز پر اقتدار رکھتا ہے۔ (۶۹)

۳۔ اسی طرح ہر طرح کا اختیار اور حکم اللہ ہی کا ہے، فرمان خداوندی ہے:

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ③

اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں، اس نے حکم دیا کہ اس کے سوا کسی کی

عبادت نہ کرو۔ (۷۰)

(۶۷) موسیٰ خان جلاڑی / تاریخ و فلسفہ تعلیم و تربیت / مجید بک ڈپو، لاہور، ۹۲ء / ص ۳۱

(۶۸) ذاریات: ۵۲ (۶۹) الکہف: ۲۵ (۷۰) یوسف: ۴۰

آج کے زندہ مسائل ۲۶۶ مثالی نظام تعلیم کی تشکیل
بیز فرمایا:

أَلَا زَهَّ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَرُ الْحَيِّينَ ۝

آگاہ ہو جاؤ کہ بس اسی کا حکم ہے، اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ (۷۱)
۴۔ انسانوں کو حکم ہے کہ وہ اللہ کے دین کی مکمل پیروی کریں، انہیں اپنی خواہشات پر چلنے کی اجازت نہیں، فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً

اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو۔ (۷۲)

۵۔ ایمان والوں کو چاہئے کہ دین کا نفاذ کریں۔ حکم ہے:

أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ

دین کو قائم کرو، اور اس میں متفرق نہ ہونا۔ (۷۳)

۶۔ ہر معاملے میں عدل سے کام لینے اور اپنی خواہشات کو پس پشت ڈالنے کی تاکید ہے۔
داؤد علیہ السلام کو حکم ہوا:

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ
بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ
يُضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے، سو تم لوگوں کے مابین حق کے ساتھ حکومت کرو، اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا، کہ وہ تمہیں راہ خدا سے بھٹکا دے گی۔ (۷۴)

۷۔ ہر معاملے میں تقویٰ کو اولیت ہے۔ فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا
وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝

آج کے زندہ مسائل ۲۶۷ ثنائی نظام تعلیم کی تشکیل

اے مومنو! اللہ سے ڈرو جیسے کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔ (۷۵)

۸۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی ہر چیز پر مقدم ہے۔ فرمان حق ہے:

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْفَائِزُونَ ۝

جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، اور اللہ سے ڈرے گا اور اس کی نافرمانی سے بچے گا، سوائے ہی لوگ کامیاب ہیں۔ (۷۶)

۹۔ خدا کی نظر میں کامیاب صرف وہی ہے جو اس کی ہدایت کی پیروی کرتا ہے:

فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

سو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا، ان پر نہ خوف ہوگا، نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (۷۷)

۱۰۔ یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، اور اس کے مالک اس کے نیک بندے ہیں:

أَنَّ الْأَرْضَ يَرْثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝

بلاشبہ زمین کے مالک میرے نیک بندے ہیں۔ (۷۸)

۱۱۔ اس زمین پر اقتدار کا حقدار وہ ہے جو اقامت دین کا فریضہ انجام دے، فرمایا:

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا
الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَلِلَّهِ
عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو یہ نماز قائم کریں گے،

زکوٰۃ ادا کریں گے، اور نیکیوں کا حکم کریں گے اور برائیوں سے منع کریں

گے، اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ (۷۹)

اسلام کے اس مقصد حیات کو سامنے رکھتے ہوئے ہی ہمیں اسلام کے مقاصد تعلیم کو واضح

(۷۵) آل عمران: ۱۰۲ (۷۶) النور: ۵۲ (۷۷) البقرہ: ۳۸ (۷۸) الانبیاء: ۱۰۵ (۷۹) الحج: ۴۱

طور پر متعین کرنا ہوگا۔

مقاصد تعلیم

اسلام کی نظر میں مقاصد تعلیم نہایت واضح ہیں، وہ انسان کو فطرت کے مطابق زندگی گزارنے کی دعوت دیتا ہے، اور یہ چاہتا ہے کہ انسان کی ایسی تربیت ہو جائے کہ وہ اس کائنات کے لئے ہر اعتبار سے مفید ثابت ہو، اور اس کو دنیا و آخرت دونوں کی بھلائیاں حاصل کرنے کے مواقع مل سکیں۔ ذیل میں مختلف عنوانات کے تحت مقاصد تعلیم پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

معرفت و ہدایت الہی

اسلام چاہتا ہے کہ ہر انسان کو معرفت الہی حاصل ہو، تاکہ اسے ہدایت الہی نصیب ہو اور وہ دونوں جہانوں کی بھلائیاں سمیٹ سکے، لہذا انصاب تعلیم و نظام تعلیم کی تشکیل میں اس نکتے کو سامنے رکھنا ہوگا، قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

الرَّحْمَنُ فَسْئَلُ بِهِ خَبِيرًا ۝

رحمن کے بارے میں اہل علم سے سوال کرو۔ (۸۰)

ہدایت یافتہ لوگ قرآن کریم کی نظر میں کون ہیں؟ فرمایا:

فَبَشِّرْ عِبَادَ ۝ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَىٰ اللَّهُ وَهُمُ الْآلُفُونَ ۝

پس آپ خوشخبری سنا دیں میرے ان بندوں کو جو بات کو غور سے سنتے ہیں، پھر اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں، یہی لوگ میں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی، اور یہی لوگ عقل والے ہیں۔ (۸۱)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

افضل ترین علم اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے، علم کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی نفع دے جاتا ہے، مگر جہالت کے ساتھ زیادہ عمل بھی فائدہ نہیں دے

اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت

تعلیمی مقاصد میں سے سرفہرست یہ ہے کہ ہماری تعلیم اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کی تلقین کرے، اور ہمیں اس جانب راغب کرے، کیونکہ ایک مسلمان کی پوری زندگی کا محور یہی ہے اور اسی میں اصلی، دائمی و حقیقی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝

اور جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی، سو وہی عظیم

کامیابی سے ہم کنار ہوا۔ (۸۳)

قرآن و سنت کی صحیح فہم

ہماری تعلیم کا بنیادی مقصد قرآن و سنت یعنی دین کی صحیح فہم اور سمجھ ہونا چاہئے، کیونکہ یہی مطلوب ہے، اور اسی پر انسانی زندگی اور دونوں جہانوں کی کامیابی کا مدار ہے۔ فرمان نبوت ہے:

اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا

ہے۔ (۸۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

اس عبادت میں کوئی خوبی نہیں جو علم کے بغیر ہو، اور اس عمل میں کوئی خوبی

نہیں جس میں فہم (سمجھ بوجھ) نہ ہو، اور اس قرأت میں کوئی خوبی نہیں جو

غور و فکر سے خالی ہو۔ (۸۵)

اس لئے ہمارے نصاب کو اس بنیادی ضرورت کی تکمیل کرنی چاہئے۔

(۸۲) کنز العمال، رقم ۲۸۹۳۰ (۸۳) الاحزاب ۷۱

(۸۴) مسلم، ابوالحسن بن حجاج / الصحیح / دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۹۸، ج ۲ ص ۱۰۵، رقم ۱۰۰ (۱۰۳۷)

بخاری، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم / الصحیح / کتاب العلم، باب ۱۳، کتاب الامقام، باب ۱۱، حدیث ۲

(۸۵) داری / ص ۱۰۱ / رقم ۲۹۷

آج کے زندہ مسائل ۲۷۰ مثالی نظام تعلیم کی تشکیل

تکمیل حیات و تعمیر کردار

اسلام تکمیل حیات اور تعمیر سیرت و کردار پر بہت زور دیتا ہے، اس لئے اس کی خواہش ہے کہ تعلیمی نظام بھی اس ضرورت کو احسن طریقے سے پورا کرے، اور تعلیمی اداروں سے باہر آنے والی نسل بھی ایسی ہو جس کا کردار خود غلط کاریوں کی درستی و ہدایت کا سبب بنے، نہ یہ کہ ان کے لئے الگ سے (حصول تعلیم کے بعد) تعلیم و تربیت کے حوالے سے محنت کی ضرورت پڑے۔ اسی طرح اسلام زندگی کے لوازم اور سہرتوں کو ترک کرنے کا نام نہیں، وہ تو ان کی تکمیل کا داعی ہے، اسلام تو یہ چاہتا ہے کہ انسان زندگی کی کشاکش کے درمیان مکمل حق و انصاف کے ساتھ زندگی گزارے۔ (۸۶)

چنانچہ تربیت و تعمیر اخلاق و کردار کی ضرورت بیان کرتے ہوئے امام غزالی فرماتے ہیں:

تعلیم کا مقصد یہی نہیں ہونا چاہئے کہ نوجوان ذہن کے علم کی پیاس بجھا دے، بلکہ اس کے ساتھ ہی اسے اخلاقی کردار اور اجتماعی زندگی کے اوصاف نکھارنے کا احساس بھی پیدا کرنا چاہئے۔ (۸۷)

یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ کردار کے بنیادی رجحانات کی اساس زندگی کے ابتدائی دور ہی میں پڑ جاتی ہے، اس دور میں تعلیمی ادارے ایک انسان کے کردار کی تعمیر میں اہم حصہ ادا کر سکتے ہیں، اس لئے یہ کام تعلیم کا ہے کہ وہ انسانی کردار کو ایک خاص سانچے میں ڈھال دے (۸۸) اور طالب علم کو تکمیل حیات کا درس دے۔

علوم کا سرچشمہ

اسلامی تعلیم کا ایک بنیادی و اساسی تصور یہ ہونا چاہئے کہ تمام علوم کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، علم الاشیا بھی اسی کا عنایت کردہ ہے، اور علم الہدایہ بھی اسی کی جانب سے ہے۔ سو ہر معاملے میں اسی کی ذات کی جانب ہمیں دیکھنا ہوگا، اور ہر مسئلے میں اس کی طرف ہمیں نگاہ کرنی

(۸۶) البقرہ: ۲۰۸ (۸۷) احیاء علوم الدین / ج ۱ / کتاب العلم

(۸۸) پروفیسر خورشید احمد / اسلام کا نظریہ و تعلیم / ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۹۱، ص ۲۲

ہوگی، اسی سے راہنمائی لینی ہوگی، اور اسی کے احکامات پر پوری زندگی چلنا ہوگا۔ علم کا تعلق صرف لوازم حیات ہی سے نہیں، مقاصد حیات سے بھی ہے، بلکہ اول الذکر آخر الذکر کے تابع ہے، اسی کو فوقیت ہے، یہی وہ اسلامی مزاج ہے، جس پر عمل پیرا ہو کر کامیابی کی راہیں فراخ ہو سکتی ہیں۔

معاشرتی تقاضوں کا فہم

اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں انسان کو بھرپور انداز میں رواں دواں و سرگرم دیکھنا چاہتا ہے، اس لئے ہمارا نظام تعلیم نوجوانوں کو مطالبات زندگی کی تکمیل کے لئے تیار کرے، انہیں معاشرے کی گونا گوں ضروریات کو پورا کرنے کے لائق بنائے، اور انہیں ان کے مذہبی، تہذیبی، معاشی و معاشرتی فرائض سمجھائے، اور ان کے حقوق سے آگاہ کرے۔ کیونکہ اسلام میں رہبانیت کا تصور نہیں، اس کا دعویٰ ہے لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ (۸۹) نہ وہ ترک دنیا کا درس دیتا ہے، وہ تو دنیا و آخرت دونوں کی بھلائیاں حاصل کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ (۹۰)

ضروریاتِ زندگی

ہر انسانی معاشرے کو بہت سی اقتصادی، سماجی، معاشی، سائنسی اور فنی ضروریات پیش آتی ہیں، اسلام ہر انسانی ضرورت کو پورا کرنا چاہتا ہے، وہ کسی انسانی ضرورت کی نفی نہیں کرتا، صرف راہ اعتدال اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے، بلکہ ہر وہ علم و فن جس کی مسلمانوں کو ضرورت ہو، اسلام کی نظر میں اس کا حصول فرض کفایہ ہے، یعنی ایک گروہ ہمہ وقت ایسا تعلیم و تربیت یافتہ موجود رہنا چاہئے جو اس انسانی ضروریات کی تکمیل کرے، اس فہرست میں تمام وہ علوم و فنون شامل ہیں، جس کی مسلمانوں کو ضرورت ہو۔ (۹۱) اس لئے ہمارے تعلیمی نظام کو ان ضروریات، زندگی کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے، بلکہ تعلیمی نظام کو ان لوازم حیات کی تکمیل کے لئے مثبت محور پر کام کرنا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان مقاصد سے ہم آہنگ نظام تعلیم ہی اسلامی مقاصد کا ترجمان ہوگا، اور وہی نظام اولادِ آدم کے لئے رحمت ثابت ہوگا۔ اس لئے سائنس و انفارمیشن ٹیکنالوجی،

(۸۹) عجلونی / کشف الخفا / دلائل اث الاسلامی بیروت / ج ۲ ص ۵۲۸ (۹۰) البقرہ: ۲۰۱

(۹۱) احیاء علوم الدین / ج ۱ ص ۲۳

آج کے زندہ مسائل

مثالی نظام تعلیم کی تشکیل

محاشیات، سیاسیات اور بین الاقوامی معاملات سمیت تمام اہم اور ضروری علوم و فنون کا حصول بلکہ ان میں کامل مہارت کا پیدا کرنا مقصود ہے، اور اس وقت تک فرض کفایہ ہے، جب تک مسلمان ان علوم میں اعلیٰ مہارتوں کے ساتھ خود کفالت حاصل نہیں کر لیتے۔

مقاصد تعلیم مشاہیر و ماہرین تعلیم کی نظر میں

منہج تعلیم کے حوالے سے اسلام کا نقطہ نظر واضح کرنے کے بعد مزید توضیح کے لئے ہم ذیل میں منہج تعلیم، نصاب کی ضرورت، اساتذہ کے معیار، نظام تعلیم اور نظریہ تعلیم کے سلسلے میں اہم مشاہیر، مفکرین و ماہرین تعلیم کی آرا کا انتخاب پیش کرتے ہیں۔

۱۔ امام غزالیؒ

دینی اور شرعی تعلیم نصاب کا لازمی حصہ ہیں، اس طرح کہ مذہب کے عام اصول سے بحث کیا جائے، تاکہ طالب علم کے دماغ میں مذہب کے وہی اصول ذہن نشین ہوں، جن کا تعلق ایمان، عبادات، اعمال اور اخلاق سے ہے، جن کے بغیر با اصول زندگی بسر کرنا ناممکن ہے۔ (۹۲)

۲۔ ابن خلدونؒ

درس قرآن ہر مسلم بچے کی تعلیم کا ایک ضروری جز ہے۔ پہلے بچے کو عربی پڑھائی جائے، اس کے بعد ریاضی، دینیت کی مشق کرائی جائے، پھر قرآن کی تعلیم دی جائے۔ (۹۳)

۳۔ مولانا احزاب علیؒ

نیادی پیز یہ ہے کہ زور دیا جائے کہ تعلیم کا تعلق اساتذہ سے قوی ہو، اس میں ادب بھی ہو، تعظیم بھی ہو، اعتماد کامل بھی ہو، اس میں ہمتی کمی پڑے گی، استعداد میں اتنی کمی پڑے گی۔ (۹۴)

(۹۲) پروفیسر ضیاء الدین احمد آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی، ۹۵ء/ص ۸۴، بہ اختصار

(۹۳) ایضاً/ص ۹۷

(۹۴) ماہنامہ البلاغ، کراچی مدیر اعلیٰ، مفتی محمد تقی عثمانی/بابت جمادی الاخرہ، ۱۴۱۵ھ/ص ۱۸ تا ۲۳

۴۔ مولانا سلیم اللہ خاں

معاشرے میں اثر رکھنے والی قوتوں میں اہم قوت تعلیم و تربیت ہے، لیکن بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ نظریاتی مملکت پاکستان میں وہی غلامانہ ذہنیت والا نظام تعلیم و تربیت جاری ہے، اور نہ صرف جاری ہے، بلکہ اس کی داسے ورے شیخے حوصلہ افزائی کی جارہی ہے۔ اس کے برعکس وہ نظام تعلیم جس نے پچھلے تاریک دور میں بھی امت مسلمہ کی رہنمائی کا بیڑا اٹھایا تھا، اور جو آج بھی ایک ستر نظریاتی مسلمان پیدا کرنے میں سو فیصد کامیاب ہے، چاروں طرف سے طنز، طعنہ، تنقید اور نفرت کا نشانہ بن رہا ہے۔ (۹۵)

۵۔ قائد اعظم محمد علی جناح

ہم نے اپنے ذمے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا کام لیا ہے کہ ہم انہیں ہستی اور سرنگوں حالت سے نکالیں اور سر بلند کریں، یہ کام صرف الفاظ اور نعروں سے نہ ہوگا۔ ہمارے سامنے تشکیل و تعمیر کا کام ہے۔ (۹۶) آپ کو اپنے ذاتی اور انفرادی مفادات کو ہمارے ان الفاظ کے آگے قربان کر دینا چاہئے، ہمارے الفاظ یہ ہیں، ایمان، اتحاد اور تنظیم (۹۷) اپنی تعلیم و تربیت اس طرح کریں کہ جب آپ پر ذمے داری آنے تو زندگی کے حوادث کا دلیری، حوصلے اور جرأت و اعتماد کے ساتھ مقابلہ کر سکیں۔ (۹۸)

۶۔ علامہ یوسف قرضاوی

ہم نے اسلامی علوم میں موضوع کے لحاظ سے بڑی عمدہ کتابیں لکھیں، تاہم ان کتابوں کو ایسا استاد میسر نہیں آیا، جو انہیں تروتازگی کے ساتھ زندہ و جاوید طلباء تک پہنچا سکے۔ بلکہ ہمیں تو ایسے مردہ دل استاد ملے جنہوں نے زندہ موضوعات کو مردہ بنا دیا، اور جمود سے اس کی حرارت پر ایسی

(۹۵) سہ ماہی وفاق، ملتان / مدیر ابن الحسن عباسی / شمارہ ۲، بابائے شوال، ۱۳۲۱ھ / ص ۵

(۹۶) پیغام، سرحد مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے نام، ۱۲ جون ۱۹۳۵ء، ماہنامہ افکار معلم، لاہور، مدیر ظفر

حجازی / اگست ۹۷ء / ص ۲۳ (۹۷) ایضاً، ڈھاکہ یونیورسٹی طلباء کے نام، جنوری ۱۹۳۲ء، ایضاً ص ۲۳

(۹۸) مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے نام، مئی ۱۹۳۵ء، ایضاً ص ۲۳

آج کے زندہ مسائل ۲۷۴ مثالی نظام تعلیم کی تشکیل
افسردگی طاری کر دی جس نے بھڑکتی ہوئی چنگاریوں کو خاکستر بنا دیا۔ (۹۹)

۷۔ نواب محسن الملک سیّد مہدی علی خاں

ہمارا یہ ہرگز مقصد نہیں ہے کہ ہم انگریزوں کی کورانہ تقلید کریں، اپنے بچوں کو صرف وہ تعلیم دلائیں جو فقط دنیا کے لئے مفید ہو، اور جس سے وہ صرف گورنمنٹ کی ملازمت کے لائق ہو جائیں بلکہ ہمارا مقصد اس سے ارفع و اعلیٰ ہے ہم اس قسم کی تعلیم کو ہرگز تعلیم بھی نہیں کہتے۔ ہمارے نزدیک تعلیم کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اس سے صرف چند پیشوں کے کام کرنے کی لیاقت حاصل ہو۔ بلکہ تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ تمام قومیں جو خدا نے انسان میں رکھی ہیں وہ نمودائیں اور نہ صرف ان ہی قوموں کو نمودایا جائے جو ہماری جسمانی آسائش کے کام آئیں بلکہ روحانی قوموں کا کام میں لانا اور دماغ کو غذا پہنچانا تعلیم کا اصلی مقصد ہے۔ (۱۰۰)

۸۔ جسٹس سیّد امیر علی

تعلیم ایک ذریعہ ہونا چاہئے، تہذیب نفس اور تزکیہ اخلاق کا۔ تربیت تعلیم کا لازمی نتیجہ ہے۔ بغیر تربیت کے تعلیم غیر مفید ہی نہیں بلکہ مضر ہوتی ہے۔ مغرب میں تعلیم و تربیت دوش بدوش چلتی ہیں میرے نزدیک کوئی تعلیم مکمل یا جامع نہیں کہلائی جاسکتی جس کا مقصد کیریئر کی اصلاح و درستی نہ ہو، لیکن کوئی شخص اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس سلسلہ تعلیم میں جو اس ملک میں مروج ہے کیریئر کی اصلاح، اخلاقی قومی کی تربیت اور نفس کی تہذیب ملحوظ رکھی جاتی ہے۔ (۱۰۱)

۹۔ جسٹس سر شاہ سلیمان

مسلمانوں کی تعلیم کا مقصد دنیاوی ہونے سے زیادہ تر روحانی تھا۔ اس کی غرض یہ نہ تھی کہ لوگوں کو حرف شناس بنائے بلکہ اس کی اصلی غرض یہ تھی کہ وہ ایسے صحیح مسلمان تیار کرے جن پر اسلامی روحانیت کا گہرا رنگ چڑھا ہوا ہو۔ اس کے نصاب کا نمایاں اور غالب جزو دینیات تھا۔ اس کے مطالعہ کی غرض یہ تھی کہ طلباء کو بتلایا جائے کہ انسان اور خدا کے متعلق جو ان کے فرائض ہیں (۹۹) یوسف قرشاوی / قیمۃ الامۃ الاسلامیہ بین الامم / ص ۴۷ (۱۰۰) محمد حسین خان زیری / مشاہیر کے تعلیمی نظریے / آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی / ص ۵۶ (۱۰۱) ایضاً / ص ۵۸، ۵۹

آج کے زندہ مسائل ۲۷۵ مثالِ نظامِ تعلیم کی تشکیل
وہ کیونکر ادا کئے جائیں: ”عرفان حق“ و ”خدمت خلق“ اس کا اساسی اور بنیادی تخیل تھا۔ (۱۰۲)

۱۰۔ مولوی فضل الحق

ہندوستان میں ہمارا تعلیمی مقصود یہ تھا کہ طالب علم کے قوائے ظاہری و باطنی کو مرتب و منظم کر کے اس کے اخلاق و عادات میں شگفتگی و رفتی اور نظم پیدا کیا جائے اور اسے انسانِ کامل بننے کی راہ پر لگا دیا جائے، ایسا انسان جو صفاتِ صوری اور کمالاتِ معنوی میں ارتقا حاصل کر کے فلاحِ دنیوی اور نجاتِ اخروی کا مستوجب اور دوسروں کے لئے موجبِ رحمت و سعادت ہو۔ اس تمام خاکے کا مرکز مذہب ہے۔ (۱۰۳)

۱۱۔ سر ابراہیم رحمت اللہ

تعلیم کا آخری مطمح نظر علم بغرض علم ہونا چاہئے۔ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ان ہی معنوں میں حصولِ تعلیم کی تلقین کی ہے، جب کہ انہوں نے فرمایا کہ علم حاصل کرو، کیونکہ جو علم حاصل کرتا ہے خدا کے راستے میں نیک کام کرتا ہے۔ جو علم کا ذکر کرتا ہے، خدا کی تعریف کرتا ہے۔ جو علم تلاش کرتا ہے، خدا کی پرستش کرتا ہے۔ جو علم سکھاتا ہے، خیرات بانٹتا ہے۔ اور جو ایسے لوگوں کو علم سکھاتا ہے، جو اس کے اہل ہیں، وہ خدا کی عبادت کرتا ہے۔ علم حق و باطن میں قیام کرنا سکھاتا ہے۔ وہ ہم کو بہشت کا راستہ دکھاتا ہے۔ (۱۰۴)

۱۲۔ نواب زادہ لیاقت علی خان

ہماری دینی تعلیم ہو یا دنیاوی تعلیم ہو، ایسی ہو کہ زندگی اور زندگی کے ہر شعبے کے متعلق وسیع معنی میں وہ نقطہ نظر پیدا کر دے، جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا تھا، ان میں عالمِ کم تھے مگر ہر ایک مکمل مسلمان تھا، ماہرِ سیاست، جزل، تاجر، مزدور، میاں، بی بی، ماں باپ اور اولاد ہر منصب کے فرائض وہ مسلمان کی حیثیت اور اسلامی نقطہ نظر سے انجام دیتے تھے، زندگی میں یہ جامعیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ (۱۰۵)

(۱۰۲) ایضاً/ص ۷۲ (۱۰۳) ایضاً/ص ۷۵، ۷۶ (۱۰۴) ایضاً/ص ۷۶ (۱۰۵) سید مصطفیٰ علی بریلوی/شمیڈ ملت لیاقت علی خان آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۶۵

آج کے زندہ مسائل ۲۷۶ مثالی نظام تعلیم کی تشکیل

۱۳۔ پروفیسر سید محمد سلیم

تعلیم برائے عظمت رب تعالیٰ کا نظریہ وہ قوی محرک ہے، جو نوع انسانی کو بحیثیت کل، صرف طبقات یا گروہوں کو نہیں، شرف انسانیت سے ہم کنار ہونے کے لئے متحرک رکھتا ہے، ان کو اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ کردار کا حامل بناتا ہے، اخلاق حسنہ پر عامل بناتا ہے، ایسے لوگ حصول علم کے بعد خدا ترس، بھی خواہ وہ ہمدرد ہوتے ہیں، یہ واحد نظریہ ہے، جو علم کی قوت حاصل ہو جانے کے بعد انسان کو اور اقوام کو خود غرضی سے اور قوموں کو کچلنے سے باز رکھتا ہے، اس نظریے کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے انسانوں کو دی ہے، یہ انسانوں کا ساختہ پر داختہ نہیں ہے، اس میں نوع انسانی کی فلاح و خیر ہے۔ (۱۰۶)

۱۴۔ علامہ سید عبداللہ یوسف علی

تعلیم کا ذکر بطور ایک غیر محسوس شے کے کرنا غلطی ہے، اس کی بنیاد ہمیشہ زندگی کے محسوس واقعات پر ہونی چاہئے اور یہی اصل تعلیم کا معیار ہے۔ تعلیم میں ہر طرح کے دماغی اور تمدنی تغیرات و تبدلات کا لحاظ ہونا چاہئے، انسانی دماغ میں جو جو خیالات ہوتے ہیں ان سب کو اس طریقہ پر ڈھالنا چاہئے کہ وہ بہترین تمدنی خوبیوں کا ذریعہ بن سکیں۔ (۱۰۷)

۱۵۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں

یہ قطعاً ظاہر ہے کہ ہندوستان کے اندر قومی تعلیم کے نظام کا اہم ترین مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ا۔ مجموعی طور پر اہل ملک کی روحانی، ذہنی اخلاقی اور جسمانی سطح بلند ہو۔ ا۔ علم اور حکمت و فنون کی کنجی ان کے حوالے کی جائے جو قدرت پر انسان کی حکومت کو وسیع کرنے کے لئے ضروری ہے تاکہ قومی قوت و تحفظ کو استحکام ہو اور اس کرہ پر اپنے بہرہ و قسمت سے حظ وافی حاصل کر سکیں۔ ۳۔ مختلف فرقوں کے اندر رشتہ اتحاد قائم و مستحکم ہو اور ان میں ایک مشترک حب قوم و حب وطن کی روح پھونکی جائے۔ (۱۰۸)

(۱۰۶) پروفیسر سید محمد سلیم تعلیمی انحطاط کے اسباب ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۸۹ء، ص ۷۱

(۱۰۷) مشابہہ سے تعلیمی نظریے ص ۶۳ (۱۰۸) ایسا ص ۱۱

۱۶۔ مفتی محمد تقی عثمانی

محض ایک گھنٹے میں اسلامیات کے چند مبہم اسباق پر حادینے سے قیامت تک وہ قوم پیدا نہیں ہو سکتی جو ایک آزاد اسلامی ریاست کے حقیقی تقاضوں کو پورا کر سکے، بلکہ اس کے لئے اپنی تعلیم کے پورے نظام و نصاب میں انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت ہے، ایسی انقلابی تبدیلیوں کی جو ہمارے نظام تعلیم کو اس مہلک اور جان لیوا زہر سے پاک کر سکے جو لارڈ میکالے نے پوری قوم کو انگریزوں کا غلام بنانے کے لئے اس میں سمو یا تھا۔ (۱۰۹)

ان نظریات، خیالات اور آرا کا جائزہ لینے کے بعد یہ افسوس ناک حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ ہمارا موجودہ نظام تعلیم ان مقاصد کو پورا کرنے میں حد درجہ ناکام ثابت ہوا ہے، لہذا اسلامی مقاصد تعلیم کی روشنی میں اور ماہرین تعلیم کی آراء و تجاویز سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے نئے نظام تعلیم کا اجرا و نفاذ ناگزیر ہے، جو ہمارے ملی و قومی تقاضے کو بھی پورا کرے، اور ہماری دینی اور مذہبی، تہذیبی و ثقافتی روایات کا بھی نگہبان ہو۔

مقاصدِ تعلیم مغرب کی نظر میں

چونکہ ہمارے ہاں جو نظام تعلیم رائج ہے، وہ معمولی تراش خراش کے ساتھ بنیادی طور پر مغرب ہی کا عطیہ ہے، جن کی نہ رسوم و روایات ہم سے مطابقت رکھتی ہیں، نہ ان کے اور ہمارے مذہبی و اخلاقی اور تہذیبی و ثقافتی اعتقادات، خیالات و معاملات یکساں ہیں، بلکہ ان میں اس قدر تنافر، بُعد اور مغایرت ہے کہ ان میں یکسانیت اور اتفاق کی بنیاد تلاش کرنا بھی ناممکن ہے، ذیل میں چند مرکزی و نمایاں حیثیت کے حامل مغربی ماہرین تعلیم کے خیالات دیئے جا رہے ہیں، جن کے مطالعے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے نظریہ حیات و تصورِ تعلیم اور مغرب کے نظریہ حیات و تصورِ تعلیم میں کس قدر فرق ہے؟

جان ملٹن John Milton

میرے نزدیک مکمل اور شریفانہ تعلیم وہ ہے جو انسان کو بحالت جنگ و امن اپنی اجتماعی اور نجی زندگی کے فرائض، دیانت و مہارت اور عظمت کے ساتھ ادا کرنے کے لئے تیار کرتی ہے۔ (۱۱۰)

جان ڈیوی John Dewey

تعلیم افراد و فطرت سے متعلق بنیادی طور پر عقلی اور جذباتی رویوں کے تشکیل پانے کا عمل ہے۔ (۱۱۱)

ڈاکٹر جو پارک Dr Joe Park

تعلیم رہنمائی یا مطالعے سے علم حاصل کرنے اور عادات اختیار کرنے کا عمل یا فن ہے (۱۱۲)

فکٹے Fichte

تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ شہریوں کو تعلیم کے ذریعے ایسے طریقے پر ڈھال دیا جائے کہ وہ ریاست کی بلاچون و چرا اطاعت کریں۔ (۱۱۳)

فریڈرک ہربارٹ Fredric Herbart

علم صرف دو ہیں، علم فطرت یعنی سائنس اور علم انسان یعنی معاشرتی علوم۔ (۱۱۴)

پستالوزی Pestalozzi

تعلیم جملہ انسانی صلاحیتوں کے فطری مرحلہ وار اور ہم آہنگ و متناسب ارتقا کا نام ہے (۱۱۵)

(۱۱۰) John Milton/ A reopagation and other prose works P.49 of Education/ London 1960. P.81

(۱۱۱) John Dewey / Democracy of Education/ London 1960. P.81

Dr. Joe Park/ Introdution- sclected readclings in philosophy (۱۱۲) of education 1958. P.3

(۱۱۳)۔ پروفیسر سید محمد سلیم/ مغربی فلسفہ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ/ ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۱۹۸۱ء/ ص ۱۳۵،

(۱۱۴)۔ ایضاً (۱۱۵)۔ پروفیسر ایم نذیر احمد تثنہ/ فلسفہ اور تاریخِ تعلیم/ لاہور، ۸۶ء/ ص ۱۳۶، ۱۳۸،

روسو Rousseau

فطرت انسانی کا تقاضا ہے کہ بچے بچے ہی رہیں، قبل اس کے کہ وہ پورے پختہ فکر انسان بنیں۔ (۱۱۶)

ان چند اقوال کی روشنی میں یہ بات دیکھی اور پرکھی جاسکتی ہے کہ اگر انسان کا رشتہ وحی الہی سے کاٹ کر اسے فکری طور پر آزاد چھوڑ دیا جائے تو ان سے کس کس نوعیت کی علمی و فکری لغزشیں ہوتی ہیں۔ مقاصد تعلیم کی بحث سمیٹتے ہوئے ہم اسلامی اور مغربی فکر کا تقابل معروف ماہر تعلیم پروفیسر سید محمد سلیم کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

اسلامی و مغربی افکار کا تقابل

سارا مغربی نظام افکار و تصورات خواہ فلسفہ ہو، علوم نمرانی ہو، سائنس ہو، یا ادب ہو، سب کے اندر خدا ناشناسی بلکہ خدا بیزاری کا جذبہ جاری و ساری ہے۔ ان تصورات کے تحت مغربی ذہن کی تشکیل لادینی خطوط پر کی گئی ہے۔ اس وجہ سے اہل مغرب کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر لادینیت اور مادہ پرستی کی چھاپ بہت گہری ہے۔ مذہب اور اخلاق کو غیر ضروری قرار دے کر انہوں نے رد کر دیا ہے، جسمانی خواہشات کو حقیقت پسندی کا نام دے کر انہوں نے قبول کر لیا ہے۔ ان کی زندگی کا محور اور دائرہ کار حیوانی زندگی کی تسکین ہے۔ دین اسلام اللہ تعالیٰ کو ہی اصل حقیقت قرار دیتا ہے۔ یہ ساری کائنات اسی کی پیدا کردہ ہے وہ اس کا واحد مالک اور فرمانروا ہے۔ دنیا کا یہ عظیم کارخانہ منصوبہ خداوندی کے تحت چل رہا ہے۔ اس کے علم اور اذن کے بغیر یہاں ایک پتہ بھی جنبش نہیں کر سکتا۔ جب یہ عظیم منصوبہ تکمیل پذیر ہو جائے گا تب اللہ تعالیٰ اس کا جائزہ لے گا اور اس میں شامل کرداروں کی کامیابی یا ناکامی کا اعلان کرے گا۔ بلاشبہ اسلام انفس کشی، رہبانیت اور ترک دنیا کا شدید مخالف ہے، لیکن وہ اسی طرح مادہ پرستی اور خواہشات پرستی کا بھی مخالف ہے۔ اس کی نگاہ اخروی اور آفاقی ہے، مادہ پرستی اور خواہشات کا بندہ بننے سے اس کی نگاہ بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ (۱۱۷)

(۱۱۶) ایضاً (۱۱۷) پروفیسر سید محمد سلیم، اسلامی تعلیم، بنیادی تصورات و افکار، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور،

۸۹/ص ۳۸ تعلیم اور فنی شعبہ مضمون: پروفیسر سید محمد سلیم، تعلیم فی سبیل اللہ کا احیا، ص ۸۸

اسلامی نظام تعلیم کے بنیادی خدوخال

اسلامی نظام تعلیم ایک ہمہ جہت تعمیری و انقلابی تعلیم کا خواہاں ہے، ایسی انقلابی تعلیم کا جس کے جلو میں سیاسی جنگامہ خیزی اور فکری آزاد روی پروان چڑھتی، بلکہ جو ہمہ نوع و ہمہ جہت مثبت و تعمیری تبدیلیوں کا سبب و ذریعہ بنتی ہے، اس کے بنیادی خدوخال پیش کرنا خود ایک طویل مقالے کا موضوع ہے، ذیل میں اختصار کے ساتھ اس کے چند اہم نکات پیش کئے جاتے ہیں۔

لازمی و جبری تعلیم

اسلام میں تعلیم لازمی ہے، تعلیم کی ہمہ جہت اہمیت کے پیش نظر اختیاری تعلیم کا اسلام کے ہاں کوئی تصور نہیں، تعلیم ہر ایک کے لئے ہے اور لازمی ہے، خواندگی ایسی چیز نہیں ہے جسے عوام کی مرضی پر چھوڑا جاسکے، کیونکہ ناخواندہ افراد تو علم رکھتے ہی نہیں، ان سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ سب علم کی اہمیت کا ادراک رکھتے ہوں گے، یہ فریضہ حکومت کا ہے کہ وہ ان کے سامنے تعلیم کی اہمیت اجاگر کرے اور انہیں حصول علم پر آمادہ کرے، خصوصاً کسی اسلامی معاشرے میں ناخواندہ افراد قطعاً قابل قبول نہیں ہو سکتے۔ (۱۱۸) اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”علم کا حصول ہر ایک پر فرض ہے۔ (۱۱۹)

آپ ﷺ کے عہد مبارک میں ہر نو مسلم پر مختلف علوم کا جاننا ضروری تھا، جس کے لئے مختلف افراد اور تعلیمی ادارے سرگرم تھے، (۱۲۰) اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خاص طور پر

(۱۱۸) سید عزیز الرحمن، اسلام پاکستان، سیرت طیبہ کی روشنی میں زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۹۷ء، ص ۲۴ (۱۱۹) طلب العلم فریضہ علی کل مسلم، ملاحظہ کیجئے حوالہ نمبر ۳۵

(۱۲۰) اس موضوع پر تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے۔ مولانا قاضی اطہر مبارک پوری، خیر القرون کی درس

گاہیں، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۷۷ محمد یاسین شیخ، عبد نبوی ﷺ کا تعلیمی نظام، غضنفر اکیڈمی پاکستان، کراچی، ۸۹ء، ص ۷۷ پروفیسر رب نواز، آنحضرت ﷺ کی تعلیمی جدوجہد، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۲۰۰۱ء

۲۷ مولانا محمد عبدالعجود، عبد نبوی ﷺ میں نظام تعلیم، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۱ء،

۲۸ پروفیسر سید محمد سلیم، اسلام کا نظام تعلیم، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۹۳ء

خانہ بدوش بدوؤں کے لئے قرآن مجید کی جبری تعلیم کا نظام قائم کیا تھا، اور اس کے لئے کشتی ٹیمیں مقرر کی تھیں۔ (۱۲۱) نیز انہی کے عہد میں ایسے کشتی تعلیمی دستے بھی مقرر تھے کئے گئے تھے، جو لوگوں کی تعلیمی صلاحیت کا جائزہ لیتے تھے، اور ضرورت کے مطابق ایسے افراد کو اساتذہ کے سپرد کرتے تھے۔ (۱۲۲)

مفت تعلیم

اسلام مفت تعلیم کا قائل ہے، حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں تعلیم مفت تھی، آپ نے ہر مسلمان عالم پر بیڑے داری عائد کی ہے کہ وہ دوسروں تک علم پہنچائے۔ (۱۲۳) اس لئے کسمانہ علم پر شدید وعید بیان فرمائی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

جس سے علم کے متعلق کوئی سوال ہوا اور اس نے اسے چھپایا تو اللہ تعالیٰ

اسے روز قیامت آگ کی لگام پہنائے گا۔ (۱۲۴)

بعد کے دور میں بھی تعلیم مفت رہی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں نو مسلموں کی تعلیم و تربیت کے لئے مختلف مکاتب قائم کئے، جن کے معلمین کی تنخواہیں بیت المال سے ادا کی جاتی تھیں، اس دور میں سرکاری انتظام میں قرآن کریم کے علاوہ احادیث، سیرت و غزوات، فقہ، ادب عربی، علم الانساب اور کتابت وغیرہ کی تعلیم مفت ہوتی تھی اور قرآن کریم کی تعلیم پانے والے طلباء کے لئے وظائف کا بھی انتظام تھا۔ (۱۲۵)

حکومتی اہتمام کے علاوہ نجی طور پر اساتذہ بھی تنخواہ لینے سے گریز کرتے تھے اور عام طور پر

(۱۲۱) شبلی نعمانی / الفاروق / مکتبہ صدیقیہ، ملتان، ۱۹۵۲ء، ج ۲/ ص ۴۴۲ (۱۲۲) پروفیسر سید محمد سلیم

اسلام کا نظام تعلیم / ص ۸۶

(۱۲۳) احمد، ابو عبد اللہ بن محمد بن حنبل الشیبانی / المسند دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۹۳ء، ج ۲ ص

۳۴۱، رقم ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۵، ۱۷۲۶، ۱۷۲۷، ۱۷۲۸، ۱۷۲۹، ۱۷۳۰، ۱۷۳۱، ۱۷۳۲، ۱۷۳۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵، ۱۷۳۶، ۱۷۳۷، ۱۷۳۸، ۱۷۳۹، ۱۷۴۰، ۱۷۴۱، ۱۷۴۲، ۱۷۴۳، ۱۷۴۴، ۱۷۴۵، ۱۷۴۶، ۱۷۴۷، ۱۷۴۸، ۱۷۴۹، ۱۷۵۰، ۱۷۵۱، ۱۷۵۲، ۱۷۵۳، ۱۷۵۴، ۱۷۵۵، ۱۷۵۶، ۱۷۵۷، ۱۷۵۸، ۱۷۵۹، ۱۷۶۰، ۱۷۶۱، ۱۷۶۲، ۱۷۶۳، ۱۷۶۴، ۱۷۶۵، ۱۷۶۶، ۱۷۶۷، ۱۷۶۸، ۱۷۶۹، ۱۷۷۰، ۱۷۷۱، ۱۷۷۲، ۱۷۷۳، ۱۷۷۴، ۱۷۷۵، ۱۷۷۶، ۱۷۷۷، ۱۷۷۸، ۱۷۷۹، ۱۷۸۰، ۱۷۸۱، ۱۷۸۲، ۱۷۸۳، ۱۷۸۴، ۱۷۸۵، ۱۷۸۶، ۱۷۸۷، ۱۷۸۸، ۱۷۸۹، ۱۷۹۰، ۱۷۹۱، ۱۷۹۲، ۱۷۹۳، ۱۷۹۴، ۱۷۹۵، ۱۷۹۶، ۱۷۹۷، ۱۷۹۸، ۱۷۹۹، ۱۸۰۰، ۱۸۰۱، ۱۸۰۲، ۱۸۰۳، ۱۸۰۴، ۱۸۰۵، ۱۸۰۶، ۱۸۰۷، ۱۸۰۸، ۱۸۰۹، ۱۸۱۰، ۱۸۱۱، ۱۸۱۲، ۱۸۱۳، ۱۸۱۴، ۱۸۱۵، ۱۸۱۶، ۱۸۱۷، ۱۸۱۸، ۱۸۱۹، ۱۸۲۰، ۱۸۲۱، ۱۸۲۲، ۱۸۲۳، ۱۸۲۴، ۱۸۲۵، ۱۸۲۶، ۱۸۲۷، ۱۸۲۸، ۱۸۲۹، ۱۸۳۰، ۱۸۳۱، ۱۸۳۲، ۱۸۳۳، ۱۸۳۴، ۱۸۳۵، ۱۸۳۶، ۱۸۳۷، ۱۸۳۸، ۱۸۳۹، ۱۸۴۰، ۱۸۴۱، ۱۸۴۲، ۱۸۴

آج کے زندہ مسائل

مثالی نظام تعلیم کی تشکیل

معاوضے قبول نہیں کرتے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے یزید بن ابی مالک اور حارث بن ابی محمد اشعری کو گشتی معلم مقرر کر کے ان کی تنخواہ مقرر کر دی، یزید نے تنخواہ قبول کر لی، حارث نے نہ لی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یزید نے جو کچھ کیا اس میں کوئی خرابی نہیں، البتہ اللہ تعالیٰ حارث جیسے افراد کثرت سے پیدا کرے۔ (۱۲۶)

بچوں کی تعلیم

بچے کسی بھی قوم کا مستقبل ہوتے ہیں، ان کی تعلیم کا انتظام کرنا درحقیقت خود اپنے مستقبل کو سنوارنا ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

تم علم حاصل کرو، اگر تم قوم میں سب سے چھوٹے ہو تو کل دوسرے لوگوں میں (علم کی وجہ سے) تم بزرگ بن جاؤ گے۔ (۱۲۷)

اس لئے حضور اکرم ﷺ نے اس کی بھی بڑی تلقین فرمائی ہے، نیز بچپن میں حافظہ قوی ہوتا ہے، اسی لئے حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے:

بچپن میں تعلیم حاصل کرنا ایسے ہے جیسے پتھر پر نقش اور بڑھاپے میں تعلیم حاصل کرنا ایسے ہے جیسے نقش بر آب۔ (۱۲۸)

آپ ﷺ نے والدین کو بچوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دینے کی تلقین کی، آپ ﷺ نے فرمایا:

کوئی والد اپنے بچے کو اس سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دے سکتا کہ وہ اس کو اچھی تعلیم دے۔ (۱۲۹)

اور ایک دوسری روایت میں فرمایا:

آدمی کا اپنے بیٹے کو ادب سکھانا ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے (۱۳۰)

(۱۲۶) مجلہ تعلیم / انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد / شمارہ ۷، پاکستان میں

(۱۲۷) ابن قتیبہ / عیون الاخبار، بیروت / ج ۲ ص ۱۲۳ (۱۲۸) ایضاً / ص ۱۶۴ (۱۲۹) شعب الایمان /

ج ۲ ص ۲۵۶، ۶۶۶ ترمذی / ج ۳ ص ۳۸۳، رقم ۱۹۵۹ (۱۳۰) ترمذی ایضاً / رقم ۱۹۵۸،

آج کے زندہ مسائل

مثالی نظام تعلیم کی تشکیل

معذوروں کی تعلیم

اسلام کی نظر میں کسی قسم کی کمی یا کمزوری اس کے فرائض کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی، ہاں کسی پر بھی اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جائے گا، تعلیم کے معاملے میں بھی اسلام کا یہ اختصاص و امتیاز ہے کہ اس نے جسمانی کمزوریوں کو حسن عمل و جہد مسلسل کی دولت سے چھپا دیا اور معذوروں سے وہ کاربائے نمایاں لئے کہ صحت مند افراد رشک کراٹھے، اس کی سب سے اہم مثال حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی ہے، جنہیں یہ فخر و شرف حاصل ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں اپنی غیر موجودگی میں مدینہ منورہ جیسی اسلامی ریاست کے لئے اپنا قائم مقام مقرر کیا، اور انہیں یہ شرف دس بار حاصل ہوا۔ (۱۳۱) جبکہ دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو یہ اعزاز نہ مل سکا، ایک نابینا صحابیؓ اور حضور اکرم ﷺ کی نیابت کا فریضہ، تعلیم و تربیت میں اعلیٰ مدارج طے کئے بغیر یہ مرتبہ کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ اسلام میں معذوروں کی قدر و منزلت کا یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا، جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ہر دور میں اور ہر فن میں بڑے بڑے جلیل القدر علما نابینا اور معذور گزرے ہیں۔ (۱۳۲)

آج بھی معذوروں اور کئی وجہ سے عام جسمانی صلاحیتوں کا شکار یا محروم افراد کی تعلیم کا خاص اہتمام ناگزیر ہے۔ تاکہ وہ تعلیم پا کر اور علم و فن سے بہرہ ور ہو کر اپنا تعمیری کردار ادا کر سکیں، اور معاشرے کی تعمیر و ترقی کا سبب بن سکیں۔

-
- (۱۳۱)۔ یہ واقعات ذیل کے غزوات و اسفار میں آپ ﷺ کی مدینہ منورہ سے غیر موجودگی میں پیش آئے:
- ملاحظہ کیجئے، ابن سعد / الطبقات الکبریٰ / دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۹۷، ج ۲،
- ۱۔ غزوہ قرقرة الکدر / ص ۲۲۳، غزوہ بنی سلیم / ص ۳۷۷، غزوہ احد / ص ۲۹، غزوہ بنی نضیر / ص ۲۴،
- ۵۔ غزوہ احزاب / ص ۵۱،
- ۶۔ غزوہ بنی قریظ / ص ۵۷، غزوہ بنی لحيان / ص ۶۰، ۸۔ غزوہ الغابہ / ص ۶۲، ۹۔ صلح حدیبیہ / ص ۷۳،
- ۱۰۔ فتح مکہ / ص ۱۰۲، اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم کو غزوہ بدر میں صرف نمازوں کی امامت کے لئے اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا، دیکھئے، طبقات ج ۸، ص ۲،
- (۱۳۲)۔ دیکھئے، مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی، نابینا علما، مجلس نشریات اسلام، کراچی،

خواتین کی تعلیم

خواتین کے لئے ایسا انتظام ضروری ہے کہ جس کے تحت وہ اپنی بنیادی ضروریات کی تعلیم خواہ وہ دینی ہوں یا دنیاوی بہ سہولت حاصل کر سکیں، اور ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، اور خواتین کی تعلیم کا سلسلہ خالص اسلامی ماحول میں اسلامی تعلیمات کی ادنیٰ مخالفت اور ان سے معمولی روگردانی کے بغیر بھی جاری رہے۔ آپ ﷺ نے انہی مقاصد کے پیش نظر خواتین کی تعلیم کے لئے علیحدہ دن اور علیحدہ مقام متعین فرمادیا تھا۔ (۱۳۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اس سلسلے کو مزید وسعت ہوئی اور خواتین کے باقاعدہ الگ مدرسے قائم ہوئے۔ (۱۳۴) ان کے دور میں خواتین کی بھی جبری تعلیم رائج ہو گئی تھی۔ (۱۳۵)

آج بھی اس سلسلے میں خصوصی توجہ کی ضرورت ہے، مختلف حلقوں کی جانب سے ہمارے ہاں خواتین کی علیحدہ یونیورسٹی کا مسئلہ اٹھتا رہتا ہے، یہ مطالبہ اپنی جگہ درست ہونے کے باوجود بھی نامکمل ہے، اس مطالبے کا اصل جواز اسلام میں مخلوط تعلیم کی ممانعت ہے، یہ امر اس کا متقاضی ہے کہ صرف جامعات کی سطح پر نہیں بلکہ پرائمری کے بعد ہر درجہ اور مرحلے میں طلباء کے ادارے الگ اور طالبات کے ادارے الگ ہونے چاہئیں، جن میں صرف طلباء و طالبات ہی الگ الگ نہ ہوں، اساتذہ بھی علی الترتیب مرد اور خواتین ہوں، اور یہ مطالبہ کوئی نئی چیز نہیں، پاکستان کے پہلے وزیر اعظم شہید ملت لیاقت علی خاںؒ نے ایک موقع پر اس مسئلے پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا تھا:

ان واہی باتوں کو مسلمان سننا بھی گوارا نہیں کرتے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی مشترکہ تعلیم ہو، آج تک مشترکہ تعلیم کا کوئی ایسا فائدہ کسی نے بیان نہیں کیا ہے، جو دلنشین ہو۔ ممکن ہے کہ مسلمانوں میں بعض افراد ایسے ہوں جو مخلوط تعلیم کے مؤید ہوں مگر مسلمانوں کی ساری قوم اس کے خلاف ہے (۱۳۶)

(۱۳۳)۔ بخاری، کتاب العلم و کتاب الاعتصام بالسنۃ، باب تعلیم النبی ﷺ امتہ من الرجال والنساء

(۱۳۴) اسلام کا نظام تعلیم، ص ۹۰ (۱۳۵) ایضاً

(۱۳۶) شہید ملت لیاقت علی خاںؒ، ص ۶۳

تعلیم بالغاں

تعلیم بالغاں کی اہمیت مسلم ہے، بڑی عمر کے بہت سے افراد محض اس سبب سے حصولِ علم سے رہ جاتے ہیں کہ بچپن میں کسی مجبوری، عدمِ توجہی یا عدمِ وسائل کے سبب وہ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ اسلام تعلیم کیلئے کوئی وقت مقرر نہیں کرتا، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایسے صحابہ بڑی تعداد میں نظر آتے ہیں جنہوں نے نہ صرف بڑی عمر میں تحصیلِ علم کیا بلکہ مرتبہ کمال کو پہنچے، یہ سلسلہ بعد کے زمانے میں بھی جاری رہا، بلکہ قرآن کریم کو بڑی عمر میں حفظ کرنے کا سلسلہ تو آج بھی جاری ہے، اور یہ قرآن کریم کی برکت ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

تم لوگ سردار بنائے جانے سے قبل علم حاصل کرو، نبی کریم ﷺ کے

صحابہؓ نے تو بڑی عمر میں علم حاصل کیا ہے۔ (۱۳۷)

اس لئے ہمارے ہاں بھی تعلیم بالغاں کے حلقے قائم ہونے چاہئیں، جہاں بڑی عمر کے ناخواندہ افراد اپنی معلومات اور دنیاوی ضروریات کا علم اپنی ضرورت کے مطابق بہ سہولت حاصل کر سکیں۔

غیر مسلموں کی تعلیم

ایک اسلامی ریاست میں اسلامی نظامِ تعلیم کی موجودگی میں کسی غیر مسلم کو یہ اندیشہ لامحالہ ہو سکتا ہے کہ اس کی تعلیمی ضروریات کا کون کفیل ہوگا؟ لیکن یہ اندیشہ بے جا ہے۔ ایک تعلیمی نظام کیا اسلامی ریاست کے تو تمام امور ہی اسلامی نظام کے تحت چلتے ہیں، مگر خود یہ نظام تمام غیر مسلموں کو ان کے مذہبی و تعلیمی معاملات میں مکمل آزادی دیتا ہے، اور اس کی ضمانت خود آنحضرت ﷺ نے اپنے پہلے معاہدے میثاقِ مدینہ میں غیر مسلموں کو دی ہے۔ (۱۳۸) اس لئے اسلامی نظام میں ان کے حقوق اور تعلیمی ضرورتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(۱۳۷) بخاری کتاب العلم

(۱۳۸) دارالحدیث، دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، ج ۱، ص ۵۵

تخصصات

عام تعلیم کے ساتھ ساتھ اعلیٰ تعلیم اور خاص موضوعات پر تخصصات (Specialization) کی اہمیت بھی مسلم ہے۔ خود قرآن حکیم نے اس کی اہمیت کی جانب توجہ دلائی ہے۔ مثلاً فرمایا:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ

سو کیوں نہ نکلیں ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ تاکہ دین کی سمجھ پیدا کریں۔ (۱۳۹)

اس آیت میں تخصصین فی الفقہ کی اہمیت بیان ہوئی ہے۔ اور ایک مقام پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی کے لئے متخصصین کی تیاری کی تاکید ہے، فرمایا:

وَلَتَكُنَّ مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے، نیکی کی دعوت دے اور برائی سے روکے۔ (۱۴۰)

اور عہد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بھی آپ ﷺ کی زیر تربیت بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے مختلف مضامین میں تخصص و امتیاز حاصل کر لیا تھا، جن میں سے بعض خوش نصیب ایسے تھے جنہیں اس اختصاص کی سند خود زبان نبوت ﷺ سے ملی، مثال کے طور پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو قرأت و تجوید میں اختصاص حاصل تھا، آپ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا:

سب سے بڑے قاری ابی بن کعب ہیں۔ (۱۴۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قضات میں امتیاز حاصل تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ

(۱۳۹) التوبہ: ۱۲۲ (۱۴۰) آل عمران: ۱۰۴

(۱۴۱) شمس الدین ابی عبد اللہ محمد بن احمد زعفرانی، القرطبي، ج ۱، ص ۲۹

آج کے زندہ مسائل ۲۸۷ مثالی نظام تعلیم کی تشکیل

ہمارے سب سے بڑے قاضی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سب سے بڑے

قاری ابی رضی اللہ عنہ ہیں۔ (۱۴۲)

اسی طرح علوم قرآنی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما امتیاز کے حامل تھے،

عکرمہؓ فرماتے ہیں

ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ علم قرآن

رکھتے تھے۔ (۱۴۳)

اور علم تفسیر و فقہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو شہرت ملی، خود آپ ﷺ نے یہ فرما کر انہیں

سند عطا کی

تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو۔ (۱۴۴)

علم الفرائض میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ممتاز ہوئے، آپ ﷺ کا قول مبارک ہے

میری امت میں علم فرائض سب سے زیادہ زید بن ثابت جانتا ہے (۱۴۵)

اور حلال و حرام کے علم میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ درجہ امتیاز کے حامل تھے، آپ

ﷺ نے فرمایا

میری امت میں حلال و حرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا شخص معاذ بن

جبل رضی اللہ عنہ ہے۔ (۱۴۶)

عصر حاضر میں بھی ہمیں ان خصوصیات کو زندہ رکھتے ہوئے آج کی ضرورت کے مطابق مختلف علوم و

فنون کے ماہر تیار کرنا ہوں گے۔ خصوصاً غیر ملکی زبانوں کے ماہرین کی تیاری ہمارے لئے از بس

ضروری ہے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے

من تعلم لغة قوم امن شره

(۱۴۲) ابن حجر عسقلانی / تہذیب التبذیب / بیروت / ج ۷ ص ۳۲۷ (۱۴۳) الصابونی، محمد علی / التبیان

فی علوم القرآن / عالم الکتب، بیروت، ۸۵، ۶۸ / (۱۴۴) احمد / ج ۱ ص ۲۶، رقم ۳۵۵۸

(۱۴۵) کنز العمال / رقم ۳۳۳۰۴

(۱۴۶)۔ ڈاکٹر احمد امین / فجر الاسلام / بیروت، دار الکتب العربی / ج ۲ ص ۷۵

آج کے زندہ مسائل

مثالی نظام تعلیم کی تشکیل

جو شخص کسی قوم کی زبان سے واقف ہو جاتا ہے وہ ان کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے،

اس بنا پر... رے لئے دفاعی اعتبار سے بھی ان زبانوں کا جانا ضروری ہے،

ذریعہ تعلیم

ایک اہم معاملہ ذریعہ تعلیم کا ہے، اور یہ بات طے ہے کہ ذریعہ تعلیم وہی زبان بن سکتی ہے، جس پر بچہ جلد عبور حاصل کر سکتا ہو، اس پر بھی صرف مضمون کا بوجھ پڑے، اور یہ اس کی مادری یا قومی زبان ہی ہو سکتی ہے، اور موجودہ دور کے ماہرین بھی اس پر متفق ہو رہے ہیں کہ سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ تدریس طالب علم کی اپنے مادری زبان کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں ہو سکتی (۱۳۷) ہمارے ہاں یہ شرف اردو زبان کو حاصل ہے، ہم گزشتہ ۵۵ برسوں میں الاعداد تجربے کر کے دیکھ چکے ہیں مگر بانی پاکستان قائد اعظم کے اعلان اور سپریم کورٹ کے فیصلے کے باوجود آج تک اردو کو ذریعہ تعلیم اور دفتری زبان قرار نہیں دیا جاسکا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر قوم و قبیلے سے اس کے مخصوص لب و لہجے میں گفتگو فرماتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فرمان مبارک ہے:

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے ان کی فہم و دانش کے مطابق گفتگو کیا

کروں۔ (۱۳۸)

اور ظاہر ہے کہ اس میں زبان بھی شامل ہے کیوں کہ انسان اپنی مادری زبان پر جو عبور رکھتا ہے وہ کسی دوسری زبان پر نہیں رکھتا۔

کھیل

انسانی صحت کے لئے کھیل ضروری ہیں اور تعلیم کے لیے صحت اہم ہے، اس لیے اسلام میں صحت کی بھی اہمیت ہے اور کھیلوں کی بھی اجازت دی گئی ہے، لیکن بقدر ضرورت، اہل عرب کا ایک مقولہ ہے:

(۱۳۷)۔ محمد یاسین شیخ، مہد نبوی کا نظام تعلیم، کراچی، مکتبہ اکیڈمی، ۱۹۸۹ء، ص ۱۷۶

(۱۳۸)۔ شامی، سبیل الہدی، الإرشاد ج ۲، ص ۹۴

اعط الوقت حقہ من اللہو المناخ بقدر ما يعطى الطعام من

الملح (۱۴۹)

جائز کھیلوں کو اتنا وقت دو جتنا کھانے میں نمک ہوتا ہے۔

اس حکمت بھرے قول میں اس حقیقت کی جانب توجہ مبذول کرائی گئی ہے کہ جیسا کہ کھانے کی لذت نمک پر منحصر ہے اس طرح زندگی میں کھیل بھی ضروری ہیں لیکن جس طرح نمک کی زیادتی اچھے خاصے عمدہ کھانے کے لطف اور مزے کو ختم کر دینے کے لیے کافی ہے، اسی طرح کھیل کا تناسب بھی زندگی میں قدر ضرورت سے بڑھنا نہیں چاہیے، اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے امام غزالی فرماتے ہیں کہ بچے کی تعلیم گاہ سے واپسی پر تھوڑے بہت کھیل کی اجازت ہونی چاہیے، تاکہ وہ پڑھائی کی تھکاوٹ کو دور کر سکے، لیکن یہ کھیل اتنا نہ ہو کہ بچہ کھیل ہی کھیل میں تھک جائے۔ (۱۵۰)

ہمارا موجودہ نظام تعلیم

ہمارا موجودہ نظام تعلیم مختلف جہتیں رکھتا ہے، لیکن اس کے دو پہلو نمایاں ہیں،

- ۱۔ دینی تعلیم، ۲۔ عصری تعلیم۔ جن میں عصری علوم و فنون کے تمام ادارے شامل ہیں، ذیل میں ان کی خصوصیات و نقائص کا مختصر جائزہ لیا جا رہا ہے۔

دینی تعلیم

- ۱۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آج بھی دینی مدارس میں اسلامیات کا جو انصاب پڑھایا جا رہا ہے، یونیورسٹی میں ایم اے کی سطح پر پڑھایا جانے والا انصاب اس کا صرف ایک حصہ ہے۔
- ۲۔ دینی مدارس میں آج کے گئے گزرے دور میں بھی استاد و شاگرد کے باہمی تعلق و احترام کی روایت موجود ہے۔

- ۳۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسکول و کالج کے مقابلے میں ان مدارس

(۱۴۹)۔ رب نواز آغخضر رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمی جدو جہد، لاہور، ادارہ تعلیمی تحقیق ۲۰۰۱ء، ص ۳۱

(۱۵۰)۔ امام غزالی، احیاء علوم الدین، ج ۱، ص ۱۲

آج کے زندہ مسائل

مثالی نظام تعلیم کی تشکیل

کے اخراجات بے حد کم ہیں، تناسب کے اعتبار سے ان کا خرچ دس فیصد بھی نہیں، جبکہ خواندگی میں اضافے کے ضمن میں ان کی خدمات مثالی ہیں، ایک سروے کے مطابق پاکستان میں دینی مدارس کی تعداد ۳۵ ہزار سے زائد ہے۔ (۱۵۱) جن میں کئی لاکھ طلبا تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

۴۔ وسائل کی عدم فراہمی کے سبب یہ مدارس جدید سہولتوں سے محروم ہیں، ان کے طلبا کو جدید وسیع لائبریری اور کمپیوٹر جیسی بنیادی سہولتیں حاصل نہیں۔

۵۔ دینی جامعات کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ انہوں نے دینی روایات و خصوصیات کو غیر اسلامی تہذیبی فکری روایات و اثرات سے محفوظ رکھا ہے، اور اصلاح احوال کے لئے سرگرم ہیں۔

۶۔ ملک و بیرون ملک دینی ضرورتوں کو ایک حد تک پورا کر رہے ہیں۔

۷۔ انصاف میں چند تبدیلیاں ناگزیر ہیں، جو اس مقالے میں تجاویز کے ضمن میں درج ہیں، ان کی وجہ سے ان کی فعالیت متاثر ہو رہی ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ دینی جامعات کے اکثر طلبا کا سطح نظر روزگار نہیں ہے، تعلیم سے رضائے الہی و خدمت دین مقصود ہے، جو فی زمانہ مادیت پرستی کے اس طوفان میں اہم بات ہے۔

عصری تعلیم

۱۔ اساتذہ و طلبہ دونوں میں بعد و فاصلہ بڑھ رہا ہے، جس کا اہم سبب اساتذہ کی قابلیت میں کمی اور ٹیوشن کی روایت ہے۔

۲۔ انگریزی کو وجہ فضیلت سمجھ لیا گیا ہے، جس کی وجہ سے نہ انگریزی صحیح طرح آ پاتی ہے، نہ ہی علم پر قدرت ہوتی ہے۔

۳۔ بعض علوم و فنون میں کچھ اداروں نے اپنا وجود باہر کے ممالک میں بھی منوالیا ہے، یہ بڑی کامیابی ہے۔

۴۔ بہت سے شعبوں میں پاکستانی ماہرین بیرونی دنیا میں ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے ہیں

۵۔ پرائیوٹ اسکول و کالج طبقاتی تقسیم پیدا کر رہے ہیں۔

۶۔ ابتدائی تعلیم سے میٹرک تک پرائیوٹ اسکولوں میں نصاب باہر کا درآ مد شدہ ہے، جو ہماری مذہبی، تہذیبی و اخلاقی روایات سے یکسر مختلف ہے، بلکہ ان سے متضاد ہے، فکری اعتبار سے یہ ایک خطرناک صورت حال ہے۔

۷۔ مشنری تعلیمی اداروں میں ہمارے ہاں خوب داخلوں کا رجحان ہے، جس کا سبب ان کی انتظامی خصوصیات ہیں، مگر ان میں عیسائیت وغیرہ کی تعلیم ہو رہی ہے۔

۸۔ عربی و فارسی زبانوں سے بے توجہی ہوتی جا رہی ہے، حالانکہ ہمارے زبان و ادب کا ایک بہت وسیع سرمایہ ان میں موجود ہے۔

۹۔ امتحانات کا انتظام مکمل طور پر اصلاح طلب ہے، اس میں وقت بھی ضائع ہوتا ہے، اور معیار جانچنے میں بھی خطا کا امکان بہت ہے۔

ان امور کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ صورتحال خوش کن نہیں ہے، اور ہمیں زیادہ توجہ سے اپنے تعلیمی امور کا جائزہ لینا ہوگا۔

عمومی تجاویز برائے نصاب و نظام تعلیم

بحث کو سمیٹتے ہوئے ذیل میں نئے اسلامی نظام کی تشکیل کے لئے تجاویز تحریر کی جاتی ہیں، یہ تجاویز دو طرح کی ہیں، بعض کا تعلق تو اس صورت سے ہے جب کہ ایک مشترکہ نظام قائم ہوگا، جبکہ باقی تجاویز اس صورت کے لئے ہیں جبکہ اس موجودہ صورت حال کو برقرار رکھ کر ان میں اصلاح احوال کی کوشش کی جائے، ان تجاویز کا مطالعہ اسی تناظر میں کیا جائے۔

۱۔ آج کی تمام ضرورت کے مضامین مثلاً جدید فلسفہ، سائنس کے اہم اصول و مبادیات وغیرہ، اردو زبان میں منتقل کر کے پڑھائے جائیں، تاکہ وقت کم صرف ہو۔

۲۔ دینی مدارس میں مختلف تخصصات کے شعبے قائم کئے جائیں، مثلاً، ۱۔ دعوت،

۲۔ سیرت، ۳۔ تقابل ادیان، ۴۔ علوم حدیث، ۵۔ فلسفہ جدید، ۶۔ اسلامی معاشیات وغیرہ۔

آج کے زندہ مسائل

مثالی نظام تعلیم کی تشکیل

۳۔ ہر سطح پر تعلیمی نظام مکمل طور پر غیر مخلوط ہو، طلباء و طالبات کے لئے ہر دو کی ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے الگ نصاب اور الگ تعلیمی اداروں کا انتظام کیا جائے۔

۴۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے طلباء کو باہر جانا پڑتا ہے، جس کے نتیجے میں ایک طرف اہم افرادی قوت اور اچھے ذہن باہر منتقل ہو رہے ہیں، دوسرے غیر مسلم معاشرے کے برے اور غلط مذہبی و اخلاقی اثرات سے نئے ذہن متاثر ہو رہے ہیں، اس کا سد باب بہت ضروری ہے۔

۵۔ تمام تعلیمی اداروں اور درجات و مراحل کا ایک نصاب اور ایک ذریعہ تعلیم اردو ہوگا، اردو کو خاص اہمیت دی جائے اور اس کے بارے میں احساس کمتری کو ترک کیا جائے۔

۶۔ تمام عصری علوم بشمول سائنس، معاشیات، سیاسیات، فلسفہ وغیرہ کی تشکیل نو کی جائے، ان کے غیر اسلامی تصورات و افکار کو رد کیا جائے اور اسلامی تصور و موقف کو نمایاں مقام دیا جائے، تاکہ ان علوم میں دانستہ شامل کئے جانے والے لادینیت کے اثرات زائل کئے جاسکیں۔

۷۔ جب تک مشترکہ نظام تعلیم قائم نہیں ہوگا، اس وقت تک دینی مدارس کو ان مضامین کا اضافہ کرنا ہوگا، ۱۔ جدید علم کلام، جس میں بدھ مت، ہندومت، سکھ نیز عیسائیت و یہودیت اور جدید غیر مسلم تحریکوں مثلاً سائنزم و لادینیت وغیرہ پر بنیادی معلومات ہوں، ۲۔ اسلامی معاشیات، ۳۔ تاریخ و سیرت، ۴۔ انگلش (کم از کم بی اے کی سطح کی) نیز ائمہ اور خطباء اور اساتذہ کے لئے خصوصی تربیتی کورس۔

۸۔ درس نظامی کی تکمیل کی سند شہادۃ العالمیہ کو غیر مشروط طور پر ایم اے کے مساوی عملی طور پر تسلیم کیا جائے، اور اسے وہی حیثیت دی جائے جو ایم اے کو حاصل ہے۔

۹۔ مشترکہ تعلیمی اداروں میں صرف غیر مسلم طلباء کو داخل ہونے کی اجازت ہو، مسلمان طلباء کے لئے پابندی عائد کی جائے۔

۱۰۔ نجی طور پر قائم ہونے والے تعلیمی اداروں کو کسی نظم و ضبط کا پابند کیا جائے، اور ان کی تنظیم سازی پر خاص توجہ دی جائے۔

آج کے زندہ مسائل ۲۹۳ مثالی نظام تعلیم کی تشکیل

مثالی اسلامی نظام تعلیم کے لئے عملی خاکہ

یہ مختصر خاکہ ہے، اس کے مطابق نصاب تیار کرنے کے لئے ماہرین کی کمیٹی کا قیام ضروری ہوگا، یہ نظام چھ مرحلوں میں تقسیم ہوگا۔

ا۔ پہلا مرحلہ پرائمری تک (ایک تا پانچ) کا ہوگا، اس میں اردو تحریر، ناظرہ قرآن، نماز، مختصر عقائد، ابتدائی ریاضی، اور چوتھی پانچویں جماعت میں انگریزی کے ابتدائی اسباق ہوں گے، زمری، کے جی، انگلش میڈیم اسکولوں کا نصاب سب ختم ہوگا، ناظرہ قرآن کریم کے لئے الگ وقت مقرر ہوگا۔

ب۔ یہ مدلل کا مرحلہ ہوگا، اس میں چھٹی تا آٹھویں جماعت شامل ہوگی، اس درجے میں، انگریزی، اسلامیات، معاشرتی علوم، ابتدائی سائنس، ریاضی کے ساتھ ساتھ عربی صرف و نحو اور فارسی کے ابتدائی اسباق بھی شامل ہوں گے، نیز آخری پارے (پارہ عم) کا صرف ترجمہ تینوں سالوں میں مکمل کرایا جائے گا۔

ج۔ یہ میٹرک پر مشتمل ہوگا، اس مرحلے میں چار گروپ قائم ہوں گے۔ ا۔ درس نظامی، ۲۔ آرٹس، ۳۔ کامرس، ۴۔ سائنس، اس میں اسلامیات، عربی، انگلش، تاریخ کے اسباق لازمی ہوں گے، صرف سائنس اور کامرس والوں کے لئے ان کے اپنے اسباق پر زیادہ توجہ ہوگی، اس کے مقابلے میں درس نظامی والوں کے ہاں ان سالوں میں تفسیر حدیث و فقہ وغیرہ پر زیادہ وقت صرف ہوگا، (ثانویہ عالیہ کا عمومی نصاب ہوگا) اسی طرح آرٹس والے اپنے شعبے کے چند ضروری اسباق پر توجہ دیں گے، زیادہ تر نصاب لازمی اور سب کے لئے مساوی ہوگا۔

د۔ یہ انٹر میڈیٹ کا ہوگا، اس سطح پر بھی وہی چار گروپ قائم رہیں گے، اور وہی بنیادی نظریہ پیش نظر رہے گا، جو میٹرک کی سطح پر تھا۔

ه۔ یہ اعلیٰ تعلیم کا مرحلہ ہوگا، اب اسلامیات و اردو کے لازمی مضمون کے علاوہ چاروں گروپ کے اسباق علیحدہ ہو جائیں گے، نیز قانون و زراعت وغیرہ کی اعلیٰ تعلیم کا آغاز بھی یہیں

ہوگا، اس کے تحت ا۔ میڈیکل کی پانچ سالہ تعلیم ہوگی، ۲۔ انجینئرنگ و قانون کی چار سالہ تعلیم ہوگی، اور ان میں سائنس کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر خصوصیت کے ساتھ پڑھایا جائے گا، اور قانون کے نئے، عربی اور اسلامی فقہ لازمی مضمون ہوں گے۔ ۳۔ درس نظامی مزید پانچ سالہ ہوگا، جن میں دورہ حدیث، ۲ سالہ ہوگا، اس کے ساتھ ساتھ، ڈگری اور بی اے کے امتحانات ختم ہوں گے، منشی فاضل اور عربی فاضل وغیرہ بھی سب ختم ہوں گے۔

و۔ آخری مرحلہ ایم فل اور پی ایچ ڈی کا ہوگا، اس میں تمام متخصّصین تیار ہوں گے۔

ز۔ عام تعلیمی اداروں کے تعلیمی نظام کی جب تک انقلابی تبدیلیوں کے بعد قلب مابیت نہیں ہو جاتی اور ان کا نظام مکمل طور پر تبدیل نہیں ہو جاتا، اس وقت تک عالمی تعلیمی کانفرنس منعقدہ مکہ مکرمہ (۳۱ مارچ ۱۹۷۷ء) کی سفارش کے مطابق دینی تعلیم کے مراکز کو علیٰ حالہ قائم رکھ کر ان کی مکمل حفاظت کا انتظام کیا جائے اور ان کی آزادی کی ضمانت فراہم کی جائے۔ (۱۵۲)

امید ہے کہ ان تجاویز پر ان کی روح کے مطابق اُمر عمل کر لیا جائے تو انشاء اللہ ہمارا نظام تعلیم مثالی بھی ثابت ہوگا اور اسلامی بھی، اور ہمارے متعینہ اہداف پورے کرنے میں معین و مددگار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں صحیح اسلامی فکر پر عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

نئے عالمی نظام کی تشکیل اور
اُمتِ مسلمہ کی ذمے داریاں
تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

قومی سیرت النبی ﷺ کا انفرنس ۲۰۰۳ء

وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، اسلام آباد

امت مسلمہ کو آج جس مسئلے کا سب سے زیادہ سامنا ہے وہ دہشت گردی کا معاملہ ہے، پوری دنیا میں اس وقت یہ کیفیت ہے کہ ہر مسلمان کو مشکوک نظروں سے دیکھا جا رہا ہے، اور خود اسلامی کو (نعوذ باللہ) دہشت گردی کا مذہب قرار دے دیا گیا ہے، اور جو زیادہ مصلحت پسند بننے کی کوشش کرتا ہے وہ بھی اس قدر ضرور کہتا ہے کہ اسلام تو امن و سالمیت کا مذہب ہے مگر بعض مسلمان دہشت گردی میں مبتلا ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خود مسلمان سب سے زیادہ دہشت گردی کا شکار ہیں، پھر اگر کہیں پر مسلمان ٹنگ آد بجنگ آمد کے مصداق اپنی بقا و سلامتی کے تقاضوں کے تحت جہاد کا علم بلند رکھے ہوئے ہیں تو مغربی قوتیں جارح کو تنبیہ کرنے کی بجائے انہیں مسلمانوں ہی کو مورد الزام ٹھہرا رہی ہیں۔ اس موقع پر مسلم امہ پر سب سے پہلی ذمہ داری یہ عائد ہوتی ہے کہ وہ مغرب سے مرعوبیت کی بجائے جہاد کا اسلامی تصور پوری قوت و طاقت کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کریں۔

تمہید

آج کا سب سے گرم موضوع مسلمانوں کا مستقبل ہے، ہر شخص جو سوچنے اور سمجھنے کی تھوڑی سی بھی صلاحیت رکھتا ہے وہ اسی موضوع پر غور و فکر کر رہا ہے۔ بحث مباحثے، تحریر و تقریر ہر پہلو سے یہی موضوع زیر بحث ہے، مسلمانوں کے لئے یہ حالات اور دور سخت ترین آزمائش کا دور ہے۔ ان کی مشکلات کا باقاعدہ آغاز یا یوں کہئے کہ ان میں شدت گذشتہ دس بارہ برسوں کے دوران آئی ہے، یہی دور امریکہ کے نئے عالمی نظام کی تشکیل و ترتیب کا ہے، یہ نظام کیا ہے؟ کیوں اختیار کیا گیا؟ اس کے پوزی دنیا میں کیا اثرات پڑے؟ یہ نظام ہم سے کیا چاہتا ہے؟ اور امت مسلمہ کے لئے اس کے مضرات کیا ہیں؟ پھر سب سے اہم سوال یہ کہ ان حالات میں ہم پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں؟ اور ہمیں اب کیا کرنا چاہئے؟ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے مطابق حسب استطاعت سطور ذیل میں ان ہی سوالات کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نیا عالمی نظام

(NEW WORLD ORDER)

۱۸۹۷ء میں سوئٹزر لینڈ کے شہر بیزل (BASEL) میں یہودی دانشوروں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی، جس نے انیس ابواب پر مشتمل دستاویزات تیار کی تھیں، کتاب کے گیارہویں اور انیسویں باب میں عالمی حکومت کا تخیل ملتا ہے (۱)۔ اس واقعے کو نئے عالمی نظام (New World Order) کا آغاز قرار دیا جاسکتا ہے، اور آج امریکہ میں یہودی اثر و نفوذ کی جو صورت حال ہے، اس کے بعد اس خیال کو شک کی پیداوار نہیں قرار دیا جاسکتا۔

اس نظام کی تشکیل کی پہلی کوشش ۱۹۱۷ء میں ہوئی، جب امریکی صدر ولسن کے مشیر کرنل مائڈیل ہاؤس نے اقوام متحدہ (لیگ آف نیشنز) کا خاکہ ولسن کے سامنے پیش کیا، یہ مسودہ سینٹ (۱) نذر الحفیظ ندوی/مغربی میڈیا اور اس کے اثرات/مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۲۰۰۱ء/ص ۴۵

آج کے زندہ مسائل

وغیرہ نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ ”امریکی اقتدار اعلیٰ کسی دوسری تنظیم کے تابع نہیں رہ سکتا“ (۲) اس ناکامی کا سبب یہ تھا کہ اس وقت تک امریکی اداروں اور سیاست میں یہودی عمل دخل کم تھا، یہ صورت حال امریکہ میں صیہونی اثر و نفوذ کا نقطہ آغاز ہے، اس موقع پر انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہر امریکی ادارے کو اپنی گرفت میں لے لیا جائے، چنانچہ آئندہ چند برسوں کی کوششوں سے امریکہ کے تمام بڑے ادارے اور اہم شخصیات یہودی اثر و نفوذ کا شکار ہو گئیں، جس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت ۲۰۹ فیصد آبادی والی قوم امریکہ کی ۹۰ فیصد آبادی پر حاوی ہو چکی ہے (۳)

امریکہ یہودی شکنجے میں

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ میں یہودی اثر و نفوذ کا بھی قدرے وضاحت سے جائزہ لیا جائے، تاکہ اس کی پالیسیوں اور اقدامات کو صحیح تناظر میں دیکھا جاسکے۔ امریکہ روز اول ہی سے یہودی شکنجے میں جکڑا ہوا ہے یہ ایسی حقیقت ہے جس سے آج تقریباً ساری دنیا واقف ہے، مگر اس کے پس منظر سے شاید کم ہی لوگ واقف ہیں، امریکہ کا پہلا صدر اور اس کا بانی یہودی تھا، جارج واشنگٹن نہ صرف کسٹمری میسن تھا بلکہ اس کا شمار بڑے ”روحانین“ میں ہوتا تھا (۴) پھر ۱۹۱۷ء کے لگ بھگ ایک اور یہودی کرنل ایڈورڈ منڈیل ہاؤس نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ امریکہ میں یہودی اثر و رسوخ کی بنیاد رکھی، اس مقصد کے لئے ”امریکی ادارہ برائے عالمی امور“ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا، جس کا نام ۱۹۲۱ء میں تبدیل کر کے سی ایف آر Council Of Foreign Relation (ادارہ برائے خارجہ تعلقات) کر دیا گیا، اس ادارے نے پھر مزید ذیلی ادارے قائم کئے، جن میں سے چند یہ ہیں۔ برنس کونسل، ایشین انسٹی ٹیوٹ، اٹلانٹک کمیٹی، یونائٹڈ ورلڈ فیڈرلسٹ، ٹری ہیریل کمیشن وغیرہ۔ سی، ایف، آر نے وجود میں آتے ہی اپنا ترجمان فارن افیئرز (Foreign Affairs) کے نام سے نکالنا شروع کر دیا، اس ادارے کے ارکان نے جو تمام یہودی تھے حکومت امریکہ کے بڑے عہدوں، ٹیکس سے معاف بڑے بڑے اداروں،

(۲) ایضاً (۳) ایضاً (۴) Basic Facts about The United Nations: (۴) ۴۷

Charter of the United Nations and Statute of the DPI. 1995

International Court of Justice: DPI 511

آج کے زندہ مسائل

امریکی میڈیا، بینک، ڈیموکریٹک ری پبلکن جماعتوں اور اثر و نفوذ کے دوسرے مراکز، ڈیل کارنیگی فاؤنڈیشن، فورڈ فاؤنڈیشن، راک فیلر فاؤنڈیشن، اور نیویارک ٹائمس، نیوز ویک اور بعد میں تمام امریکی ٹی وی اسٹیشنوں پر قبضہ کر لیا۔ (۵)

اس وقت (چند سال پیش تر کے اعداد و شمار کے مطابق) امریکہ میں یہودیوں کے اثر و نفوذ کا یہ عالم ہے کہ امریکہ میں کروڑ پتی یہودیوں کا تناسب ۲۵ فیصد ہے۔ جوتے کی صنعت میں ۳۴ فیصد، مشروبات کی صنعت میں ۵۰ فیصد، ملبوسات اور فیشن کے میدان میں ۱۰۰ فیصد، پٹرولیم کی صنعت میں ۹۸ فیصد، اور تعلیم کے میدان میں ۲۰ فیصد یہودی ہیں۔ امریکی یونیورسٹیوں میں یہودی اساتذہ کا تناسب ۵۰ فیصد، ہارورڈ جیسے عالمی شہرت کے حامل ادارے میں یہودی اساتذہ کا تناسب ۷۵ فیصد، میڈیسن میں ۲۵ فیصد، لاکالجوں میں ۳۸ فیصد، امریکہ میں یہودی ڈاکٹروں اور وکلا کا تناسب ۳۸ فیصد ہے، عام طور پر امریکی میڈیا کے بڑے حصے پر یہودی قابض ہیں، صرف ایک یہودی فیملی نیو ہاؤس کے پاس ۴۸ روزنامے، بیس ہفت روزہ رسالے، ایک سویا سی ریڈیو اسٹیشن، ایک سو چالیس ٹی وی کیبل اور سترہ سو پینتیس دارالاشاعت ہیں۔ (۶)

سی ایف آر کا امریکی معاملات میں اثر و نفوذ اس حد تک ہے کہ امریکی صدر روز ویلٹ سے لے کر رونالڈ ریگن تک نو امریکی صدر کے خارجہ امور کے مشیر مسٹر جان میکالے کا کہنا ہے کہ ہمیں جب بھی امریکی حکومت کے لئے کل پرزوں کی ضرورت ہوتی ہے تو ہم سب سے پہلے سی ایف آر کے مرکزی دفتر نیویارک سے رابطہ قائم کرتے ہیں، نیز ۱۹۵۲ء سے اب تک دونوں سیاسی پارٹیوں نے امریکی صدارت کے لئے جتنے لوگوں کو نامزد کیا ہے ان سب کا تعلق سی ایف آر سے تھا۔ اس میں استثناء صرف ۱۹۶۳ء اور ۱۹۸۰ء کا کیا جاسکتا ہے، جب رونالڈ ریگن اس کے رکن نہیں تھے، لیکن ان کو مجبور کیا گیا کہ اپنے نائب جارج بوش کا انتخاب کریں جو سی ایف آر کے ممتاز رکن تھے۔ (۷)

جب بل کلنٹن صدارت کے عہدے پر فائز ہوئے تو انہوں نے سی ایف آر کے صدر وارن کرستوفر کو اپنی حکومت چلانے کے لئے مطلوبہ اشخاص کے انتخاب کی پوری آزادی دے دی،

(۵) ندوی/ص ۴۷ (۶) ایضاً (۷) ندوی/ص ۴۸

آج کے زندہ مسائل

چنانچہ ان کی حکومت کے بھی بیشتر ارکان سی، ایف، آر کے رکن تھے۔ سی آئی آر کے ذیلی ادارے فارن افیئرز کے اثر و نفوذ کے بارے میں بحریہ کے کمانڈر ایڈمرل وارڈ کی یہ شہادت کافی ہے کہ فارن افیئرز کے مقالات پڑھنے سے مستقبل میں امریکہ کی دفاعی اور خارجہ پالیسی کی حکمت عملی کا اندازہ ہو جاتا ہے، اگر اس رسالے میں کوئی تجویز دوبارہ شائع کی جاتی ہے تو امریکی حکومت کے تحفیذی ادارے انہیں اس طرح نافذ کرتے ہیں جیسے وہ تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ (۸)

یہودیوں نے اپنے مقاصد کے لئے عیسائیوں کو بھی بھرپور طریقے سے استعمال کیا ہے، خصوصاً پروٹسٹنٹ فرقہ پوری طرح ان کی منفی سرگرمیوں کے سامنے بے بس نظر آتا ہے، اور ایک عرصے سے یہ عالم ہے کہ یہودی عیسائیوں کو مسلمانوں کے ساتھ باہم دست و گریباں کرنے کے منصوبے پر عمل پیرا ہیں اور اس مقصد میں کامیاب بھی نظر آتے ہیں، جس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ ۱۹۷۰ میں سب سے پہلے ہالینڈ سے Hall Lindsey کی کتاب Great Planet The Late Earth شائع ہوئی جس نے ایک طرف عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ کی آمد کی یاد دلا کر خدائی حکومت کے قیام اور ہیکل سلیمانی کی تعمیر پر ابھارا تو دوسری جانب مزاحمتوں کو یعنی مسلمانوں کے خلاف جذبات برا بھختہ کیے۔ انہیں دنوں تھا ماس میک کال اور زولا لیوٹ (Thomas McCall & Zola) levitt کی کتاب Satan in the Sanctuary شائع ہوئی جو اسی طرح کے خیالات سے بھری ہوئی تھی پھر ۱۹۸۷ء میں میک کال اور لیوٹ کی دوسری کتاب The Coming Russian Invasion of Israel شائع ہوئی۔ اس میں بھی اسی طرح کے خیالات کا اظہار کیا گیا تھا۔ (۹)

مسجد اقصیٰ کو شہید کرنا یہودیوں کا ایک اہم مقصد ہے اور اس مقصد کے لئے ان کی تیاریاں عرصے سے جاری ہیں۔ (۱۰) مگر شاید یہ بات کم لوگوں کے علم میں ہوگی کہ اس مقصد کے

(۸) ایضاً (۹) E: Grand Hal Lindsey: The Late Great Planet
Thomas Mc Call & Zola Levitt: ☆ Rapids. MI: Zondervan 1970
T. McCall & Z. ☆ Satan in the sanctuary: Chicago, Moody, 1973
Russian Invasion of israel. Moody, Levitt: The Coming
Chicago. 1987 (۱۰) ان تیاریوں کا احوال جاننے کے لئے ملاحظہ کیجئے، اسرار عالم/ دجال،
دارالعلم نبی دہلی، ۲۰۰۰ء/ ص ۷۸، ۷۷

آج کے زندہ مسائل

نئے عالمی نظام کی تشکیل

لئے متعین تمام دہشت گرد تنظیموں کو سب سے زیادہ امداد حکومت امریکہ سے ملتی ہے۔ (۱۱)

یہودیت کی تاریخ و جل و فریب اور سازش و فتنہ انگیزی سے بھری ہوئی ہے، امریکہ میں یہودی اثر و نفوذ کی کہانی معروف امریکی صنعت کار ہنری فورڈ نے اپنی کتاب ”یہودیت سے عالم انسانیت کو خطرہ“ میں بیان کی ہے، اس کا صرف ایک پیرا ملاحظہ کیجئے جس میں وہ کہتا ہے :-

امریکی سماج میں جہاں کہیں بھی اخلاقی انحطاط و فساد پایا جاتا ہے، اس کے پس پردہ آپ کو یہودی ہی دکھائی دیں گے، شراب، شباب، قمار، بازی، بدکاری، رشوت، ہنسی اور مالی جرائم، قتل و غارتگری، ڈاکہ زنی، خون ریزی، محرکہ آرائی، مہلک اسلحہ سازی، غرض کہ تمام غیر فطری و غیر اخلاقی جرائم میں یہودیوں کا حصہ اسی سے نوے فیصد تک ہے۔ (۱۲)

شاید اس پیرے میں پوری یہودی تاریخ آگئی ہے۔

نئے عالمی نظام کی تشکیل

امریکہ میں یہودی اثر و رسوخ کی تفصیل بہت ہیں، یہاں صرف چند اشارے اس لئے درج کئے گئے تاکہ اس نئے نظام کی تشکیل کے سلسلے میں ان کا کردار واضح کیا جاسکے، اب ہم اپنے موضوع کو آگے بڑھاتے ہیں۔ جب یہودی پوری طرح امریکی اداروں پر غالب آ گئے تو اقوام متحدہ کے قیام کی راہیں ہموار ہوتی چلی گئیں اور ۱۴ اگست ۱۹۴۱ء کو امریکی صدر روز ویلیٹ اور برطانوی وزیراعظم چرچل نے ایک معاہدے پر دستخط کئے، جس میں ایک عالمی نظام کی بات کی گئی تھی اور پھر بالآخر یکم جنوری ۱۹۴۲ء کو چھبیس ممالک کے دستخطوں کے ساتھ اقوام متحدہ کا چارٹر منظور ہو گیا۔ (۱۳) یہ نیو ورلڈ آرڈر کا آغاز تھا، لیکن اس کی کھل کر بازگشت اس وقت سنائی دی جب ۲۳ اگست ۱۹۹۰ء کو اس وقت کے امریکی صدر بش سینئر اور ان کے مشیر بریٹ سکو کرافٹ بحر اٹلانٹک میں حالات حاضرہ پر غور و فکر کرنے اور مچھلی کے شکار کے لئے گئے، اس سفر کا حاصل تین مچھلیاں اور امریکی خارجہ پالیسی کا نیا تصور تھا، جو بعد میں صدر بش کی تمام تر دلچسپیوں کا مرکز و محور (۱۱) ملاحظہ کیجئے، اسرار عالم / بین الاقوامی ایجنسیوں کا تعارف اور ان کا طریقہ کار / دارالعلم نی / دہلی۔

۲۰۰۰ (۱۲) ندوی / ص ۱۱۵ (۱۳) ندوی / ص ۵۰، ۴۹

آج کے زندہ مسائل

نئے عالمی نظام کی تشکیل

بن گیا، یعنی نیو ورلڈ آرڈر (۱۴) یہ ہے نئے عالمی نظام کے آغاز اور ارتقا کی مختصر داستان۔ آئیے اب دیکھتے ہیں کہ اس نظام کے بنیادی خدو خال اور ترجیحات کیا ہیں؟

نئے عالمی نظام کے بنیادی خدو خال

اس نئے نظام کے بارے میں مختلف اوقات میں جو دعوے کئے گئے ہیں، ان کی روشنی میں اس کے درج ذیل خدو خال ابھرتے ہیں:-

۱۔ امریکہ دنیا کی واحد عالمی قوت ہے دنیا کو یہ حقیقت بے رضایا بہ جبر بہر حال تسلیم کرنی ہوگی
۲۔ اشتراکیت کی پسپائی کے ساتھ ہی مغربی لیبرل ازم، سرمایہ داری، جمہوری طرز حکومت اور منڈی کی معیشت کے تصورات بھی فتح یاب ہو گئے ہیں، اب صرف امریکہ نہیں، ان تصورات کو بھی بالادست تصور کرنا ہوگا۔

۳۔ اب نئے نظام کے تحت امریکہ ہی ہر طرح کے اقدامات کی قیادت کرے گا، البتہ ان اقدامات کو اقوام متحدہ کی چھتری کا سایہ حاصل ہوگا اور کسی بھی حوالے سے سلامتی کو لاحق خطرہ صرف وہی سمجھا جائے گا، جسے امریکہ خطرہ قرار دے۔

۴۔ دنیا کے کسی کونے میں بھی خصوصاً یورپ، ایشیا اور افریقہ میں کسی ملک کو عالمی قوت کی حیثیت سے ابھرنے کا موقع نہیں ملنا چاہئے۔

۵۔ شرق وسط میں اسرائیل کو ایک ابدی سچائی کی حیثیت حاصل ہوگی، جس کی حیثیت تبدیل کرنے کی کوئی بھی کوشش برا اور است امریکہ کے خلاف تصور ہوگی۔

۶۔ امریکہ کے مفادات کو دنیا بھر کے معاملات میں فوقیت و اولیت حاصل ہوگی، جن میں تیل کے معاملات سرفہرست ہیں۔

۷۔ اسلحہ کی تیاری اور تحقیق و ترسیل وغیرہ پر بھی مکمل کنٹرول امریکہ کو حاصل ہوگا۔ (۱۵)

(۱۴) واشنگٹن پوسٹ/۲۶ مئی ۱۹۹۱ء، (۱۵) حاک و اضافے کی ساتھ ماخوذ از پروفیسر خورشید احمد، امریکہ، مسلم دنیا کے بے اطمینانی، منشورات، لاہور ۲۰۰۲ء، ص ۷۷، ۷۸۔ نیز نیو ورلڈ آرڈر کے نفاذ کے سلسلے میں امریکن نیشنل سیکورٹی کونسل کی سفارشات پر مبنی ایک رپورٹ جاری کی گئی تھی، یہ رپورٹ ۶ مارچ ۱۹۹۱ء کو وائس آف امریکہ کے ایک نشریے سے نشر ہوئی بعد ازاں روزنامہ الرابیعہ، قطر نے اس کا متن شائع کیا (۴ جنوری ۱۹۹۲ء) اس کے مطالعے سے ان اقدامات و ترجیحات کی حرف بہ حرف تائید ہوتی ہے۔

آج کے زندہ مسائل

نئے عالمی نظام کی تشکیل

ان نکات کی وضاحت چند اہم بیانات سے ہوتی ہے، مثلاً امریکی حکومت کے ایک مشیر فرانسس فاکویا نے آج سے کوئی بارہ برس قبل کہا تھا:

اب تاریخ اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے، اور مغربی نظام کو فیصلہ کن بالادستی حاصل ہو گئی ہے۔ (۱۶)

دوسرے مقام پر مزید کہا تھا:

ہم اب انسانیت کے نظریہ ارتقا کی آخری بلندیوں کا نظارہ کر رہے ہیں اور تاریخ کا یہ خزانہ مغرب کی لبرل جمہوریت سے عبارت ہے، جو انسانیت کے لئے حکمرانی کا آخری نظام ہے۔ (۱۷)

اور پروفیسر ریگینو بریزنسکی نے آج سے دس بارہ برس قبل اپنے خیالات کا اس طرح اظہار کیا تھا:

شرق اوسط کے لئے امریکہ کی فوجی چھتری ناگزیر ہے، بالآخر حالات جو بھی ہوں، اس علاقے میں امریکہ کی فوجی موجودگی مستقل نوعیت کی ہوگی (۱۸) حالات کا تقاضا ہے اور امریکہ کے لئے یہ امر ناگزیر ہو گیا ہے کہ وہ اس نظام کے قیام کے لئے تیزی کے ساتھ متحرک ہو جائے، جو منصفانہ بھی ہو اور امن کا ضامن بھی۔ (۱۹)

(۱۶) فرانسس فاکویا (Francis Furuyame) کا مضمون ”The End of History“ امریکہ کے رسالے The National Interest کی ۱۹۸۹ء موسم گرما کی اشاعت میں شائع ہوا۔ اس کے بعد موصوف کا دوسرا مضمون ستمبر ۱۹۸۹ء میں ہونولولو کے Sunday Star میں ”Witnessing The End of History?“ کے نام سے شائع ہوا۔ تیسرا مضمون مشہور امریکی رسالے Fortune (جنوری ۱۹۹۰ء) میں شائع ہوا اور اس کا عنوان ”History? Are We at The End of“ تھا۔ ان مضامین کا مرکزی خیال یہ ہے کہ بیسویں صدی، جو اب اپنے اختتام کو پہنچ رہی ہے، معاشی اور سیاسی لبرلزم کی ایسی فتح پر منتج ہوئی ہے جسے چھپایا نہیں جاسکتا۔ (۱۷) ایضاً (۱۸) روزنامہ دی نیوز، کراچی/یکم مارچ ۱۹۹۱ء، (۱۹) ایضاً

آج کے زندہ مسائل _____ نئے عالمی نظام کی تشکیل

نئے نظام کی بعض ترجیحات

۱۔ پوری دنیا میں احیائے اسلام کی تحریکوں کو چیل دیا جائے، جو نئی تحریکیں ابھرنے کی کوشش کر رہی ہیں ان کو بادیایا جائے اور بنیاد پرست کا ہوا دکھا کر پوری امت کفر کو امت مسلمہ کے بالمقابل لا کھڑا کیا جائے۔

۲۔ روس سے تعلقات بہتر بنائے جائیں اور ہر اس قوت کی مخالفت کی جائے جو وسطی ایشیا میں ابھر کر اسے چیلنج کر سکے۔

۳۔ اسرائیل کی بالادستی کو ہر صورت میں یقینی بنایا جائے، اور فلسطین کے مسئلہ کو تحلیل کر دیا جائے۔

۴۔ پاکستان ایران افغانستان اور چین کے اس علاقے میں کردار کو محدود کرنے کے لئے انڈیا کو علاقائی قوت کی حیثیت دی جائے۔

۵۔ پاکستان کے ساتھ تعلقات نرم گرم رکھے جائیں، تاکہ ضرورت پڑنے پر اس سے کام لیا جاسکے اور ضرورت ختم ہونے پر اسے پھر زیر عتاب لایا جاسکے۔

۶۔ پہلے مرحلے پر عراق اور پھر بتدریج سعودی عرب، پاکستان، ایران اور بعض افریقی ممالک کو کوئی نہ کوئی ہوا دکھا کر گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا جائے۔

۷۔ اسلام کے خلاف نفرت کی فضا بنائی جائے، تاکہ مسلمانوں کے خلاف جب کوئی کارروائی ہو تو باقی بین الاقوامی دنیا اس کا ساتھ دے۔

۸۔ انڈیا اسرائیل تعلقات کو فروغ دیا جائے۔

ان نکات کو سمجھنے کے لئے اختصار کے صرف دو اقتباس پیش کئے جاتے ہیں۔ پروفیسر زب گیبو بریرنسکی ایک مقام پر امریکی حکومت کو مشورہ دیتے ہوئے لکھتا ہے:

آج پورے علاقے کی قسمت امریکہ کے ہاتھ میں ہے، اس کو اس سے قبل وہ عروج کبھی حاصل نہ تھا، جو اسے آج حاصل ہے، اب امریکہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ علاقے کے لوگوں کی مشکلات کے حل کے لئے اپنی ذمہ

آج کے زندہ مسائل

نئے عالمی نظام کی تشکیل

داریاں پوری کرے، جغرافیائی، اور سیاسی حوالے سے ہی نہیں، بلکہ خود اخلاقی اسباب کے تحت بھی یہ ضروری ہے کہ امریکہ سرگرمی کا مظاہرہ کرے۔ (۲۰)

ایک اور امریکی مبصر جان اوسولوبان نے نظام میں امریکی حیثیت واضح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

اس نظام میں امریکہ کی حیثیت وہی ہوگی، جو قرون وسطیٰ کے فیوڈل معاشروں میں بادشاہ کی ہوتی تھی، یعنی اصل حاکم اعلیٰ، جسے قوت کے استعمال کے لئے مکمل اختیار حاصل ہوتا تھا، البتہ جو دوسروں سے خاصی تعداد میں سپاہی اور سرمایہ حاصل کر سکتا ہو اور ان کے فراہم کرنے والوں کے خیالات اور احساسات کا کچھ پاس بھی کر سکتا ہو، رہا معاملہ پارلیمنٹ کا تو وہ اس سے اخلاقی تائید حاصل کرنے کے لئے نیم دلانہ معاملہ کرتا ہو، اور جب ضرورت پڑے تو اسے نظر انداز بھی کر دیتا ہو۔ (۲۱)

یہ ہے امریکہ کے نئے عالمی نظام کا اصل چہرہ، خود اس کے ”اہل خانہ“ کی زبان میں۔

نیا عالمی نظام، بیانات کی روشنی میں

اگرچہ اوپر چند بیانات اس حوالے سے درج کئے جا چکے ہیں، مگر وہ محدود نوعیت کے تھے، ذیل میں چند وہ دعوے اور بیانات پیش کئے جا رہے ہیں، جن کے مطالعے سے پوری صورت حال واضح ہو سکتی ہے۔

امریکی وزارت خارجہ کے ایک مطبوعہ بولٹن میں بہت پہلے آج سے کوئی چالیس برس قبل یہ امید ظاہر کی گئی تھی کہ دوسرے مرحلے میں تدریجی طور پر اقوام متحدہ کی بین الاقوامی فوج کی تشکیل کی جائے گی، تیسرے مرحلے میں منظم طور پر بڑی سرعت سے تمام ملکوں کو جوہری اسلحوں سے محروم کر دیا جائے گا، اس طرح کسی بھی ملک کے لئے یہ ممکن نہ ہوگا کہ وہ اقوام متحدہ کی طاقتور فوج کو چیلنج

(۲۰) دی آبزور/لندن/۲۱ اپریل ۱۹۹۱ء

The news International Weekend Magazine` 1991(۲۱)

آج کے زندہ مسائل

نئے عالمی نظام کی تشکیل

کر سکے۔ (۲۲) اس کے ایک عرصے بعد ایک کالم نگار نے اس امید کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا:

تمام ملکوں کو طاقتور ہتھیاروں سے محروم کر دینے کا خواب ہو سکتا ہے

حقیقت بن جائے۔ (۲۳)

چند دیگر بیانات ملاحظہ کیجئے:

سلامتی کونسل کے ماتحت ایک دائمی بین الاقوامی فوج کی تشکیل سے اقوام متحدہ کو ایسی زبردست قوت حاصل ہو جائے گی کہ اس سے اس کی ہیبت میں اضافہ ہو جائے گا، اس فوج کو عالمی پولیس کی حیثیت حاصل ہوگی، جس کے ذریعے سلامتی کونسل اپنے عزائم اور پروگراموں کو دوسروں پر مسلط کر سکے گی۔ (۲۴)

امریکہ کا یہ فرض ہے کہ وہ اقوام متحدہ کے زیر نگرانی ایسی فوج کی تشکیل میں مدد دے جو تیزی سے حرکت کر سکے، اس کی فوج کی تعداد پہلے مرحلے میں ساٹھ ہزار ہو اور بارہ ملکوں سے اس کی تشکیل ہو۔ (۲۵)

اگر ہم واقعی عالمی امن قائم کرنا چاہتے ہیں تو نہ سرخ فوج کی ضرورت ہوگی نہ امریکی فوج کی، ہمیں نیٹوں ہیٹ لگائے متعدد ملکوں پر مشتمل بین الاقوامی فوجی طاقت چاہئے، یہی فوج عالمی امن قائم کر سکتی ہے۔ (۲۶)

ہمارے درمیان نئے عالمی نظام کی واضح تیل ڈالی جا رہی ہے، اس میں ہمارے ملک (امریکہ) کا خاص رول ہے۔ (۲۷)

نیا عالمی نظام گیارہ سال کے اندر وجود میں آ جائے گا، ہم نے اس کے لئے کیا تیاریاں کی ہیں۔ (۲۸)

(۲۲) امریکی وزارت خارجہ کا مطبوعہ پبلیسن / ۷ ستمبر ۱۹۶۱ء

(۲۳) روزنامہ لاس انجلس ٹائمز ۵ جنوری ۱۹۹۳ء مقالہ نگار: بیرڈ اور جی بیرڈ

(۲۴) مقالہ نگار: نارمن کیسوسٹر روزنامہ لاس انجلس ٹائمز ۲ فروری ۱۹۹۲ء، (۲۵) مقالہ نگار: جوزف نانے

سابق امریکی وزیر خارجہ کے معاون: نیویارک ٹائمز ۲ فروری ۱۹۹۲ء، (۲۶) نیویارک ٹائمز ۱۱ مئی ۱۹۹۲ء،

(۲۷) امریکی وزیر خارجہ ہنری کیسنگجر - ۱۸ اپریل ۱۹۷۵ء، (۲۸) جارج بش ۱۶ مارچ ۱۹۸۹ء

آج کے زندہ مسائل

نئے عالمی نظام کی تشکیل

مجھے پورا یقین ہے کہ اگر بش کو دوسری بار صدارتی الیکشن میں کامیاب کر دیا جائے گا تو وہ پوری دنیا پر نئے مجوزہ عالمی نظام کو مسلط کر کے رہیں گے، خواہ اس کے لئے انہیں ۱۹۹۳ء اور ۱۹۹۴ء میں ہنگامی اقتصادی حالات کا اعلان ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ (۲۹)

امریکہ مسلم تعلقات

درج بالا سطور سے نیو ورلڈ آرڈر کی جو تصویر سامنے آتی ہے، اس کے بعد ایک سوال امریکہ مسلم تعلقات کے حوالے سے پیدا ہوتا ہے کہ اس عالمی قوت کے مسلم دنیا سے تعلقات کی نوعیت کیا ہوگی، اس سلسلے میں ہم صرف تین ممالک سعودی عرب، افغانستان اور پاکستان کا ذکر کریں گے، کیونکہ ان ممالک کے تذکرے سے اس کا جواب کافی حد تک معلوم ہو سکتا ہے۔

سعودیہ عرب اور امریکہ

سعودی عرب امریکہ کا ایک قدیم حلیف ہے، ایک عرصے سے دونوں ممالک خارجہ امور میں بہت سے معاملات پر یکساں رائے رکھتے ہیں، دونوں میں تعلقات کے کئی حوالے ہیں۔ ۱۱ ستمبر کے بعد سے امریکی رویہ سعودی عرب کے ساتھ بھی معاندانہ اور مخالفانہ نظر آنے لگا ہے۔ اس کے ایجنڈے کا ایک حصہ ہے۔ چنانچہ ۱۰ جولائی ۲۰۰۲ء کو رینڈ کارپوریشن کے تجزیہ نگار لارینٹ موریک نے ڈیفنس پالیسی بورڈ کو بریفنگ دیتے ہوئے کہا:

سعودی شہری دہشت گردی کے پورے سلسلے سے منسلک ہیں، منصوبہ سازوں سے لے کر مالی معاونت کرنے والوں، اعلیٰ تنظیمی عہدے داروں سے عام کارکن اور نظریہ سازوں سے جوش دلانے والے رہنماؤں تک سعودی عرب میں اس سلسلے کی ہر کڑی متحرک ہے۔ سعودی عرب ہمارے دشمنوں کی مدد کرتا ہے اور ہمارے اتحادیوں پر ضرب لگاتا ہے۔ سعودی عرب

برائی کا منبع ہے، وہ سب سے بڑی متحرک قوت ہے اور مشرق وسطیٰ میں ہمارا سب سے زیادہ خطرناک دشمن ہے۔ رپورٹ میں امریکہ کو مشورہ دیا گیا ہے کہ اگر سعودی عرب امریکہ کے مطالبات پورے نہ کرے تو سعودی تیل کے چشموں اور بیرون ملک اس کے اثاثوں کو نشانہ بنایا جائے۔ (۳۰)

حقیقت یہ ہے کہ امریکہ کے ساتھ سعودی عرب کے تعلقات کی تاریخ پر جو ستر برس پرانی ہے، صرف ایک مرتبہ (۱۹۷۳ء عرب اسرائیل جنگ) کے علاوہ اتنی کشیدگی کبھی پیدا نہیں ہوئی۔ اس قدر آج کل نظر آ رہی ہے، اور اس کا سبب امریکی میڈیا، یہودی لابی اور وہ حکومتی حلقے ہیں جو ان تعلقات سے ناخوش ہیں۔ اس وقت میڈیا پر سعودی عرب کے خلاف رپورٹوں اور بیانات کا طوفان نظر آ رہا ہے۔ نیویارک ٹائمز کی ۱۲ دسمبر ۲۰۰۱ء کی اشاعت میں تھا مسن فریڈ مین سعودی نظام تعلیم کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے لکھتا ہے:

دینی مدارس اور دینی ادارے وہ مراکز ہیں جہاں سے دہشت گردوں کی قیادت اٹھتی ہے۔ اس لئے دہشت گردی کے ان چشموں کو خشک کرنا ہوگا۔ یہ نظام تعلیم یہودیوں اور عیسائیوں کے خلاف نفرت کو ہوا دیتا ہے اور ان کے خلاف لڑائی پراکساتا ہے۔ (۳۱)

امریکی سینٹ کی امور خارجہ کمیٹی کے سربراہ سینیٹر جوزف بیدن ۲۴ اکتوبر کو کہتا ہے:

اب وقت آ گیا ہے کہ سعودی عرب کو خبردار کر دیا جائے کہ وہ دنیا میں تشدد دینی مدارس کی پشت پناہی چھوڑ دے، کیونکہ سعودی جن مدارس کی سرپرستی کرتے ہیں ان میں امریکیوں کے خلاف نفرت کے جذبات کو فروغ دیا جاتا ہے، امریکہ کو چاہئے کہ وہ سعودی عرب پر واضح کر دے کہ وہ ان سرگرمیوں سے باز رہے ورنہ اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔ (۳۲)

دوسری جانب سعودی عرب کا رویہ بھی تبدیل ہوتا ہو نظر آتا ہے، ایک تو عراق کے مسئلے پر اس نے کھل کر امریکی پالیسی کی مخالفت کی ہے، دوسرے اس بیان بازی سے پہلے جب تناؤ کی (۳۰) واشنگٹن پوسٹ ۱۲ جولائی ۲۰۰۲ء: (۳۱) نیویارک ٹائمز ۱۲ دسمبر ۲۰۰۱ء: (۳۲) ایسا

آج کے زندہ مسائل _____ نئے عالمی نظام کی تشکیل
کیفیت ظاہر ہو چکی تھی، سعودی ولی عہد شہزادہ عبداللہ نے ۱۲ اگست کو امریکہ کی طرف اسرائیل کی اندھی حمایت پر شدید غم و غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

وہ سمجھتے ہیں کہ امریکہ اور سعودیہ دورا ہے پر کھڑے ہیں اور امریکہ کو چاہئے کہ وہ اپنے مخلص دوستوں کا انتخاب کرے۔ (۳۳)

انہوں نے جارج ڈبلیو بوش کو سخت لہجے میں کہا:

قوموں کی تاریخ میں ایک ایسا وقت آتا ہے جب وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جاتی ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ امریکہ اور سعودیہ اپنے اپنے مفادات دیکھیں۔ وہ حکومتیں جو اپنے عوام کی بخش کو نہیں پہچانتیں اور ان کے ساتھ ہم آہنگی کا مظاہر نہیں کرتیں ان کا حشر وہی ہوگا جو شاہ ایران کا ہوا۔ (۳۴)

اور اب حال ہی میں امریکہ نے جن مسلم ممالک کے شہریوں کے لئے پابندیاں سخت ہیں ان میں سعودی عرب بھی شامل ہے اور اس کے ساتھ امریکی رویے کا یہ پہلو ایک بہت سوالیہ نشان ہے!

افغانستان اور امریکہ

افغانستان میں روسی مداخلت اور افغان مجاہدین کی جانب سے شروع کئے جانے والے جہاد سے ہی افغانستان میں امریکی مداخلت کے باقاعدہ اور طویل دور کا آغاز ہوا تھا، اس وقت امریکہ روس کی مخالفت کرتے ہوئے افغان مجاہدین کی پشت پناہی کر رہا تھا، یہ وہ دور تھا جب افغان مجاہدین ”مجاہد“ اور ”تحریک آزادی کے کارکن“ تھے، مگر جب روس کو شکست ہوئی افغانستان آزاد ہوا تو امریکی مفادات بھی تبدیل ہوئے، رفتہ رفتہ یہ نوبت آ پہنچی کہ اکتوبر واقعے کی آڑ لے کر ۸ اکتوبر ۲۰۰۱ کو امریکہ اور اس کی اتحادی افواج نے افغانستان پر حملہ کر دیا۔ یہ جنگ بقول شخصہ تیل اور معدنیات کی جنگ ہے۔ وسطی ایشیا کے مسلم ممالک تیل سمیت بہ قیمتی معدنیات سے مالا مال ہیں، ان پر قبضہ بہت سے ممالک کے ایجنڈے کا حصہ ہے، اور ان امریکہ سر فہرست ہے۔

(۳۳) جنگ، ۱۳ اگست، ۲۰۰۱ء، کراچی، روزنامہ ذیل کراچی، ۱۳ اگست ۲۰۰۱ء، (۳۴) ایضاً

ج کے زندہ مسائل

نئے عالمی نظام کی تشکیل

اس حملے کی تفصیلات دل بلانے والی اور دردناک ہیں۔ افغانستان پر صرف پہلے چھ نوں کے دوران ۵ ہزار سے زیادہ ہوائی حملے کئے گئے جن میں ۵ لاکھ سے زیادہ بم گرائے گئے۔ میں چپے چپے پر کی جانے والی بمباری (carpet bombing) کے علاوہ امریکی جنگی نے میں موجود ایٹم بم کا برادر نسیتی ڈیزی کٹر (Daisy Cutter) بے دردی سے استعمال کیا ہے۔ یہ ہولناک بم ۱۵ ہزار پونڈ المونیم اور دوسرے کیمیائی مواد کو زمین سے ۳ فٹ بلندی پر ۱۰ درجہ فارن ہائٹ گرمی کے ساتھ ایک آتشیں بیولے کی شکل میں جہنم دیتا ہے، اور پھر آگ کا یہ ڈیڑھ کلومیٹر تک اس کی زد میں آنے والی ہر شے کو جہنم کر دیتا ہے۔ جو انسان یا اشیاء اس کی ید گرفت میں نہیں آتیں، لیکن تیش کی زد میں ہوتی ہیں، وہ جگر کے سرطان یا مستقل طور پر قوت مت سے محرومی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ (۳۵)

حالانکہ اس حملے کے جواز کے لئے جو کچھ کہا گیا وہ عالمی دنیا اور غیر جانبدار حلقوں کو کسی طرح بھی متاثر نہیں کر سکا۔ روزنامہ گارڈین نے ان شواہد کے بارے میں بجا طور پر سوال اٹھایا ہے:

۱۱ ستمبر کی دہشت گردی کے بارے میں اسامہ بن لادن کے باقاعدہ مقدمے کا سامنا کرنے کا بعد از امکان واقعہ اگر پیش آ بھی جائے تو اس کے خلاف جو مقدمہ برطانوی حکومت نے گذشتہ دنوں شائع کیا ہے، قانونی نقطہ نظر سے اس میں کوئی جان نہیں ہے۔ بش حکومت کے اس اعلان پر کہ وہ بن لادن کے خلاف ”شواہد“ پیش کرے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ مسٹر بلینز کا مقدمہ دو لفظوں پر ختم ہو جاتا ہے۔ ”صرف مجھ پر اعتماد کرو“۔ (۳۶)

جو حقائق اور شواہد برطانیہ کے وزیراعظم نے امریکہ کی سی آئی اے اور برطانیہ کی ایم کی ۵ کی چار ہفتے کی تحقیق کے بعد پیش کیے ہیں انہیں گارڈین کے کالم نگار جارج موان بیوٹ اور

(۳۵) ماہنامہ ترجمان القرآن / مدیر پروفیسر خورشید احمد / دسمبر ۲۰۰۱ء (اشارات)

(۳) روزنامہ گارڈین، ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۱ء

آج کے زندہ مسائل

انڈی پنڈنٹ کے سینئر مضمون نگار رابرٹ فسک (۳۷) نے تار تار کر دیا ہے، جارج مون بیوٹ تو یہاں تک لکھتا ہے:

میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ خفیہ ایجنسیوں کے کارندوں نے بن لادن کے خلاف پہلے ایک تصوری تیار کی اور پھر ادھر ادھر سے ان حقائق کو تلاش کیا جو اس میں مددگار ثابت ہو سکتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ بن لادن کے خلاف کچھ شبہ پیدا کرنے والے نئے ثبوت طلب کرنے کا خاصا جواز موجود ہے۔ (۳۸)

اس نے صدر جارج بش کے عزائم کو اپنے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے:

صدر بش نے عظیم الشان موت کا دستہ تیار کر کے (افغانستان) روانہ کیا ہے، تاکہ وہ ماورائے عدالت سزائے موت نافذ کر دے۔ (۳۹)

حالانکہ طالبان نے بار بار شواہد پیش کرنے کا مطالبہ کیا اور یہاں تک کہا:

ہم غیر جانب دار مسلمان ممالک کی اعلیٰ عدالت یا اعلیٰ عدالتی کمیشن کے آگے اسامہ کو پیش کرنے کو تیار ہیں۔

لیکن صدر بش نے انہیں کسی معقول راستے کی طرف آنے ہی نہیں دیا، بلکہ ان کا ایک ہی جواب تھا:

جب میں کہتا ہوں کوئی مذاکرات نہیں، میرا مطلب یہی ہوتا ہے: کوئی مذاکرات نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ مجرم ہے اسے حوالے کر دو، جرم یا بے گناہی پر گفتگو کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (۴۰)

آج بھی افغانستان امریکہ کے زیر تسلط ہے، مگر وہاں امن و امان نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہر افغانی (جو طاقت رکھتا ہے) مسلح ہے، اور پوست کی کاشت دوبارہ شروع ہو گئی ہے، کرنل کی حکومت کہیں نظر نہیں آتی، حتیٰ کہ وزیراعظم آزادانہ نقل و حرکت کی پوزیشن میں بھی نہیں، یہ ہے

(۳۷) دی انڈی پنڈنٹ / ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۱ء (۳۸) گارڈین / ۱۰ اکتوبر ۲۰۰۱ء

(۳۹) ایضاً (۴۰) دی انڈی پنڈنٹ / ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۱ء

آج کے زندہ مسائل _____ نے عالمی نظام کی تشکیل
ایک برادر اسلامی ملک سے امریکہ کے تعلقات کی حقیقت۔

پاکستان اور امریکہ

پاکستان اور امریکہ کے تعلقات گونصف صدی پرانے ہیں، مگر نشیب و فراز سے پر اور غیر یقینی کا ہمیشہ شکار رہے ہیں، اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ پاک امریکہ تعلقات اس آیت قرآنی:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ
بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ

اے مومنو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ رکھو، وہ آپس میں ایک دوسرے کے

دوست ہیں۔ (۴۱)

کی زندہ تفسیر ہیں۔

پاکستان اور امریکا کے مابین تعلقات کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا آغاز ۱۹۵۰ء کی دہائی میں سرد جنگ کے زمانے سے ہوتا ہے۔ روس کی توسیع پسندی کے حوالے سے امریکی تشویش اور اپنے قریبی ہمسایہ ملک بھارت کی جانب سے کسی بھی ممکنہ حملے کے خطرے کی صورت میں پاکستان کی طرف سے دفاعی اعانت اور امداد کی خواہش نے دونوں ممالک کو ۱۹۵۴ء میں باہمی دفاعی تعاون کے معاہدے کے سلسلے میں مذاکرات کی جانب راغب کیا۔ ۱۹۵۵ء کے اواخر تک پاکستان مغرب کے ساتھ علاقائی دفاع کے مزید دو معاہدوں میں بھی شامل ہو گیا، جو ”سینٹو“ اور ”سینٹو“ کے نام سے معروف ہیں۔ ان معاہدوں کے نتیجے میں اور ۱۹۵۹ء میں امریکا سے کیے گئے باہمی تعاون کے ایک اور سمجھوتے کے بعد پاکستان کو ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۵ء تک سات سو ملین ڈالر مالیت کی فوجی امداد امریکا کی جانب سے موصول ہوئی جب کہ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۸۲ء تک پاکستان کو مجموعی طور پر پانچ بلین ڈالر کی اقتصادی امداد دی گئی۔ یہ ہر کیف ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں پاک بھارت جنگوں کے درمیان امریکا نے دونوں ممالک کی فوجی اور اقتصادی امداد معطل کر دی، جس

آج کے زندہ مسائل

کے نتیجے میں، پاکستان اور امریکا کے باہمی تعلقات میں خاصی سرد مہری آگئی۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی کے وسط میں یہ تعلقات اس وقت مزید تلخی اور رنجش کا شکار ہو گئے۔ جب ۱۹۷۴ء کے بھارتی ایٹمی دھماکہ کے جواب میں پاکستان نے بھی جوہری طاقت کے حصول کی کوششیں شروع کر دیں، ۱۹۷۵ء کے دوران محدود امریکی فوجی امداد کا سلسلہ بحال ہوا، تاہم اپریل ۱۹۷۹ء میں جی کارٹر کی حکومت نے اسے بھی معطل کر دیا۔

دسمبر ۱۹۷۹ء میں افغانستان پر روسی فوج کشی کے نتیجے میں پاکستان کو ایک بار پھر روس کے خلاف فرنٹ لائن اسٹیٹ کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ ستمبر ۱۹۸۱ء میں ریگن حکومت نے پاکستان کے ساتھ تین اعشاریہ دو بلین ڈالر کی فوجی اور اقتصادی امداد کا پانچ سالہ معاہدہ کیا، تاہم امریکی امداد کی بحالی اور قریبی دفاعی تعلقات کے باوجود امریکی کانگریس کے بیش تر اراکین پاکستان کے جوہری اسلحے کے پروگرام کے بارے میں اپنی تشویش کا بہ دستور اظہار کرتے رہے۔ چنانچہ ۱۹۸۵ء میں غیر ملکی امداد کے قانون میں مشہور زمانہ ”پریسلر ٹرمیم“ کے ذریعے امریکی صدر کو اس بات کا پابند کر دیا گیا کہ وہ ہر مالی سال کے دوران امریکی کانگریس کے روبرو اس امر کی تصدیق کریں گے کہ پاکستان کے پاس ایٹمی دھماکے کی غرض سے استعمال کیا جانے والا مواد موجود نہیں ہے۔ ۱۹۸۶ء میں پاکستان کے چار بلین ڈالر کے چھ سالہ امدادی پروگرام کو منظور کر لیا گیا۔ مگر مئی ۱۹۸۸ء میں افغانستان سے روسی افواج کی واپسی کے بعد پاکستان کی جوہری طاقت کے حصول کی غرض سے جاری سرگرمیاں ایک مرتبہ پھر امریکی حکومت کی نظر میں آ گئیں۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۹۰ء میں امریکی صدر بش نے پاکستان کی تمام امداد معطل کر دی۔ بہر طور پریسلر ٹرمیم کے تحت پاکستان کی اقتصادی اور فوجی امداد پر پابندی کے باوجود انسداد منشیات کی غرض سے دی جانے والی تین اعشاریہ پانچ بلین ڈالر کی امداد بدستور جاری تھی۔ پاکستان کی اقتصادی اور فوجی امداد کی بندش کا سنگین نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ۱۹۸۰ء میں پاکستان کی جانب سے الکھتر ایف ۱۶ جنگی طیاروں کا آرڈر دیے جانے کے باوجود طیارے اس کے حوالے نہیں کیے گئے۔ (۴۲)

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد صورت حال پھر تبدیل ہو گئی، پاکستان یک دم اہمیت اختیار کر گیا، مگر

(۴۲) روزنامہ جنگ کراچی/۲۶ جنوری ۲۰۰۳ء/سندے میگزین

آج کے زندہ مسائل

نئے عالمی نظام کی تشکیل

پھر بھی پاکستان سے جو کچھ منوایا گیا وہ بہ جبر منوایا گیا، اور آئندہ کے لئے بھی صورت حال نہ تو صاف ہے نہ اطمینان بخش۔ اس سے قبل ۲۰۰۰ء میں امریکی صدر نے انڈیا کا دورہ کیا، درمیان میں چند گھنٹوں کے لئے وہ پاکستان میں بھی رکے، اس دورے سے پاکستان کو کیا حاصل ہوا، یہ ایک اہم سوال ہے جو مبصرین کے ہاں کثرت سے زیر بحث رہا ہے، لیکن یہ مختصر تبصرہ ملاحظہ کیجئے:-

سب کہتے ہیں کہ امریکی صدر کے دورے نے امریکہ کی دوستی کا توازن پاکستان سے ہٹا کر بھارت کی طرف جھکا دیا ہے۔ (۴۳)

اور امریکی وزیر خارجہ میڈلین البرائٹ نے دورے کے بعد اپنے ایک مضمون میں، جو امریکی اخبارات میں ۱۴ اپریل ۲۰۰۰ء کو شائع ہوا کہا:

بھارت میں جمہوری ادارے زندگی سے بھرپور ہیں، بنگلہ دیش میں نشوونما پارہے ہیں اور پاکستان میں خطرے سے دوچار ہیں۔ صدر امریکہ کے بھارت کے دورے کا بنیادی مقصد بھارت کے ساتھ جوہری دھماکوں سے پہلے مئی ۱۹۹۸ء کی صورت حال کی طرف بلٹنا نہیں بلکہ بہتر اور کارآمد تعلقات کی راہ ہموار کرنا تھا۔ (۴۴)

اب صورت حال اس حد تک آ پینچی ہے کہ صدر پاکستان کو یہ کہنا پڑا:

ہم کوشش کر رہے ہیں کہ عراق کے بعد ہمارا نمبر نہ آ جائے۔ (۴۵)

اور اس کے چند ہی روز بعد امریکی سفیر متعین پاکستان نے پاکستان کو کشمیر میں مبینہ

مداخلت کے حوالے سے سخت تنبیہ کی (۴۶) اور ان کا لہجہ بعض مبصرین کے بقول خالص ”انڈین“ تھا، انہوں نے وہی کچھ کہا جو انڈیا ایک عرصے سے بار بار دہرا رہا ہے، (۴۷) یہ صورت حال بین السطور بہت کچھ کہہ رہی ہے، اور پاک امریکہ تعلقات کی طولانی حکایت کا خلاصہ صرف ان دو خبروں ہی سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔

(۴۳) ایشین ایج/۶ اپریل ۲۰۰۰ء، (۴۴) ترجمان القرآن/مئی ۲۰۰۰ء، (۴۵) جنگ کراچی/۱۹ جنوری

۲۰۰۳ء، (۴۶) جنگ کراچی/۲۴ جنوری ۲۰۰۳ء، (۴۷) اس خبر پر جو رد عمل حکومتی اور غیر حکومتی سطح پر سامنے

آیا ہے، اس کو جاننے کے لئے دیکھئے: ۲۴، ۲۵، ۲۶ جنوری کے ڈان، دی نیوز، جنگ کراچی اور دیگر اخبارات

آج کے زندہ مسائل ۳۱۵

نئے عالمی نظام کی تشکیل

۱۱ ستمبر کا واقعہ

گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کو برق صرف ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر نہیں گری تھی بلکہ اس کی زد میں پوری دنیا کا امن و امان آ گیا ہے، یہ واقعہ خصوصاً مسلم امت کے لئے ایک ایسے سانحے کی شکل میں ہے جس کے برے اثرات رہ رہ کر مسلسل سامنے آرہے ہیں، اور آنے والے اثرات سابقہ کے مقابلے میں بڑھ کر رہی ہوتے ہیں۔

کہا یہ گیا کہ اس واقعے میں اسامہ بن لادن ملوث ہیں، مگر اس بارے میں جو شواہد پیش کئے گئے اس سے خود مغربی میڈیا بھی متاثر نہ ہو۔ کا برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیر نے جو شواہد نامہ (evidence) برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا ہے اور جو ۷۰ نکات پر مشتمل ہے وہ ناقابل اعتبار ہے اس رپورٹ کے پہلے ہی پیراگراف میں اعتراف ہے: "یہ دستاویز اسامہ بن لادن کے خلاف مقدمے کو کسی قانونی عدالت میں پیش کرنے کے لائق بناتی نظر نہیں آتی" (۴۸)

معروف تجزیہ نگار رابرٹ فسک نے اسی تناظر میں لکھا ہے:

امریکیوں کو اسے شرق اوسط میں منوانے میں سخت دقت پیش آرہی ہے۔ اس کا امکان نہیں ہے کہ برطانوی حکومت کی دستاویز جس میں ۱۱ ستمبر کی ہلاکتوں کی ذمہ داری اسامہ بن لادن پر ثابت کی گئی ہے، عرب دنیا کو مغرب کی دہشت گردی کے خلاف جنگ پر مجتمع کر سکے۔ مذکورہ دستاویز میں ۷۰ میں سے صرف ۹ نکات عالمی تجارتی مرکز اور پانچاگون پر حملوں سے متعلق ہیں اور اس میں بھی "قیاس" پر انحصار کیا گیا ہے نہ کہ شواہد پر (۴۹)

اس واقعے کی تفتیش کی صورت حال کیا ہے، یہ جاننے کے لئے دیکھئے کہ اب تک ۱۹ مردہ ہائی جیکروں سے ملنے والے سراغوں پر ۵۴۰ تفتیشی انٹرویو کئے گئے ہیں، ۴۳۸ ہزار ۴ سو عدد التی سمن جاری ہوئے ہیں اور ۵۵۰ سے زیادہ افراد کو گرفتار کیا گیا ہے۔ اور یہ وہ ہے جو امریکہ کی حدود

(۴۸) خورشید احمد / امریکہ، مسلم دنیا کی بے اطمینانی / ص ۱۷۹

(۴۹) دی اینڈی چینڈنٹ / ۵ اکتوبر ۲۰۰۱ء

آج کے زندہ مسائل

کے اندر ہوا ہے۔ دیگر ۲۵ ملکوں میں مزید ۱۵۰ افراد گرفتار کئے گئے ہیں، تاہم ہائی جیکروں اور اسامہ بن لادن کے درمیان کوئی ٹھوس رابطہ عوام کے سامنے آنا ابھی باقی ہے۔ (۵۰)

اس تناظر میں یہ بات بخوبی سمجھی جاسکتی ہے کہ ۱۱ ستمبر کا واقعہ ایک ڈھال تھا، جسے سامنے رکھ کر بین الاقوامی طاقتوں نے اپنے کھیل کا آغاز کیا ہے، ورنہ درحقیقت بات وہ نہیں ہے جو بیان کی جا رہی ہے۔

امن کی راہ میں اصل رکاوٹ

حالات، قرائن اور شواہد اس وقت یہ کہہ رہے ہیں کہ فی الوقت دنیا کے امن وامان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ خود امریکہ ہے، اور یہ تجزیہ بالکل حقیقت پر مبنی ہے، جس میں کسی قسم کی جانبداری اور تعصب کو کوئی دخل نہیں۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ امریکہ نہ صرف یہ کہ پوری دنیا میں تنہا جمہوریت، حقوق انسانی، مساوات اور عدل و انصاف کا داعی و علم بردار ہے، بلکہ وہ اپنے نظریات اور اپنی معاشی، معاشرتی اور سیاسی اقدار کو دوسروں پر تھوپ دینے کا بھی عزم رکھتا ہے، اور صرف عزم نہیں رکھتا، اسے پورا کرنے کے لئے بھی پوری کوششیں اور تمام دستیاب وسائل جھونک دینے پر تیار ہے، ایسے میں بھلا انصاف کیسے ہو سکتا ہے؟ اور امن وامان کیونکر قائم ہو سکتا ہے؟ اس صورت حال کا امریکی مفکرین کو بھی احساس ہے، ایک امریکی یونیورسٹی میں سیاسیات کے پروفیسر ٹونی اسمتھ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

امریکی طرز حیات، اقدار اور اداروں کو رد بہ عمل لانے کی کوشش میں ناکامی کا اندیشہ ہے۔ اس لیے نہیں کہ امریکی طاقت محدود ہے، بلکہ اس لیے کہ بڑے پیمانے پر اس کا استعمال بھی ان عقائد اور طریقوں میں اصلاح نہ کر سکے گا جو بنیادی طور پر امریکی طریقہ کار کے مخالف ہیں۔ چین، مسلم دنیا یا روس کا امریکی مطالبوں کے آگے سر ڈالنے کے لیے آمادہ ہونے کا آخر کیا امکان ہے؟ (۵۱)

(۵۰) اکا نومسٹ / ۶ اکتوبر ۲۰۰۱ء، ص ۵۲ (۵۱) اتھلس اینڈ انٹرنیشنل ریفیر ریمسٹی ۲۰۰۱ء

آج کے زندہ سائل _____ نئے عالمی نظام کی تشکیل

جبکہ معروف امریکی مفکر والٹر لپ میں نے بھی بڑی پتے کی بات کہی ہے:

جب ایک قوم ساری دنیا کے نظام کو یکساں شکل دینے کی ذمہ داری خود سنبھال لے تو یہ دوسروں کو اپنے خلاف متحد ہونے کی دعوت ہے۔ ایک ایسی دنیا میں جہاں اس کا امکان ہے کہ جوہری اسلحہ صدی کے اختتام سے پہلے وسیع پیمانے پر تقسیم ہو، یہ امریکی عوام کی قومی سلامتی کے لئے کوئی خوش کن راستہ نہیں ہے۔ (۵۲)

وہ مزید لکھتا ہے:

امریکہ اپنی موجودہ عظیم طاقت کو دنیا میں ایک ایسا ماحول پیدا کرنے کے لئے استعمال کر سکتا ہے جس میں غریب اقوام ترقی کے من پسند راستے اختیار کر سکیں۔ مگر یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ جب تک امریکی یہ خام خیالی نہ چھوڑ دیں کہ دنیا بھر میں تبدیلی لانا ان کا حق اور فرض ہے، خود امریکیوں کو بھی امن نصیب نہیں ہو سکتا۔ (۵۳)

اور کالمبر جانسن نے تو کھل کر کہہ دیا ہے:

امریکی افسران اور میڈیا عراق اور شمالی کوریا جیسی سرکش ریاستوں کے بارے میں بہت کچھ کہتے ہیں، لیکن ہمیں خود اپنے آپ سے پوچھنا چاہیے کہ کہیں امریکہ خود تو ایک سرکش سپر پاور نہیں بن گئی ہے؟ (۵۴)

نئے عالمی نظام کے مختلف پہلو

اس نظام کے متعلق تفصیل تو بہت سی ہیں، جنہیں اس محدود گنجائش میں اختصار کے ساتھ ذکر کرنا بھی مشکل ہے، لیکن چند امور ایسے ہیں جنہیں اس نظام کے مختلف مظاہر یا اہم پہلو قرار دیا جاسکتا ہے، یہ پہلو خصوصیت کے ساتھ مسلم امت سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے ان کی اہمیت بھی دو

(۵۲) پروفیسر خورشید احمد اس ۱۱۳ (۵۳) ایضاً (۵۴) low back The costs and consequences of American Empire /p216

آج کے زندہ مسائل

چند ہے، اور یہ ہماری فوری توجہ اور گہرے مطالعے وغور و فکر کے بھی متقاضی ہیں، اس لئے انہیں ذکر کرنا ناگزیر ہے۔ چند مظاہر یہ ہیں، ۱، عالمگیریت، ۲، جمہوریت، ۳، خاندانی منصوبہ بندی، ۴، طاقت کا استعمال، ۵، اباحت پسندی، ۶، خواتین کی آزادی، ۷، ٹیکنالوجی۔

عالمگیریت

عالمگیریت (GLOBALISATION) درحقیقت پوری دنیا کو نظام کے شکنجے میں جکڑ لینے کا نام ہے، اس کا واحد مقصد مالی، معاشی، معاشرتی، تہذیبی اور اخلاقی اقدار پر اپنا تسلط ہے، اس کے نفاذ کے بعد صرف ایک غالب نظام بچے گا، جس کو بڑی طاقتوں کی حمایت حاصل ہوگی، باقی سب کو فنا ہو جانے پر مجبور کر دیا جائے گا۔ اس کے چند مظاہر جواب تک سامنے آچکے ہیں وہ یوں ہیں۔

۱۔ ابلاغ عامہ پر کنٹرول

اس کا سب سے بڑا مظاہرہ جنگ خلیج کے موقع پر کیا گیا، جب امریکی وزارت دفاع پیناگون نے تمام صحافیوں پر پابندی لگا دی کہ اس کی مرضی کے مطابق ہی رپورٹنگ کی جائے گی، چنانچہ وہ صرف ان ہی منتخب صحافیوں کو بھیجتا تھا، جو رپورٹوں کی تیاری کے دوران اس کی رائے کا لحاظ کرتے تھے، امریکی پالیسی اس قدر جانب دارانہ اور قابل اعتراض تھی کہ فرانس، برطانیہ اور یورپ کے دیگر ممالک کو بھی اس پر احتجاج کرنا پڑا (۵۵) اگرچہ یہ احتجاج صد اصرار اثابت ہوا، مگر اس واقعے نے عالمگیریت بذریعہ ابلاغ کا پہلو دینا پر واضح کر دیا۔

۲۔ مالیاتی کنٹرول

مالیاتی کنٹرول بھی عالمگیریت کا حصہ ہے، اس کا مقصد پوری دنیا کو مالی شکنجے میں کس کر اپنا غلام بنانا ہے، تاکہ پھر ان سے مرضی کے کام لئے جاسکیں، آج کے دور میں اسٹاک مارکیٹوں پر نظر رکھ کر اور انہیں مختلف حربوں کے ذریعے کنٹرول کر کے، نیز کریڈٹ کارڈ کا اجرا کر کے براہ

آج کے زندہ مسائل

راست بینکوں سے لین دین کو فروغ دے کر، ناپسندیدہ افراد کے اکاؤنٹ خود منجمد کر کے اور دوسرے حکومتوں پر دباؤ ڈال کر یہ اقدام کروا کے درحقیقت عالمگیریت ہی کو فروغ دیا جا رہا ہے، اور اصل مقصد اپنی بالادستی ہے، ایسی بالادستی جس کو کوئی چیلنج کرنے والا نہ ہو۔

آئی ایم ایف بھی اس مالیاتی کنٹرول کا ایک مہرہ ہے، اس سلسلے میں پاکستان کی مثال دی جاسکتی ہے، پاکستان ۸۸ء تک آئی ایم ایف کے دامن کا اسیر نہ ہوا تھا، اس وقت تک صورت حال یہ تھی کہ ہماری مجموعی قومی پیداوار کی شرح ترقی ۶.۳ فیصد سالانہ تھی، غربت کی شرح ۱۷ فیصد، سرمایہ کاری کی شرح تقریباً ۱۸ فیصد اور صنعتی شرح نمو تقریباً ۱۱ فیصد تھی، مگر جب معیشت کو آئی ایم ایف نے ”سہارا“ دیا تو یہ صورت حال ہو گئی کہ سالانہ شرح ترقی ۴ فیصد، غربت کی شرح ۳۴ فیصد، سرمایہ کاری کی شرح ۱۵ فیصد اور صنعتی شرح نمو فیصد پر آ گئی۔ (۵۶) درحقیقت آئی ایم ایف ایک ایسا مالیاتی آمر ہے، جس کے فیصلے کبھی بھی کسی بھی ملک کے لئے مفید ثابت نہیں ہو سکتے۔ (۵۷)

۳۔ تہذیبی کنٹرول

جس کے تحت پوری دنیا کو برگر اور جینز فیملی میں تبدیل کرنا مقصود ہے۔

۴۔ ذاتی و شخصی پرائیویسی ختم کرنا

جس کے لئے بہت سے اقدامات کئے جا رہے ہیں، مثلاً انٹرنیٹ اور سیلولر فون کا آزادانہ استعمال، مواصلاتی ذرائع کی فراہمی، خفیہ کیمروں کی بہتات، یورپ میں اس کا تجربہ بھی ہو چکا ہے کہ مشہور اور اہم مقامات کو کیمروں کے ذریعے کور کر لیا گیا ہے، اور دنیا میں بنا کر پوری قوم کے شواہد کو انٹرف جمع کرنے کا کام بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، اس پر بھی پوری دنیا میں کام ہو رہا ہے

۵۔ آزاد منڈی

عالمگیریت کا سب سے زیادہ زور آزاد منڈی پر ہے، اس مقصد کے لئے جو تجربات اور

(۵۶) ماہنامہ ساحل، کراچی، اکتوبر ۲۰۰۰ء، ص ۵۰

(۵۷) آئی ایم ایف کے طریقہ کار اور پاکستان پر اس کے اثرات کے لئے ملاحظہ کیجئے، ساحل۔ ایضاً

اقدامات کئے جا رہے ہیں ان سے براہ راست ملٹی نیشنل کمپنیوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے، جس کے نتیجے میں مقامی اور ملکی صنعتوں اور تجارتی اداروں کو بھاری نقصان برداشت کرنا پڑ رہا ہے اور حکومتی سطح پر بھی خسارے کا سامنا ہے، کیونکہ سرمایہ اور منافع بیرونی ملک منتقل ہو رہا ہے، جس کے نتیجے میں غربت بڑھ رہی ہے، اور بے روزگاری میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اسی بنا پر عالمگیریت کے خلاف خود مغرب کے تمام ملکوں میں احتجاج اور مظاہروں کا سلسلہ جاری ہے، جن کے نتیجے میں بہت سے ممالک سے ہنگاموں کی بھی اطلاعات ہیں، کئی ممالک میں یہ مظاہرے پرتشدد ہو گئے ہیں، جس کے نتیجے میں کئی قیمتی جانیں ضائع ہو چکی ہیں۔ (۵۸)

جمہوریت

جمہوریت عالمگیریت کا دوسرا اہم عنصر ہے، جمہوریت کا نائٹل یقیناً خوش نما ہے، مگر اس سے جو کچھ حقیقت میں مراد ہے، وہ کسی طور بھی خوش آئند نہیں، اس سے مراد تمام انسانوں کی مساوات نہیں، نہ اس سے مراد لوگوں کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے اعتقادات، اقدار و ترجیحات کی روشنی میں اپنے لئے کسی نظام کا انتخاب کریں، بلکہ اس سے مغربی جمہوریت مراد ہے، جو غیر جانبداری کی آڑ میں جانبداری کی مثال ہے، ورنہ جمہوریت سے اگر عوام کی رضامندی ہی مراد ہوتی تو الجزائر کے اسلام پسند مسلمانوں پر آمریت مسلط نہ کی جاتی، اسی طرح اگر جمہوریت پسندی کا مطلب یہ ہوتا کہ عوام کو اپنی پسند کا نظام اختیار کرنے کا حق ہے تو طالبان حکومت کو افغانستان میں کام کرنے سے بہ جبر نہ روکا جاتا۔

دوسری جانب خود ان جمہوریت پسندوں کا کیا حال ہے؟ تو حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت کے یہ علم بردار کسی بالاتر قانون اور کسی غیر جانبدار اتھارٹی کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں، انہوں نے اقوام متحدہ کو ایک غیر مؤثر ادارہ بنا دیا ہے۔ جنرل اسمبلی کے پاس کوئی اختیار نہیں اور سیکورٹی کونسل میں پانچ طاقتوں کو ویٹو کا حق حاصل ہے اب اگر اس حق کی توسیع کی بات بھی ہو رہی ہے تو وہ بھی کسی جمہوری اصول پر نہیں بلکہ اپنے ہی چند چٹنی بھائیوں کو پوری دنیا پر مسلط کرنے کے منصوبے

آج کے زندہ مسائل

بنائے جا رہے ہیں۔ جمہوریت کا فلسفہ بھی اسلام کے منافی ہے، جمہوریت میں سب کچھ عوام کو تسلیم کیا گیا ہے اور ان کی رائے کو اقلیت دی گئی ہے، جبکہ اسلام کے نزدیک حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اس کے علاوہ کسی کو اختیار حاصل نہیں، اور اس کے حکم کے مطابق اس کا پیغمبر اس کے احکامات کی تعمید کرتا ہے، ارشاد باری ہے:

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرِ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٩﴾

اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں، اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو، یہی سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۵۹)
اور دوسری جگہ فرمایا:

أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحُسْبَيْنِ ﴿٦٠﴾

آگاہ ہو جاؤ، بس اسی کا حکم ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے (۶۰)
اسلامی نظام حکومت کی بنیاد مشاورت پر ہے، اور اپنے معاملات طے کرنے کے لئے مشاورت کا حکم دیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ کو فرمایا گیا:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ

اور آپ ان (صحابہ) سے کام میں مشورہ کیا کیجئے (۶۱)

جب یہ آیت نازل ہوئی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول تو اس سے مستغنی ہیں مگر اللہ نے مشورے کو میری امت کے لئے رحمت بنا دیا ہے، سو جو کوئی مشورہ کرے گا وہ ضرور ہدایت پائے گا۔ اور جو کوئی مشورہ چھوڑ دے گا، وہ ضرور گمراہ ہوگا، (۶۲)

مغربی جمہوریت کے بارے میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا یہ جملہ قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے:

ایک شخص بیک نظر ان خصوصیات کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ اسلامی ریاست

(۵۹) یوسف: ۳۰ (۶۰) الانعام: ۶۲ (۶۱) آل عمران: ۱۵۹

(۶۲) آلوسی/روح المعانی/جلد ۲۵/ص ۱۰۶

آج کے زندہ مثال _____ نئے عالمی نظام کی تشکیل

مغربی طرز کی لادینی جمہوریت نہیں، اس لئے کہ جمہوریت تو فلسفیانہ نقطہ نظر سے نام ہی اس طرز حکومت کا ہے جس میں ملک کے عام باشندوں کو حاکمیت اعلیٰ حاصل ہو، انہی کی رائے سے قوانین میں تغیر و تبدل ہو، جس قانون کو وہ چاہیں نافذ ہو اور جسے وہ نہ چاہیں وہ کتاب آئین میں سے محو کر دیا جائے۔ یہ بات اسلام میں نہیں ہے، یہاں ایک بالاتر بنیادی قانون خود اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے ذریعے سے دیتا ہے جس کی اطاعت ریاست اور قوم کو کرنی پڑتی ہے، لہذا اس معنی میں اسے جمہوریت نہیں کہا جاسکتا۔ اس کے لئے زیادہ صحیح نام الہی حکومت ہے۔ (۶۳)

خاندانی منصوبہ بندی

خاندانی منصوبہ بندی کا عنوان تیسری دنیا کے ممالک کیلئے کوئی نئی چیز نہیں، چونکہ ان ممالک میں غربت ایک نظر آنے والی حقیقت ہے اس لئے منصوبہ بندی کا یہ پروگرام ان ممالک کے ”دانش ور“ طبقے کے لئے خاصی کشش رکھتا ہے، گذشتہ دنوں بھی ایک پاکستانی ادارے نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پاپولیشن اسٹڈیز نے اس جانب توجہ دلائی ہے، اس کے اعلامیے میں کہا گیا کہ: پاکستان کی آبادی میں آٹھ افراد فی منٹ کی شرح سے اضافہ ہو رہا ہے۔ اور اگر یہی شرح جاری رہی تو اگلے ۳۳ برسوں میں ملکی آبادی دگنی ہو جائے گی آبادی میں بے تحاشہ اضافے سے وسائل کم اور مسائل بڑھ رہے ہیں۔ (۶۴)

یہ پروپیگنڈا نصف صدی سے جاری ہے کہ آبادی میں مسلسل اضافہ اور وسائل میں کمی ہو رہی ہے، اس لئے آبادی میں اضافے کی شرح پر کنٹرول ناگزیر ہے، آئیے دیکھیں کہ اس پروپیگنڈے کی حقیقت کیا ہے؟

ماضی قریب میں سب سے پہلے تھامس رابرٹ مالتھس نے (جو ایک متعصب اور نسل پرست عیسائی تھا) آبادی کے مسئلے کو سائنسی بنیاد پر پیش کرنے کو کوشش کی۔ اس نے کہا:

(۶۳) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ / اسلام کا نظریہ سیاسی / لاہور / ص ۲۴

(۶۴) روزنامہ جنگ کراچی، ۱۲ اگست ۲۰۰۲ء

آج کے زندہ مسائل ۳۲۳

نئے عالمی نظام کی تشکیل

آبادی میں اضافہ ضرب کی صورت میں ہوتا ہے (۲ سے ۴، ۴ سے ۸، ۸ سے ۱۶) جب کہ خوراک میں اضافہ جمع کی صورت میں ہوتا ہے (۲ سے ۴، ۴ سے ۶) اس قدرتی نظام کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر ابتدا میں خوراک انسانی آبادی کے لئے کافی ہو تو بھی دو نسلوں کے بعد انسانوں کی تعداد اتنی بڑھ جائے گی کہ اضافہ شدہ خوراک کے ذخیرے ان کے لئے ناکافی ہو جائے گی یعنی آبادی دو نسلوں میں ۲ سے بڑھ کر ۸ ہوگی جب کہ خوراک ۲ سے بڑھ کر صرف ۶ تک ہی پہنچے گی۔ (۶۵)

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ابتدائے آفریش سے ماتھس کے زمانے تک انسانوں کی دو نسلوں سے زیادہ گزر چکی تھیں۔ اگر ماتھس کا نظریہ ایک سائنسی حقیقت ہوتا تو پوری انسانیت اس کے زمانے تک پہنچنے سے بہت پہلے ہی قدرتی قانون کے تحت عدم آبادی کی راہ لے چکی ہوتی۔ حالانکہ ماتھس کے زمانے سے اب تک انسانی آبادی کہیں زیادہ بڑھ چکی ہے لیکن خوراک کی پیداوار میں اضافہ اس سے بھی زیادہ ہوا ہے۔ مثلاً ۱۹۵۰ء تک دنیا کی آبادی گنی ہو گئی لیکن اسی عرصے میں خوراک کی پیداوار تین گنی ہو گئی۔ (۶۶)

اس کے بعد دوسرا نمایاں شخص جس نے اس پروپگنڈے کے لئے پوری قوت استعمال کی۔ پال اہرلک (Paul Ehrlich) تھا۔ اس نے کہا کہ دنیا میں معدنیات، سونا، چاندی، لوہا، تیل وغیرہ محدود مقدار میں ہیں اور اگر آبادی ایک حد سے بڑھ گئی تو ان کی مقدار انسانی ضروریات کے لئے کافی نہیں رہے گی۔ ۱۹۶۸ء میں اس نے ایک کتاب ”آبادی کا بم“ کے نام سے لکھی جو پوری دنیا میں پھیلائی گئی۔ (۶۷) اس کی پیشن گوئی کے مطابق آج سے دو عشرے قبل ہی دنیا کو اپنی آبادی کے بوجھ تلے دب کر ختم ہو جانا چاہئے تھا۔ لیکن دنیا ابھی تک موجود ہے اور اپنی جگہ برقرار بھی۔

حقیقت یہ ہے کہ خوراک، معدنیات یا دوسرے قدرتی وسائل کی بنیاد پر آبادی کو محدود

(۶۵) خالد بیگ / بچے کم خوشحال گھرانہ، حقیقت یا افسانہ / مشمولہ، ماہنامہ تعمیر افکار کراچی / مدیر ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری / ستمبر ۲۰۰۲ء / ص ۴۹ (۶۶) ایضاً / ص ۵۰ (۶۷) ایضاً

آج کے زندہ مسائل _____ نئے عالمی نظام کی تشکیل

کرنے کی کوئی عقلی، سائنسی، تجرباتی بنیاد فراہم کی ہی نہیں جاسکتی۔ قدرتی نظام ہی ایسا ہے کہ جیسے جیسے انسان کی ضروریات پھیلتی ہیں ان کو پورا کرنے کے اسباب بھی پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ پورا تاریخی تجربہ اس پر شاہد ہے۔ ہاں ہم کسی محدود رقبے کے لئے یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ وہاں لوگ گنجائش سے زیادہ ہو گئے ہیں، چنانچہ آبادی کی بحث رقبے کے حوالے سے ہی کی جاسکتی ہے۔ یعنی کثافت آبادی (Population density)۔ یوں دیکھا جائے تو اعداد و شمار ہمیں کوئی اور ہی کہانی سناتے ہیں۔ ۱۹۹۹ء میں پاکستان کی کثافت آبادی ۱۱۶۵ افراد فی مربع کلومیٹر تھی۔ جبکہ اسرائیل کی اس سے تقریباً گنی یعنی ۲۸۲ تھی۔ کیا کسی نے سنا ہے کہ کوئی اسرائیل کو آبادی کم کرنے پر مجبور کر رہا ہے؟ یہ دلچسپ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ USAID باقی دنیا بشمول پاکستان میں آبادی کم کرنے کے لئے پیسے خرچ کرتا ہے لیکن اسرائیل کو اس کی امداد آبادی بڑھانے کے لئے خرچ کی جاتی ہے۔ کچھ ممالک کے اعداد و شمار یہ ہیں۔ ہانگ کانگ ۶۵۷۱، سنگاپور ۵۵۳۹، جاپان ۳۳.۶، برطانیہ ۲۲۲، نیدر لینڈ ۶۱۶، انڈونیشیا ۱۱۸۔ یہ خیال رہے کہ سنگاپور، جاپان اور برطانیہ اپنی آبادیاں بڑھانے کے لئے کوشاں ہیں۔ ہاں اس فہرست میں سے انڈونیشیا کو آبادی کم کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ (۶۸)

اس بحث کا چونکا دینے والا پہلو یہ ہے کہ اسرائیل کی آبادی میں اس وقت مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور اس کی آبادی ۲۵ لاکھ سے بڑھ کر ۶۲ لاکھ تک جا پہنچی ہے۔ (۶۹) سوال یہ ہے کہ وہاں آبادی میں اضافے کی حوصلہ افزائی کیوں کی جا رہی ہے؟ اگر یہ اضافہ جرم ہے تو صرف مسلم ممالک میں کیوں، اسرائیل وغیرہ میں کیوں نہیں؟ (۷۰)

حالانکہ اسلام کا پیغام بہت واضح ہے، وہ کہتا ہے کہ رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی ہے، اس لئے اولاد کو رزق میں کمی کے خوف سے قتل نہ کیا جائے، قرآن حکیم میں ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمْلَاقٍ تَحْنُ نَرُزِقُهُمْ وَإِنَّا لَكُمُ رِثٌ
فَتَتَّخِذُهُم بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ

اور مفاسی کے ذر سے تم اولاد کو قتل نہ کرو، ہم ہی ان کو رزق دیتے ہیں، اور

(۶۸) ایضاً/ص ۵۱ (۶۹) مابنامہ ساحل/فروری ۲۰۰۰/ص ۶۸ (۷۰) اسرائیل میں آبادی کی موجودہ صورتحال اور اضافے کے اسباب و عوامل جاننے کے لئے ملاحظہ کیجئے، ساحل/ص ۶۷ (فروری ۲۰۰۰)۔

آج کے زندہ مسائل

نئے عالمی نظام کی تشکیل

تمہیں بھی، بے شک ان کا قتل کرنا بڑی خطا (گناہ) ہے۔ (۷۱)

البتہ کسی نجی ضرورت اور ضرر کو دور کرنے کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی اجازت

ہے۔ (۷۲)

طاقت کا استعمال

گلوبلائزیشن کا ایک اہم پہلو طاقت کا استعمال ہے، اس کے بہت سے مظاہرے گزشتہ چند برسوں میں سامنے آچکے ہیں جن میں جنگِ خلیج، الجزائر، بوسنیا اور مشرقی تیمور اور حال میں افغانستان کا واقعہ سرفہرست ہیں۔ جنگِ خلیج کے دونوں فریق نقصان میں اور صرف امریکہ و اتحادی فائدے میں رہے، (۷۳) الجزائر میں ”جمہوریت پسندوں“ نے صرف اسلام دشمنی میں ”آمریت“ کی پشت پناہی کی، اور جمہوری انتخابات کے ذریعے کامیاب ہونے والوں پر اقتدار کے در بند کر دیئے اور صرف یہی نہیں بلکہ مسلمانوں کو بے دردی سے شہید کیا گیا، اور جبر، ظلم و بربریت کے نئے عنوانات قائم ہوئے (۷۴) جبکہ وہی لوگ جو کشمیریوں کی جدوجہد کو تسلیم کرنے اور فلسطینیوں کی تحریک کو ماننے سے انکاری ہیں، انڈونیشیا میں مسلمانوں کے قلب میں مشرقی تیمور کے نام سے عیسائی ریاست قائم کر گزرے، (۷۵) اور افغانستان کا مسئلہ تو حال ہی کا ہے، جس پر گزشتہ سطور میں اظہارِ خیال بھی ہو چکا ہے، اس وقت صورت حال یہ ہے کہ امریکہ ہر طرح سے اپنی قوت اور طاقت کے اظہار و استعمال پر کمر بستہ ہے، اس لئے صدر بلش بلا تکلف یہ کہہ رہے ہیں کہ:

امریکہ اپنے دشمنوں پر پیش بندی کے طور پر حملہ کرنے سے نہیں ہچکچائے گا

خواہ اسے بین الاقوامی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے۔ وہ اپنی فوجی بالادستی

کو خطرے میں پڑنے کی ہرگز اجازت نہیں دے گا۔ عقل عام اور خود اپنے

دفاع کا تقاضا یہ ہے کہ امریکہ اس طرح کے الجھنے والے خطروں کے

(۷۱) بنی اسرائیل ۳۱: (۷۲) تفصیل احکام کے لئے ملاحظہ کیجئے مفتی محمد تقی عثمانی، تحفۃ دارالاشاعت، کراچی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تحفۃ دارالاشاعت، اسلام آباد، جلی کیشنز، لاہور

(۷۳) نذر الحفیظ ندوی، مغربی میڈیا اور اس کے اثرات (۷۴) محمد صدیق شاہ بخاری، رواداری اور

مغرب / علم و عرفان پبلیشرز، لاہور / ص ۱۱۶ تا ۱۱۸ (۷۵) ایضاً ص ۵۳۸ تا ۵۴۰

خلاف ان کے مکمل شکل اختیار کرنے سے پہلے اقدام کرے۔ (۷۶)

یہ تمام مظاہر اس امر کے غماز ہیں کہ گلوبلائزیشن یا عالمگیریت درحقیقت ہر طرح سے طاقت کی مکمل حکمرانی کے قیام کا نام ہے، اور طاقت کا استعمال اس کا ایک اہم عنصر ہے۔

ٹیکنالوجی

نئے عالمی نظام کا ایک اہم ستون اور مغرب کا ایک اہم ہدف ٹیکنالوجی ہے۔ خصوصیت سے نیوکلیئر اور ہائی ٹیک (Hi-tech) کمپیوٹر ٹیکنالوجی پر مغربی اقوام کی اجارہ داری ہے۔ نئے عالمی نظام کا بنیادی ستون امریکہ کی مستقل اور ناقابل چیلنج عسکری قوت کا استحکام اور اسے جہاں سے بھی خطرہ ہوا اسے ختم کرنے کا حق ہے اور اس کی زبان میں ایٹمی عدم پھیلاؤ کا مقصد دنیا کو ایٹمی ہتھیاروں سے پاک کرنا نہیں بلکہ مغرب کی نیوکلیئر بالادستی کو دائمی بنانا اور اسے لاحق ہونے والے ہر چیلنج کا راستہ روکنا ہے۔ کیمیاوی اور گیس کے ہتھیاروں پر پابندی بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ اسی طرح میزائل کے نظام کو لگام دینے کا پروگرام بھی اسی عسکری بالادستی کے تحفظ کے لئے ہے۔

اس ساری منصوبہ بندی کا ہدف مسلمان بن رہے ہیں، اس لئے مسلمانوں کو نہ صرف اس پہلو سے بھی ہوشیار رہنا ہوگا، بلکہ اپنی توانائیاں اس کا توڑ کرنے میں بھی صرف کرنی ہوں گی۔

خواتین کی آزادی

خواتین کی آزادی بھی ایسا ایٹوم بوم ہے جس پر گفتگو عرصے سے جاری ہے، لیکن نئے عالمی نظام میں اس کو خاص طور پر باقاعدہ حیثیت دی گئی ہے، اور اس کا مقصد مسلم خاتون کو عزت و احترام سے محروم کر کے اسلام کے خاندانی سسٹم کو ختم کرنا ہے، جو کہ مغرب میں بالکل نایاب ہو چکا ہے، یہ ایک اہم ہدف ہے، مگر ہم صرف نعرے بازی سے متاثر ہو کر اس خوشنما ٹائٹل میں ملفوف حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

اس ضمن میں این جی اوز کا کردار بھی اہم ہے، این جی اوز اگرچہ مختلف اچھے ایٹوم بوم پر کام کرنے کا دعویٰ کرتی ہیں لیکن ان کے بارے میں اب یہ تاثر پوری دنیا میں عام ہو رہا ہے کہ یہ

آج کے زندہ سائل

درحقیقت وہ کام نہیں کرتیں جس کا وہ اظہار کرتی ہیں بلکہ پس پردہ مقاصد کچھ اور ہوتے ہیں۔ حکومتوں اور عوام کے معاملات میں ان کی مداخلت اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ ان کا مجموعی بجٹ عالمی بینک کے بجٹ سے بھی زیادہ ہے (۷۷) خواتین کی آزادی کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے۔ اس کے پیچھے این جی اوز کا کردار اہم اور نمایاں ہے، (۷۸) اس سمت بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اباحیت پسندی

اباحیت پسندی، بے حیائی اور بے راہ روی کا فروغ بھی نیو ورلڈ آرڈر کا ایک اہم حصہ ہے اس کے بہت سے پہلو ہیں، جن میں آج کل سب سے زیادہ اہم اور تیزی سے فروغ پانے والی برائی ویلنٹائن ڈے ہے، اسے اظہار محبت اور وفاؤں کے عہد و بیان کا دن قرار دیا گیا ہے۔ صرف دو سال پہلے تک اس کے نام سے بھی کوئی واقف نہیں تھا، مگر آج اس کی گلی گلی دھوم ہے، اس دن کی کوئی اصل یا حقیقت تاریخی طور پر نہیں ملتی، مختلف بیانات البتہ ملتے ہیں (۷۹) مگر وہ خود آپس میں اس قدر متضاد ہیں کہ ایک دوسرے کی نفی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، البتہ اس قدر بیان واضح ہے:

ویلنٹائن نام کے دو مسیحی اولیا (Saints) کا نام ملتا ہے۔ ان میں سے ایک کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ روم کا ایک پادری تھا جسے رومی دیوتاؤں کی پوجا سے انکار کرنے پر ۲۶۹ء میں شہنشاہ کلاؤڈئیس (Cladius-II) II کے حکم پر موت کی سزا دی گئی۔ دوسرا ٹمی (Temi) کا ایک بپ تھا جس کو لوگوں کو شفا بخشنے کی روحانی طاقت حاصل تھی۔ اسے اس سے بھی کئی سال پہلے ”شہید“ کر دیا گیا تھا۔ آیا کہ ایک سینٹ ویلنٹائن تھا یا اس نام کے دو افراد تھے؟ یہ ابھی تک ایک کھلا ہوا سوال ہے۔ البتہ یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ ان دونوں کا محبت کرنے والے

(۷۷) ماہنامہ ساحل کراچی / مارچ ۲۰۰۱ء، ص ۱۳ (۷۸) این جی اوز کے بارے میں تفصیل سے جاننے کے لئے دیکھئے ماہنامہ ساحل / فروری ۲۰۰۰ء، مارچ ۲۰۰۱ء، (۷۹) محمد عطا اللہ صدیقی / ویلنٹائن ڈے پر شرمناک طرزِ عمل / مشمولہ ماہنامہ محدث، لاہور / مدیر اعلیٰ حافظ عبدالرحمن مدنی / مارچ ۲۰۰۲ء، ص ۴۶

آج کے زندہ مسائل

نئے عالمی نظام کی تشکیل

جوڑوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ محبت کے پیغامات یا تحائف بھیجنے کا رواج بعد میں غالباً ازمنہ وسطیٰ میں اس خیال کے تحت شروع ہوا کہ ۱۴ فروری پرندوں کی جنسی مواصلت کا دن ہے۔ مسیحی کیلنڈر میں یہ دن کسی سینٹ کی یاد میں تہوار کے طور پر نہیں منایا جاتا۔ (۸۰)

اس نئے ضروری ہے کہ اس طرح کی تمام بے ہودہ رسومات کا تعاقب کیا جائے اور انہیں اپنے معاشرے میں پھیلنے پھولنے نہ دیا جائے۔

امت مسلمہ کی ذمہ داریاں

سطور بالا میں پیش کی جانے والی صورت حال کسی اعتبار سے بھی نہ خوش آئند ہے نہ اطمینان بخش ہے، ان حالات میں امت مسلمہ پر بجا طور سے بہت بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، جن سے عہد براہو کر ہی ہم اس شدید بحرانی کیفیت سے نکل سکتے ہیں، اس سلسلے میں امت مسلمہ کی ذمہ داریوں کو ذیل کی سطور میں چند عنوانات کے تحت بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

دہشت گردی

امت مسلمہ کو آج جس مسئلے کا سب سے زیادہ سامنا ہے وہ دہشت گردی کا معاملہ ہے، پوری دنیا میں اس وقت یہ کیفیت ہے کہ ہر مسلمان کو مشکوک نظروں سے دیکھا جا رہا ہے، اور خود اسلام ہی کو (نعوذ باللہ) دہشت گردی کا مذہب قرار دے دیا گیا ہے، اور جو زیادہ مصلحت پسند بننے کی کوشش کرتا ہے وہ بھی اس قدر ضرور کہتا ہے کہ اسلام تو امن و سالمیت کا مذہب ہے مگر بعض مسلمان دہشت گردی میں مبتلا ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خود مسلمان سب سے زیادہ دہشت گردی کا شکار ہیں، پھر اگر کہیں پر مسلمان تنگ آمد جنگ آمد کے مصداق اپنی بقا و سلامتی کے تقاضوں کے تحت جہاد کا علم بلند رکھے ہوئے ہیں تو مغربی قوتیں جارح کو تنبیہ کرنے کی بجائے ان مسلمانوں ہی کو مورد الزام ٹھہرا رہی ہیں۔ اس موقع پر مسلم امہ پر سب سے پہلی ذمہ داری یہ عائد ہوتی ہے کہ وہ مغرب

The Harper Lollins Encyclopediadia of Catholicism: 1997 p, 1294 (۸۰)

آج کے زندہ مسائل

بے مروتیت کی بجائے جہاد کا اسلامی تصور پوری قوت و طاقت کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کریں اور جہاد کے عمل کو اسلامی تعلیمات کے عین مطابق جاری کریں، اور ان تمام خارجی عناصر کو جو اسلامی تعلیمات کا حصہ نہیں ہیں اپنی زندگیوں سے خارج کریں، دوسرے یہ کہ پہلے مرحلے پر یہ طے کیا جائے کہ دہشت گرد ہے کون؟ ایک شخص کے نزدیک جو دہشت گرد ہے، وہ دوسرے کے نزدیک مجاہد حریت ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ۱۹۸۰ء کے عشرے میں جب ڈک چینی جیسے سیاست دان نیلسن منڈیلا کو دہشت گرد قرار دے رہے تھے، اس وقت امریکی حکومت اسامہ بن لادن اور اس کے ساتھیوں کو جنگ آزادی کے سپاہی قرار دے کر ان کی تعریف کر رہی تھی۔ فلسطین کے رہنمایا سرعرات دہشت گرد تھے اور اب وہ دہشت گرد نہیں۔ آئرلینڈ کی سن فین (Sinn Fein) کے جیری آڈس بھی جنوبی افریقہ کے نیلسن منڈیلا کی طرح دہشت گرد تھے اور اب وہ بڑے عظیم مدبر اور رہنما ہیں۔ کم از کم تین اسرائیلی وزرائے اعظم یا تو خود اپنے اعتراف کے مطابق دہشت گرد تھے یا ان پر دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوث ہونے کا الزام قانونی طور پر لگایا جاسکتا تھا۔ (۸۱)

۳۰ سال قبل چومسکی نے ہمیں یاد دلایا تھا کہ قومی تحفظ کے نام پر اذیت اور دہشت گردی کے آلات استعمال کرنے والی حکومتوں کی دو تہائی تعداد امریکہ کی گاہک ہے۔ اگر ہم اس اصول پر توجہ دیں کہ دہشت گردوں کو تحفظ اور مالی مدد کون مہیا کر رہا ہے تو ہمیں ایک بار پھر مغربی طاقتیں، مشرق وسطیٰ اور جنوب میں ان کے حلیف ہی ملزم نظر آئیں گے۔ (۸۲)

۲۵ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو امریکہ کے وزیر داخلہ جارج شلزن نے جو اس وقت نیو یارک میں دہشت گردی پر ایک طویل تقریر کی۔ لیکن اس میں ایک جگہ بھی لفظ دہشت گردی کی وضاحت نہیں کی گئی تھی۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

- (۱)۔ جدید وحشیانہ پن کو دہشت گردی کہتے ہیں۔
- (۲)۔ دہشت گردی دراصل سیاسی تشدد کی ایک شکل ہے۔
- (۳)۔ دہشت گردی مغربی تہذیب کے لئے ایک دھمکی کا نام ہے۔
- (۴)۔ دہشت گردی مغربی اخلاقی اقدار کے لیے ایک خطرہ ہے۔

(۸۱) ماہنامہ محدث/نومبر ۲۰۰۲ء، ص ۴۷ (۸۲) ایضاً/ص ۴۸

آپ نے غور کیا کہ یہ لوگ دہشت گردی کی تعریف بیان نہیں کرتے، اس لئے کہ تعریف بیان کرنے کا مطلب ہے تجزیے، گرفت یا کسی قسم کی مستقل مزاجی سے وابستگی (۸۳) اور اس صورت میں ان کے بیانات کی حقیقت کا کھل جانا لازمی ہے۔

دہشت گردی کی حالیہ اصطلاح صرف مسلمانوں کے خلاف استعمال کی جا رہی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مغرب کا ریکارڈ اس بارے میں خاصا سیاہ ہے، اس حد تک سیاہ کہ مسلم امت اس کے پاسنگ بھی نظر نہیں آتی، صرف امریکہ کو لیجئے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد کے عرصے میں امریکہ نے جن ملکوں سے جنگ کی اور جن پر بمباری کی، ان کی فہرست یہ ہے:

چین (۱۹۴۶/۴۷ء - ۱۹۵۳ء)، کوریا (۱۹۵۰ء - ۱۹۵۳ء)، گوئئے مالا (۱۹۵۴ء - ۱۹۵۹ء)، انڈونیشیا (۱۹۵۸ء)، کیوبا (۱۹۵۹ء - ۱۹۶۰ء)، بلجیئم کا گلو (۱۹۶۳ء)، پیرو (۱۹۶۵ء)، لاؤس (۱۹۶۳ء - ۱۹۷۳ء)، ویت نام (۱۹۶۱ء - ۱۹۷۳ء)، کمبوڈیا (۱۹۷۰ء - ۱۹۷۹ء)، گریناڈا (۱۹۸۳ء)، لیبیا (۱۹۸۶ء)، ایل سلواڈور (۱۹۸۰ء کا پورا عشرہ)، نکاراگوا (۱۹۸۰ء کا پورا عشرہ)، پانامہ (۱۹۸۹ء)، عراق (۱۹۹۰ء - ۱۹۹۱ء)، بوسنیا (۱۹۹۵ء) سوڈان (۱۹۹۸ء)، یوگوسلاویہ (۱۹۹۸ء) اور اب افغانستان (۲۰۰۲ء)!(۸۴)

اس بارے میں پروفیسر خورشید احمد کے خیالات ہر مسلمان کی ترجمانی کرتے ہیں وہ کہتے ہیں دہشت گردی (Terrorism) کے باب میں جو محاذ کھولا گیا ہے، اس کا مقصد بھی دنیا میں ابھرنے والی ہر متبادل قوت کو ایک قسم کے سوچے سمجھے تشدد کا نشانہ بنانا ہے، جو خود انسانیت کے خلاف ایک سنگین جرم ہے۔ کوئی صحیح العقل انسان دہشت گردی اور تشدد کی حمایت نہیں کر سکتا لیکن مظلوم اگر ظالم کے خلاف ہاتھ اٹھانے پر مجبور ہو جائے یا محکوم اقوام اپنی آزادی کے لئے سیاسی جدوجہد کی راہیں مسدود ہونے کی صورت میں ظالم اور استعماری حکمرانوں کے خلاف جدوجہد کریں تو اسے دہشت گردی کیسے کہا جاسکتا ہے؟ اگر یہ دہشت گردی ہے تو دنیا کے موجودہ

آج کے زندہ مسائل

نئے عالمی نظام کی تشکیل

سیاسی نقشے کا ۸۰ فی صد ایسی ہی جدوجہد کے نتیجے میں صورت پذیر ہوا ہے اور یہ عمل آج بھی جاری ہے۔ اس کی سب سے قریبی مثال مشرقی تیمور ہے، جہاں ۲۰ سالہ عسکری جدوجہد کے بعد اقوام متحدہ کے زیر انتظام استعصاب ہوا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مشرقی تیمور اپنے تیل کے ممکنہ ذخائر کی وجہ سے مغربی اقوام کی توجہ کا مرکز بنا ہے، اور ایک مسلمان ملک کو کمزور کر کے ایک عیسائی ریاست کا قیام اس کا نتیجہ ہے۔ لیکن بات اصول کی ہے اور جس حق کے تحت اقوام متحدہ کے ۱۳۰ ممالک آزاد ہوئے ہیں اسے محض اس لئے دہشت گردی قرار نہیں دیا جاسکتا کہ کشمیر، کوسووا، چیچنیا اور منڈاناؤ میں اس کا فائدہ مسلمانوں کو پہنچے گا۔ (۸۵)

اس لئے امت مسلمہ کو پورے اتحاد کے ساتھ اس مسئلے پر توجہ دینے کی فوری ضرورت ہے

تہذیبی ٹکراؤ

اس وقت امت مسلمہ کو درپیش ایک اہم مسئلہ تہذیبوں کے ٹکراؤ کا ہے، یہ تصادم قدرتی حالات کا پیدا کردہ نہیں بلکہ یہ خاص مقاصد کے تحت پیدا کیا گیا ہے، یہ درحقیقت حصول دولت کی ترپ ہے جس نے مغرب کو اس تصادم پر مجبور کیا ہے، لیکن صورت حال کچھ ایسی ہو گئی ہے اور اس ترپ نے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے فضا ایسی بنادی ہے کہ تہذیبوں کے مابین بھی محاربے کی فضا پیدا ہو گئی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اس تہذیبی کشمکش کو سمجھتے ہوئے ہم اپنے دفاع کا جائز حق استعمال کریں، اور مغرب کی تہذیبی یلغار سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہوئے اس کے سامنے صحیح حالات اور حالات کا صحیح تناظر پیش کریں اور اسے بتائیں کہ اس وقت ضرورت حق کو تسلیم کرنے کی ہے، اس سے برگشتہ ہو کر متصادم ہونے کی نہیں، اس بحث کا ایک اور پہلو ”مذہب کے مابین اتحاد“ ہے یہ نعرہ بھی بلند کیا گیا ہے کہ رواداری بین المذاہب کو عام کیا جائے، اس سلسلے میں صحیح صورت یہ ہوگی کہ اس فارمولے پر عمل کیا جائے کہ ”ہر مذہب قابل احترام ہے“ نہ یہ کہ ”ہر مذہب سچا ہے“ یہ

جملہ مبالغہ آمیز بھی ہے اور مغالطہ آمیز بھی، نیز منطقی اور اصولی اعتبار سے غلط بھی، ”مذہبی اتحاد کا واحد قابل عمل فارمولا باہمی احترام ہے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے ایک شخص ایک خاتون کو دل سے اپنی ماں سمجھتا ہے، اسی کے ساتھ وہ دوسری تمام خواتین کا پورا احترام کرتا ہے، بغیر اس کے کہ اس نے یہ اعلان کیا ہو کہ دوسری تمام خواتین بھی میری حقیقی مائیں ہیں۔“ (۸۶)

میڈیا کی یلغار

آج امت مسلمہ کی ایک اہم ذمہ داری میڈیا کے حوالے سے ہے، کیونکہ موجودہ غیر علامیہ جنگ میں میڈیا کا بہت بڑا کردار ہے۔ بلکہ یہ جنگ درحقیقت میڈیا ہی کے سہارے لڑی جا رہی ہے۔ اس لئے یہ شعبہ بھی ہم سے سرگرم و متحرک جذبہ عمل کا خواہاں ہے۔

اسلام میں ذرائع ابلاغ یا میڈیا کی دینی اہمیت و ضرورت کی حسب ذیل بنیادیں ہیں!

۱۔ دین اسلام پوری دنیا اور تمام نوع انسانی کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا خالق و مالک ہے اور اس کائنات کا ذرہ ذرہ اسی ذات واحد کی گواہی دیتا ہے۔ (۸۷)

۲۔ اس دین کو جو بھی قبول کرتا ہے اس کے ذمہ اس پیغام حق کا دوسروں تک پہنچانا بھی واجب ہے، اپنے اپنے زمانے میں تمام انبیاء کرام اور رسولوں نے یہ فریضہ انجام دیا ہے۔ (۸۸)

۳۔ آخری نبی ﷺ، ان کے اصحاب اور ان کے بعد آنے والے داعیوں کا کام دین کو لوگوں تک پہنچانا ہے۔ (۸۹)

۴۔ اسلام کا پیغام انسانیت نہ پہنچانا معصیت کا باعث ہے، کیونکہ ایک طرح سے وہ کسمان علم کے حکم میں آتا ہے، ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ آخری سانس تک دین کا پیغام پہنچاتا رہے، (۹۰) پھر اس وقت امت مسلمہ پر جو مشکلات آ رہی ہیں اس حوالے سے مسلم دنیا کی ذمہ داریاں مولانا وحید الدین خان / ماہنامہ تذکیر لاہور / مئی ۲۰۰۱ء / ص ۱۹ (۸۷) پورا قرآن حکیم اسی بیان پر مشتمل ہے، کائنات کی گواہی کی سائنسی تصدیق کے لئے ملاحظہ کیجئے۔ سائنسی انکشافات قرآن حدیث کی روشنی میں / ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری / ادارہ اشاعت، کراچی، ۲۰۰۱ء۔ (۸۸) قرآن حکیم میں ہے: اذْعُ السَّيْلَ سَبِيلَ رَبِّكَ بِالْحُكْمِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ اِنَّكَ رَءِیْسٌ مِّنْ ذٰلِكَ اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْاَرْضَ کَانَ عَلٰی الْخِلَابِ اَلَمْ یَجْعَلْ لِّلْمَیْمَنِ الْیَمٰیْنِ اَلَمْ یَجْعَلْ لِّلشَّمٰلِ الْاَشْیٰ اَلَمْ یَجْعَلْ لِّلْجِبَالِ الْجَبَابِیْطَ اَلَمْ یَجْعَلْ لِّلْاَنْفُسِ الْاَنْفُسَ اَلَمْ یَجْعَلْ لِّلْاَبْصَارِ الْاَبْصَارَ اَلَمْ یَجْعَلْ لِّلْاَسْمَاعِ الْاَسْمَاعَ اَلَمْ یَجْعَلْ لِّلْاَفْئِدَةِ الْاَفْئِدَةَ اَلَمْ یَجْعَلْ لِّلْاَفْئِدَةِ الْاَفْئِدَةَ اَلَمْ یَجْعَلْ لِّلْاَفْئِدَةِ الْاَفْئِدَةَ اَلَمْ یَجْعَلْ لِّلْاَفْئِدَةِ الْاَفْئِدَةَ (۹۰) نذر الحفیظ ندوی / مغربی میڈیا اور اس کے اثرات / ص ۳۳۹

آج کے زندہ مثال

داری مزید دو چند ہو گئی ہے۔ کیونکہ اس نے نہ صرف مغرب کے پروپیگنڈے کے اثرات کو زائل کر کے مسلم امہ تک صحیح اطلاعات پہنچانی ہیں۔ مسلم امت پر لگنے والے الزامات کا دفاع کرنا ہے، بلکہ اسلامی کی صحیح تصویر بھی دنیا کے سامنے پیش کرنی ہے، اس کے علاوہ مصیبت زدہ مسلم دنیا کو صبر و عزیمت کا درس دے کر ان کے زخموں پر مرہم بھی رکھنا ہے۔

دعوت اسلام

اس وقت حالت یہ ہے کہ مغرب ایک گہرے روحانی اضطراب کی لپیٹ میں ہے، وہ خدائے واحد کی حقیقت کبریٰ سے منہ موڑ کر اب تک کتنے ہی خدا بنا چکا ہے، مگر اس کی تسکین کہیں نہیں ہو سکی، بلکہ اس کا اضطراب بڑھتا ہی جا رہا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ ”انسان دو چیزوں کا مجموعہ ہے، ایک جسم، دوسری روح۔ انسان کے خالق نے اس کی جسمانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اس کا کائنات میں جمادات، نباتات، حیوانات کی قبیل سے بے شمار چیزیں پیدا کیں اور انسان کے اندر بھوک، پیاس، شہوت، سردی گرمی کا احساس رکھا جو اسے جسمانی ضرورتوں کے لئے کائنات کی مادی اشیاء سے استفادے کے لئے متحرک کرتا ہے۔ اس طرح انسان کے خالق نے روح کی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے انسان کے اندر اس کے وجدان اور تحت الشعور میں جسمانی بھوک و پیاس کی طرح ایک روحانی بھوک و پیاس اور احساس رکھا اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے وحی اور انبیائے کرام کا سلسلہ شروع کیا۔“ (۹۱)۔ اس لئے یہ احساس ایک حقیقت ہے اور اسے ختم نہیں کیا جاسکتا، اس کے تقاضے کو پورا کرنا ہی ہوگا، کہا یہ جا رہا ہے کہ موجودہ زمانے میں پوری دنیا ایک گلوں و لہج بن گئی ہے، مگر یہ بات زیادہ تر ذرائع مواصلات کی فراوانی کے اعتبار سے ہے، جہاں تک خود انسان کا تعلق ہے اس کی وحدت نوٹ گئی ہے، اور وہ داخلی اور خارجی دو وجودوں میں بٹ گیا ہے، اس لئے اسے اپنی تسکین کا سامان کہیں نظر نہیں آ رہا، یہ صورت حال امت مسلمہ کے لئے خوش آئند بھی ہے اور ایک چیلنج بھی۔ آج امریکہ اور مغرب میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے۔

(۹۱) مولانا محمد عیسیٰ منصور / مغرب کا سب سے بڑا بحران / مشمولہ پندرہ روزہ الشریعہ، گوجرانوالہ / مدیر

حافظ محمد عمار خان ناصر / ۱۶ فروری ۱۹۹۹ء / ص ۷

آج کے زندہ سائل _____ ۳۳۴ _____ نئے عالمی نظام کی تشکیل

(۹۲) اس لئے ہمارے دودھف ہونے چاہئیں:

- ۱۔ اسلام کی صحیح تصویر غیر مسلموں کے سامنے پیش کر کے انہیں دعوت اسلام دی جائے
- ۲۔ نو مسلموں کی تربیت کے لئے عملی اقدامات کئے جائیں، یہ کام نعرے بازی اور تشہیر کے بغیر مالی جانی اور وقت کی قربانی کا خواہاں ہے، وقت ہماری جانب متوجہ ہے اور ہمارے اقدامات کو دیکھ رہا ہے۔ سو کیا ہم وقت کے اس چیلنج سے عہدہ ابراہونے کے لئے تیار ہیں؟

مسلم ورلڈ آرڈر (muslimworldorder)

اوپر کی جانے والی بحث سے ہمارے لئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں رہا کہ نیو ورلڈ آرڈر کوئی حقیقت نہیں رکھتا، یہ ورلڈ آرڈر نہیں بلکہ دنیا پر امریکی حکمرانی کا ایسا خواب ہے جیسے شرمندہ تعبیر کرنے کے لئے امریکہ پوری کوشش اور تمام تر وسائل صرف کر رہا ہے، لیکن حالات و قرائن یہی بتاتے ہیں کہ ”ہنوز دلی دور است“، اس کے برعکس اسلام نے ایک جامع دستور العمل پیش کیا اور رسول اکرم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مختصر دور حکومت کے دس برس کے دوران اسے روبہ عمل لا کر بھی دکھایا، قرآن حکیم و احادیث نبوی کے قیمتی و پیش بہا اور مستند ذخیرے میں اس ”آرڈر“ کی بہت سی تفصیلات ملتی ہیں، اور ان سب کا خلاصہ حضور اکرم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں پیش فرمادیا، یہ انسانی حقوق کا پہلا عالمی منشور ہے، اور پوری دنیا کے لئے واحد مکمل اور فلاحی دستور، جو ہمہ جہت بھی ہے اور عالمگیر بھی، جو تاریخی اعتبار سے بھی ثابت ہے اور علمی و عملی اعتبار سے بھی ہر طرح کی خامیوں اور کمزوریوں سے منزہ و پاک ہے، اس مسلم ورلڈ آرڈر یا اسلامی عالمی نظام کے چیدہ چیدہ نکات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ نئے عالمی نظام کا آغاز

رسول اللہ ﷺ نے جو نیا نظام پیش کیا اس کا باقاعدہ آغاز حجۃ الوداع سے فرمایا، اس موقع پر آپ نے یہ اعلان فرمایا:

(۹۲) امریکہ میں اسلام کی تازہ ترین صورت حال کے لئے ملاحظہ کیجئے، روز نامہ جنگ کراچی، ۳۰ جنوری ۲۰۰۳ء / اودھت روزہ ضرب مومن، کراچی / ۱۹، ۲۵ جولائی ۲۰۰۲ء، مضمون یا سر محمد خان

آج کے زندہ مسائل

نئے عالمی نظام کی تشکیل

بلاشبہ زمانہ اب اپنی اصلی حالت پر لوٹ آیا ہے، جیسا کہ اس دن تھا، جب اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ (۹۳)

۲۔ سابقہ نظام کی منسوخی

آپ ﷺ نے اس موقع پر جاری سابق نظام کی منسوخی کا بھی اعلان فرمایا آپ نے فرمایا: بلاشبہ جاہلیت کا ہر خون اور مال اور منصب و عہد قیامت تک میرے دونوں پیروں کے نیچے پا مال ہے۔ (۹۴)

۳۔ کتاب و سنت کی بالادستی

اسلام کے عالمی نظام میں کسی انسان کی بالادستی ہے، نہ کسی انسانی شخصیت کی، بلکہ اس میں صرف کتاب و سنت کی بالادستی ہوگی، آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں جسے اگر تم نے مضبوطی سے تھام لیا تو تم کبھی گمراہ نہ ہو گے، وہ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت ہے۔ (۹۵)

۴۔ ختم نبوت

رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت بھی اسلامی عالمی نظام کا حصہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور نہ تمہارے بعد کوئی امت آئے گی۔ (۹۶)

۵۔ مذہبی آزادی

اسلامی نظام میں مذہبی معاملات میں پوری آزادی دی گئی ہے، قرآن حکیم میں فرمایا:

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ

(۹۳) ابن ہشام / السيرة النبوية / دار المعرفة بیروت ۱۹۷۸ء / ج ۴ / ص ۲۳۱۔

(۹۴) مسلم / الصحیح / دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۸ء / ج ۲ ص ۱۳۱، رقم ۱۲۱۸ ابن ہشام / ج ۴ ص

۲۳۱ (۹۵) مسلم / ج ۲ ص ۱۳۱، رقم ۱۲۱۸

(۹۶) ذکر حمید اللہ / الوثائق السياسية / بیروت، دار الفکر ۱۹۷۵ء / خطبہ حجۃ الوداع

آج کے زندہ مسائل ۳۳۶ _____ نے عالمی نظام کی تشکیل
دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں۔ (۹۷)

۶۔ انسانی جان کی حرمت

اس نظام میں ہر انسان کو اس کی جان کی ضمانت دی گئی ہے، قرآن حکم میں ارشاد ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا
قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا

جو کوئی کسی کو مار ڈالے، بغیر کسی جان کے بدلے کے، یا زمین میں فساد
پھیلانے بغیر تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ (۹۸)

۷۔ عالمی امن

اسلامی نظام عالمی امن کا ضامن ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

اے لوگو! بلاشبہ تمہارا خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں قیامت تک
ایک دوسرے پر حرام کر دی گئی ہیں (۹۹)

مزید فرمایا:

خبردار تم ظلم سے بچتے رہنا، خبردار تم ظلم سے بچتے رہنا، تم ظلم سے بچتے
رہنا۔ (۱۰۰)

۸۔ انسانی مساوات

اسلامی عالمی نظام انسانی مساوات کا بھی داعی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تمام بنی نوع انسان آدم کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی سے تخلیق کئے گئے تھے،
اب فضیلت کے سارے دعوے اور جان و مال کے سارے مطالبے
میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔ (۱۰۱)

(۹۷) البقرہ: ۲۵۱ (۹۸) المائدہ: ۳۲ (۹۹) ترمذی / السنن / دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۳ء، ج ۵ ص

۶۰، رقم ۳۰۹۸ ☆ مسلم ج ۲ ص ۱۳۱، رقم ۱۲۱۸ ☆ ابن ماجہ / السنن / دار المعرفہ، بیروت، ۱۹۹۸ء، رقم

۳۰۵۵ (۱۰۰) ترمذی محولہ بالا ☆ ابن ماجہ محولہ بالا (۱۰۱) احمد ذکی صفوت / جمرۃ خطب العرب /

بیروت، المکتبۃ العلمیۃ / ج ۱ ص ۱۵۶ ☆ الجاہظ / البیان والتبيين، دار المکتبۃ الہلال، بیروت / ج ۲ ص ۱۶

آج کے زندہ مسائل ۳۳۷ نئے عالمی نظام کی تشکیل

۹۔ معاشی استحصال کا خاتمہ

یہ نظام ہر انسان کو معاشی و اقتصادی آزادی کی بھی ضمانت دیتا ہے، اور معاشی استحصال کے خاتمے کا داعی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بلاشبہ آج سے ہر قسم کا سود (مکمل سودی معاشی نظام) منسوخ کیا جاتا ہے، سوائے اس المال (اصل سرمائے) کے، تم لین دین کی صورت میں نہ ظلم کرو نہ تم پر ظلم ہوگا۔ (۱۰۲)

۱۰۔ مال کا تحفظ

جان کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام مال کا بھی تحفظ کرتا ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

بلاشبہ تمہارے خون اور اموال اور عزتیں تم پر اس طرح حرام ہیں، جیسے آج کا دن (یوم الحج) اس شہر (حرم مکہ) میں اور اس مہینے (ذی الحجہ) میں حرام ہے۔ (۱۰۳)

۱۱۔ کمزوروں اور ضعیفوں کے حقوق

اسلامی نظام ہر کمزور اور ضعیف کے حقوق کا علم بردار ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ضعیفوں کا خیال رکھو، اور مسلمانوں کو تکلیف مت پہنچاؤ (۱۰۴)

۱۲۔ ملازموں کے حقوق

اسلام ملازموں اور غلاموں کو بھی ان کے حقوق دیتا ہے، اور انہیں اس سے محروم کرنے کی اجازت نہیں دیتا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تم اپنے ماتحتوں اور غلاموں کا خاص خیال رکھو، جو تم کھاتے ہو، وہی انہیں کھلاؤ، اور جو تم پہنتے ہو وہی انہیں پہناؤ۔ (۱۰۵)

(۱۰۲) ترمذی/ ج ۵ ص ۶۰، رقم ۳۰۹۸ / ابوداؤد/ السنن / دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء، ج ۳ ص ۲۰۸، رقم ۳۳۳۳ (۱۰۳) ابن ہشام/ ج ۴ ص ۲۳۱ (۱۰۴) سید فضل الرحمن / خطبہ جیزہ الوداع / زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی ۱۹۹۵ء، ص ۳۵ (۱۰۵) احمد ابن حنبل / المسند / دار احیاء التراث العربی، ۱۹۹۳ء، رقم ۱۵۱۳

آج کے زندہ مسائل ۳۳۸ _____ نے عالمی نظام کی تشکیل

۱۳۔ خواتین کے حقوق

اسلام کے عالمی نظام میں خواتین کو بھی ان کے حقوق دیئے گئے ہیں، بلکہ سب سے پہلے انہیں اسلام ہی نے حقوق سے آشنا کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اے لوگو! بیشک تمہارے کچھ حقوق عورتوں پر واجب ہیں، اور ان کے بھی کچھ حقوق تم پر واجب ہیں سو تم ان سے ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آنا، اور عورتوں کے حقوق کے بارے میں ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہنا۔ (۱۰۶)

۱۴۔ ہر شخص اپنے جرم کا خود ذمہ دار

اسلام اپنے نظام میں یہ شرط بھی عائد کرتا ہے کہ ہر شخص اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہے، بیٹے کے کرنے پر باپ کو اور باپ کے کرنے پر بیٹے کو نہیں پکڑا جائے گا، نہ کسی دوسرے کے جرم کی کسی کو سزا دی جاسکتی ہے، رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

آگاہ ہو جاؤ! کوئی جرم کرنے والا شخص اپنے علاوہ کسی پر جنایت نہیں کرتا، اور کوئی باپ اپنے بیٹے کے جرم کی اور کوئی بیٹا اپنے باپ کے جرم کی سزا نہیں پائے گا۔ (۱۰۷)

۱۵۔ امانت و عہد کی پابندی

اسلام عالمی نظام امانت و دیانت اور عہد و معاہدے کی پابندی کرنے والا معاشرہ قائم کرنے کا داعی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

آگاہ ہو جاؤ! اس شخص کا ایمان ہی کامل نہیں جو امانت و عہد کو، اور اس کا دین سلامت نہیں جو عہد کا پابند نہ ہوگا۔ (۱۰۸)

(۱۰۶) ترمذی، ج ۵ ص ۶۰، رقم ۳۰۹۸ (۱۰۷) ترمذی، ج ۵ ص ۶۰، رقم ۳۰۹۸ (۱۰۸) سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی، المعجم الکبیر، مکتبۃ العلوم و احکام، موصل، ۱۹۷۲، ج ۱ ص ۸۱۳، المستدرک، التریب، ج ۱ ص ۵۵

آج کے زندہ مسائل ۳۳۹ نئے عالمی نظام کی تشکیل

۱۶۔ ہاتھ اور زبان سے تحفظ

یہ نظام ہاتھ اور زبان کی ایذا رسانی سے حفاظت کی بھی ذمہ داری لیتا ہے، نبی اکرم

ﷺ نے فرمایا:

اس شخص کی توبہ قبول ہوگی، جس نے اپنی زبان اور ہاتھوں کی حفاظت

کری۔ (۱۰۹)

مزید فرمایا:

مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ

رہیں۔ (۱۱۰)

۱۷۔ کبیرہ گناہ

اسلام کا نظام نو بڑی غلطیوں کو گناہ کبیرہ قرار دے کر ان سے بچنے کی سختی سے تلقین کرتا ہے

ان میں سے بھی اکثر وہ امور ہیں جو دوسروں سے تعلق رکھتے ہیں، وہ نو چیزیں یہ ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا۔ ۲۔ کسی مؤمن جان کو ناحق قتل کرنا۔ ۳۔ میدان جہاد

سے فرار ہونا۔ ۴۔ پاک و امین عورت پر تہمت لگانا۔ ۵۔ جادو کرنا۔ ۶۔ یتیم کا مال کھانا۔ ۷۔ سود

کھانا۔ ۸۔ مسلمان والدین کی نافرمانی کرنا۔ ۹۔ بیت اللہ کی عزت نہ کرنا، جو تمہارا قبلہ ہے (۱۱۱)

۱۸۔ ازدواجی حقوق

اسلام ہر مرد و عورت کو مساوات کے ساتھ ازدواجی حقوق بھی عطا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے بیویاں

بنائیں، تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو۔ (۱۱۲)

(۱۰۹) سید فضل الرحمن / خطبہ حجۃ الوداع / ص ۲۹ (۱۱۰) مسلم / باب بیان قاضی الاسلام / رقم ۳۹ / ج ۱

(۱۱۱) خطبہ حجۃ الوداع / ص ۳۵ (۱۱۲) المروم، ۲۱

آج کے زندہ مسائل ۳۴۰ نئے عالمی نظام کی تشکیل

۱۹۔ سیاسی حقوق:

اسلامی عالمی نظام سب کو بلا تفریق سیاسی حقوق بھی دیتا ہے، وہ اسلامی مملکت کی حدود میں بسنے والوں کو بلا تفریق سیاسی ولایت کا حق (۱۱۳) سربراہ مقرر کرنے کا حق (۱۱۴) اور بے لاگ انصاف کے حصول کا حق (۱۱۵) بھی دیتا ہے۔ (۱۱۶)

مسلم امہ کے لئے تجاویز

امت مسلمہ کی بقا اور سالمیت کی ضمانت اس بات میں ہے کہ وہ باہم اتحاد و اتفاق کے ساتھ ایک مشترکہ منشور تشکیل دیں اور متفقہ منصوبہ بندی کے ساتھ اپنے تمام معاملات ذمہ دارانہ طریقے سے طے کریں، اس بحث کو سمیٹتے ہوئے اس سلسلے میں چند تجاویز پیش کی جا رہی ہیں، جن کے بارے میں سیرت طیبہ اور تعلیمات نبوی ﷺ سے راہنمائی ملتی ہے۔

☆ سب سے پہلے مسلم امہ باہم اتفاق سے اپنی الگ ”اقوام متحدہ“ تشکیل دے، کیونکہ اقوام متحدہ سے اب مسلمانوں کی بقا کی ضمانت نہیں دی جاسکتی، نہ اپنے اہم مسائل مسلم امت اب اس پر چھوڑ سکتی ہے، او، آئی، سی نے بھی اپنے کردار سے مسلمانوں کو سخت مایوس کیا ہے، اس لئے اب نئے ادارے کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔

☆ متفقہ فوج: مسلم امت کی ایک اتحادی فوج کی تشکیل بھی از حد ضروری ہے، جو نہ صرف وقت پڑنے پر ہر اسلامی ملک کے دفاع کا فریضہ انجام دے سکے بلکہ وہ باہمی مناقشات اور اختلافات حل کرنے کی طاقت بھی رکھتی ہو۔

☆ مسلم امت کا متفقہ مالی نظام بھی ضروری ہے، جو مستحق ممالک کی مدد کرے، مسلمانوں کے مالی وسائل کو جمع کر کے انہیں مسلمانوں کی فلاح و بہبود میں خرچ کرنے کا انتظام

(۱۱۳) الانفال: ۷۲ (۱۱۴) الشوری: ۸۳ (۱۱۵) الشوری: ۱۵

(۱۱۶) خطبہ حجۃ الوداع کی تمام روایتوں کو یکجا ملاحظہ کرنے کے لئے دیکھئے سید فضل الرحمن / خطبہ حجۃ الوداع / زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی ۱۹۹۵ء،

آج کے زندہ مسائل

کرے، مستحق طلباء کے لئے اسکالرشپس کا انتظام کرے، اور غربت و بے روزگاری کے خاتمے کے لئے عملی اقدامات کرے۔

☆ مسلم بنک: ایسا بینک بھی قائم کیا جائے جو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے خالص غیر سودی معیشت کو فروغ دے، اور مسلمانوں کی رقوم کی حفاظت کرے، تمام مسلمان ممالک اپنی رقوم غیر مسلم ممالک سے نکال کر اس میں رکھیں۔

☆ متفقہ خارجہ پالیسی کی تشکیل کی جائے، اور خاص طور پر یہ طے کر لیا جائے کہ کسی مسلمان ملک کے خلاف استعمال نہیں ہوں گے، نہ اس کے خلاف کسی کارروائی میں کسی طور بھی شرکت کریں گے، بلکہ ہر مجبوری میں مسلم ممالک ہی کی مدد و اعانت کریں گے۔

☆ اسلحہ سازی پر زور: تمام مسلم ممالک اپنی تمام صلاحیتوں اور تمام تر وسائل کو بروئے کار لا کر اسلحہ سازی میں مکمل خود کفالت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ تاکہ اس معاملے میں غیر مسلم اقوام و ریاستوں کے دست نگر ہونے سے محفوظ رہ سکیں۔

☆ سائنس و ٹیکنالوجی: سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں بھی خود کفالت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اس مقصد کے لئے جدید تعلیمی ادارے کثرت سے قائم کئے جائیں، تاکہ مسلم افرادی قوت تعلیم کے لئے باہر جانے پر مجبور نہ ہو اور ان کی صلاحیتیں مسلمانوں ہی کے کام آسکیں، اس غرض سے تمام مسلم ممالک متفقہ پالیسی کی تشکیل کریں، مالی اعانت کے لئے مسلم بنک تعاون کرے، اور ہدف یہ مقرر کیا جائے کہ تمام مصنوعات مسلم دنیا اپنی ہی بنائی ہوئی استعمال کرے گی بلکہ ان کے لئے خام مال بھی باہر سے درآمد نہیں کیا جائے گا، نیز جو ملک جس شعبے میں زیادہ دلچسپی رکھتا ہے اسے باقی تمام ممالک سپورٹ کریں۔

☆ میڈیا پالیسی: تمام ممالک کی میڈیا پالیسی ایک ہونی چاہئے، تاکہ مغرب کے پروپیگنڈے اور ثقافتی یلغار سے بچا جاسکے، اور انہیں اسلام کی تبلیغ بھی سہولت سے ہو سکے۔

آج کے زندہ مسائل

☆ اسلام کی دعوت کو غیر مسلموں میں گھر گھر پہنچانے کے لئے مشنری سطح پر کام کیا جائے اور مشنری ادارے قائم کئے جائیں۔

☆ مسلمانوں کا مشترکہ کمیشن اور عالمی عدالت تشکیل دی جائے، جو مسلمانوں کے باہمی مسائل اور بین الاقوامی معاملات کے فیصلے کرے، جس کا فیصلہ سب پر واجب العمل ہو

☆ نیز بین الاقوامی اسلامی لیگل سیل قائم کیا جائے، جو پوری دنیا میں مسلمانوں کے مفادات اور ان کی مختلف تنظیموں کے معاملات کی نگرانی کرے اور ضرورت پڑنے پر عملی اقدامات کرے۔

☆ مسلمان اپنے اپنے علاقائی ملبوسات اور کھانوں کو فروغ دیں، غیر مسلم ثقافت اور تہذیب اپنانے کی حوصلہ شکنی کی جائے، اور اپنی ثقافت، زبان، تہذیب اور تمدن کے اسلامی مظاہر کو فروغ دیا جائے۔

☆ وہ افرادی قوت جو غیر مسلم دنیا میں مصروف عمل ہے، خصوصاً مسلم سائنس دان، اہل علم، اور موجدین، انہیں مسلم دنیا میں واپس لانے کا انتظام کیا جائے، انہیں مراعات و ترغیبات دی جائیں۔ انہیں سہولتیں فراہم کی جائیں، اور انہیں کام کرنے کے بھرپور مواقع دیئے جائیں۔

عضر حاضر ین مذہبی انہما پسندی
کار حجان اور اس کا حاتمہ
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

قومی سیرت النبی ﷺ کا نفر نس ۲۰۰۲ء
وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، اسلام آباد

آج پوری دنیا مختلف انتہاؤں کو چھو رہی ہے، اسی انتہا پسندی نے دنیا کا امن تہہ بالا کر دیا ہے، اور انسانیت اسی کے تسلط کے نیچے دبئی ہوئی سسک رہی ہے، یہ انتہا پسندی مختلف نوعیت کی ہے، عالمی اداروں کا مالی و معاشی تسلط بھی انتہا پسندی ہے، عالمی سطح پر چند ممالک کی سائنس و ٹیکنالوجی پر جبری گرفت بھی انتہا پسندی ہے، چند سرکردہ ممالک کی پوری دنیا پر سیاسی تسلط کی خواہش اور اس سلسلے میں انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیاں کرتے ہوئے پوری دنیا میں اقدامات بھی انتہا پسندی ہی کی مثال ہیں۔

تمہید

اسلام دین رحمت، دین امن و سالمیت اور دین اخوت و مواصلات ہے، اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام داعی عدل و مساوات، پیغمبرِ علم و عفو اور مہربان رحمت و رافت ہیں۔ آپ ﷺ اس کائنات میں آدمی کو انسانیت کا جامہ پہنانے، اس کے اخلاق و عادات کی تہذیب و تربیت کرنے اور اس کے انداز و اطوار کو سجانے و سنوارنے کے لئے مبعوث کئے گئے۔ خود نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

انما بعثت لا تتم صالح الاخلاق (۱)

مجھے تو خاص حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔

انسان کے کردار و انداز کی تراش خراش، تہذیب و ترتیب اور سجانے سنوارنے کے تمام اقدامات اخلاق کا حصہ ہیں، اور ایک کامل انسان وہی ہو سکتا ہے جس کے اخلاق ہر اعتبار سے کامل و مکمل ہوں، انسانی اخلاق کے تمام اہم پہلوؤں کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی واضح ہدایات موجود ہیں، جو اس سلسلے میں ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔

قرآن حکیم بھی آپ کو نبی رحمت قرار دیتا ہے، فرمایا گیا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر ہی مبعوث کیا ہے (۲)

اور خود آپ ﷺ نے اپنے بارے میں فرمایا:

بعثت داعیا و رحمة (۳)

(۱) بیہقی، حافظ نور الدین علی بن ابوبکر (م ۸۰۷ھ) / مجمع الزوائد / بیروت، دار الفکر، ۱۹۹۴ء، ج ۸، ص ۵۷، رقم ۱۳۱۸۸ (۲) الانبیاء: ۱۰۷ (۳) قاضی عیاض / الشفاء بصریف حقوق المصطفیٰ / قاہرہ، مصطفیٰ البابی الخاسی، ۱۹۵۰ء، ج ۱، ص ۶۱، جب غزوہ احد میں آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے اور مسلمانوں کو بھی کافی نقصان اٹھانا پڑا تو بعض صحابہ کرام نے آپ اے عرض کیا کہ آپ مشرکین کا کہنے کے لئے بدعا فرمائیں اس وقت آپ نے فرمایا تھا کہ میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، میں تو داعی حق اور رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں

میں تو داعی حق اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ کی خاص صفات رحمن و رحیم ہیں۔ ان دونوں کا مادہ ایک ہی ہے یعنی رحم، قرآن حکیم کا آغاز بھی سورہ فاتحہ سے ہوتا ہے، جس کے آغاز ہی میں فرمایا گیا:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، رحمن اور رحیم ہے۔ (۴)

اور اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

(پسندیدہ) دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ (۵)

اسلام کا مادہ ہی مسلم ہے جس کے معنی ہیں سلامتی، عافیت اور ہر طرح کی مشکلات، مصائب اور رکاوٹوں سے مکمل برأت۔ (۶)

انسانی فطرت متنوع خیالات، متضاد احساسات اور متفرق جذبات سے مرکب ہے، وہ تضادات جن کا اجتماع خارجی دنیا میں محال نظر آتا ہے، اس کے اندر ہمہ وقت موجود رہتے ہیں، اسے گرم بھی پسند ہے اور سرد بھی، اسے حضارت بھی پسند ہے اور بدویانہ تمدن میں بھی اسے خوبیاں دکھائی دیتی ہیں، وہ خرچ بھی کرتا ہے اور روک رکھنے کا بھی حریص ہے، محبت بھی ٹوٹ کر کرتا ہے اور اس کی نفرت بھی کم شدید نہیں، یہ تمام جذبات نہ صرف اس کے مزاج کا حصہ ہیں بلکہ وقتاً فوقتاً اس کے مختلف اقدامات اور سرگرمیوں پر بھی اثر انداز ہوتے رہتے ہیں، لیکن قرآن اور حدیث متفقہ طور پر اس امر کے قائل ہیں کہ انسان کی فطرت ایک ہے، یہ تمام خارجی اثرات ہیں جو اس کے مزاج کے تگون سے قائمہ اٹھا کر اسے مختلف ٹکڑوں، گروہوں، شاخوں، مسالک، مذاہب اور فرقوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

(۴) الفاتحہ: ۲۱ (۵) آل عمران: ۱۹ (۶) ابن منظور، جمال الدین محمد بن مکرم، ابوالفضل (م ۷۱۷ھ)

اسان العرب، قم، ایران، نشر ادب الجوز، ۱۴۰۵ھ ج ۱۲، ص ۲۸۹۔ مسلم کے معنی میں بہت وسعت ہے، یہ ان معنی کے علاوہ فرمانبرداری، اطاعت، سلام و غیرہ معنی میں بھی آتا ہے، ملاحظہ کیجئے اسان العرب بمعنہ ہوا

آج کے زندہ مثالؑ غریبانہ میں مذہبی انتہا پسندی

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۖ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ

پھر آپ کیسو ہو کر اپنا رخ دین کی طرف رکھئے۔ اللہ کی دی ہوئی فطرت پر جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور اللہ کی بنائی ہوئی (فطرت) میں کوئی تغیر و تبدیل نہیں۔ (۷)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا سمعتم بجبل زال عن مكانه فصدقوا واذا سمعتم برجل تغير عن خلقه فلا تصدقوا به وانه يصير الى ما جبل عليه (۸)
اگر تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے سُٹ گیا ہے تو تم اسے تو جی مان لینا لیکن اگر یہ سنو کہ کوئی آدمی اپنی جنت (سرشت) سے بدل گیا ہے تو اسے قطعاً نہ ماننا، کیونکہ (آخر کار ہر) آدمی اسی طرف لوٹے گا جو اس کی سرشت ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے دوسرے مقام پر فرمایا:

سامن مولود الا يولد على فطرة فابواه يهودانه او ينصرانه و
يمجسانه (۹)

ہر نو مولود تو فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے، اسے تو اس کے والدین یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔

اور دوسری روایت میں ارشاد ہے:

كل مولود يولد على الفطرة حتى يعرب عنه لسانه، فاذا

(۷) الروم: ۳۰ (۸) احمد بن محمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) المسند، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۹۳ء، ج ۷، ص ۵۹۶، رقم ۲۶۹۵۳

(۹) بخاری، محمد بن اسماعیل بن ابی حاتم، ابو عبد اللہ (م ۲۵۶ھ) المسند، بیروت، دار ابن کثیر، ۱۹۸۷ء، ج ۱، ص ۴۵۶، رقم ۱۲۹۲، ابن حبان، محمد بن حبان بن احمد، ابو حاتم ائمی (م ۳۵۴ھ) المسند، بیروت، موسسة الرسالہ، ۱۹۹۳ء، ج ۱، ص ۳۳۶، رقم ۱۲۸

اعرب عنه لسانہ اما شاکراً واما کفوراً (۱۰)

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، یہاں تک کہ اسے زبان مل جائے، پھر جب وہ اپنی بات کہنے کے قابل ہو جاتا ہے تو یا تو وہ شکر گزار بنتا ہے یا ناشکر۔

اور اب تو حیاتیات و بشریات کے ماہرین نے بھی طویل تحقیق کے بعد اس امر کا اعتراف کیا ہے، جو اسلام آج سے چودہ صدی قبل بیان کر چکا ہے کہ بچہ فطرتاً معصوم پیدا ہوتا ہے، اور اس کی فطرت میں دوسرے انسانوں کے ساتھ کسی قسم کا تعصب یا رقابت کے جذبات نہیں ہوتے، یہ تعصبات و احساسات تو بعد میں ماحول اس کے اندر پیدا کرتا ہے، جس کی بنا پر وہ بعض لوگوں کے لئے محبت کے جذبات پیدا کر لیتا ہے اور بعض کے لئے نفرت کے۔ (۱۱)

اسی لئے امام قرطبی فرماتے ہیں :

خلق انسانی جبلت اور فطرت کو کہتے ہیں اور اس کے اعتبار سے انسانوں کے درجات باہم متفاوت ہیں، سو اگر کسی شخص میں کوئی اچھی صفت غالب حالت میں موجود ہے تو یہ اچھی بات ہے اور امر محمود ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو وہ شخص (من جانب اللہ) اس پر مامور ہے کہ وہ مجاہدہ کر کے اس صفت کو اپنے اندر بیدار کرے، اسی طرح اگر یہ صفت موجود تو ہے مگر کمزور ہے تب بھی اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اس صفت کو قوی کرے۔ (۱۲)

انسان کا یہ مزاج دوسروں کے ساتھ اس کے تعلقات، میل جول، معاملات اور روابط میں اس پر اثر انداز ہوتا ہے، اسی سے دوستیاں ہوتی ہیں، تعلقات قائم ہوتے ہیں، برادریاں بنتی ہیں اور اسی کی بنیاد پر اختلافات رونما ہوتے ہیں، جو بڑھتے بڑھتے لڑائی، محاذ آرائی اور مخالفت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

زیر بحث موضوع بھی اسی انسانی مزاج کے تلوں سے براہ راست تعلق رکھتا ہے، آج

(۱۰) احمد/المسند/ج ۴، ص ۳۲۰، رقم ۱۳۳۹۱ (۱۱) Ruch, F.L, Psychology and life

Scott, Foresman Company, New York- P.680 (۱۲) شامی، محمد بن یوسف

الصالحی (۹۴۴ھ) / سبل الہدی والرشاد / بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۳ء، ج ۷، ص ۱۴

آج کے زندہ مسائل

عظیم حاضرین مذہبی انتہا پسندی

پوری دنیا مختلف انتہاؤں کو چھو رہی ہے، اسی انتہا پسندی نے دنیا کا امن تہہ و بالا کر دیا ہے، اور انسانیت اسی کے تسلط کے نیچے دبئی ہوئی سسک رہی ہے، یہ انتہا پسندی مختلف نوعیت کی ہے، عالمی اداروں کا مالی و معاشی تسلط بھی انتہا پسندی ہے، عالمی سطح پر چند ممالک کی سائنس و ٹیکنالوجی پر جبری گرفت بھی انتہا پسندی ہے، چند سرکردہ ممالک کی پوری دنیا پر سیاسی تسلط کی خواہش اور اس سلسلے میں انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیاں کرتے ہوئے پوری دنیا میں اقدامات بھی انتہا پسندی ہی کی مثال ہیں، لیکن سر دست ہمارا موضوع مذہبی انتہا پسندی تک محدود ہے، مذہبی انتہا پسندی کیا ہے؟ بنیاد پرستی اور فرقہ واریت کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ یہ انتہا پسندانہ سرگرمیاں کن کن طبقات فکر کی نمائندگی کرتی ہیں؟ اور کون سے مذہبی گروہ اس میں براہ راست ملوث ہیں؟ نیز انتہا پسندی خواہ ملکی و داخلی نوعیت کی ہو یا بین الاقوامی و بین المذاہب نوعیت کی، ان تمام صورتوں میں اسلام کیا کہتا ہے اور ہادی برحق نبی رحمت ﷺ کی تعلیمات، ہدایات اور آپ کا اپنا تعامل کیا ہے؟ یہ اور اس حوالے سے دوسرے موضوعات کو اس مضمون میں سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔

واللہ الموفق وهو المستعان

انتہا پسندی اور بنیاد پرستی

انتہا پسندی اور بنیاد پرستی مغرب کی جانب سے کی جانے والی تعریف کی رو سے بھی کوئی ایسی چیز نہیں جس کا نام سن کر مسلمان کسی قسم کی شرمندگی یا احساس ندامت محسوس کریں، یہ ایک عالمگیر حقیقت ہے، ایک غیر مسلم مغربی قلم کار کیرن آرم اسٹراٹگ کے بقول:

Fundamentalism is a global fact and has surfaced in every major faith in response to the problems for our modernity. There is fundamentalist judaism fundamentalist buddhism, fundamentalist sikhism and even fundamentalist cunfucianism.

آج کے زندہ مسائل

حضرت امین مذہبی انتہا پسندی

بنیاد پرستی ایک عالمی (گلوبل) حقیقت ہے اور ہماری جدیدیت کے جواب میں ہر بڑے عقیدے میں رونما ہو چکی ہے، بنیاد پرستانہ یہودیت ہے، بنیاد پرستانہ عیسائیت ہے، بنیاد پرستانہ ہندومت ہے، بنیاد پرستانہ بدھ مت ہے، بنیاد پرستانہ سکھ مت ہے اور یہاں تک کہ بنیاد پرستانہ کنفیوشس مت بھی موجود ہے۔ (۱۳)

حقیقت یہ ہے کہ انتہا پسندی اور بنیاد پرستی ایک عالمگیر حقیقت ہے اور ہر طبقہ فکر، ہر مذہب اور ہر علاقے میں موجود ہے، فرق صرف یہ ہے کہ بعض چیزیں میڈیا کے اس دور میں سامنے آ گئی ہیں یا انہیں بعض مقاصد کے تحت سامنے لایا جا رہا ہے، جب کہ بعض دوسری ان سے بڑی حقیقتیں مناسب کوریج نہ ملنے کے سبب پس منظر میں چلی گئی ہیں، اور بد قسمتی سے آج اسلام اس حوالے سے خصوصی ہدف بنا ہوا ہے، جس کے اسباب ہمیں اسلام میں نہیں آج کی مخصوص بین الاقوامی اور عالمی سیاست میں تلاش کرنے ہوں گے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ انتہا پسندی خود اہل مذہب کے ساتھ خاص نہیں، درحقیقت جس طرح یہ انتہا پسندی خدا کو ماننے والے اہل مذہب (آسمانی مذاہب) کے ہاں پائی جاتی ہے، اسی طرح لاد مذہبیت کے دعوے دار اور سیکولر ازم کے علمبردار بھی اس سے بری نہیں، بلکہ بعض صورتوں میں تو وہ اہل مذہب سے زیادہ انتہا پسند نظر آتے ہیں، آخر انہیں بھی تو انتہا پسندی کہا جائے گا جو یہ کہتے ہیں:

خدا کا تصور اپنی افادیت کے آخری مقام پر پہنچ چکا ہے، وہ مزید ترقی نہیں کر سکتا، مافوق الفطرت طاقتیں دراصل مذہب کا بوجھ اٹھانے کے لئے انسانی ذہن نے اختراع کی تھیں، پہلے جادو پیدا ہوا، پھر روحانی تصرفات نے اس کی جگہ لی، پھر دیوتاؤں کا عقیدہ ابھرا اور اس کے بعد ایک خدا کا تصور آیا، اس طرح ارتقائی مراحل سے گزر کر مذہب اپنی آخری حد تک پہنچ کر ختم ہو چکا ہے، کسی وقت یہ خدا ہماری تہذیب کے سروری منروٹے

آج کے زمانہ میں ۳۵۱ عصر حاضر میں مذہبی انتہا پسندی

اور مفید تخیلات تھے، مگر اب جدید ترقی یافتہ عہد میں وہ اپنی ضرورت اور

افادیت کھو چکے ہیں۔ (۱۴)

اور سائنس کا ایک پروفیسر کہتا ہے

سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ مذہب تاریخ کا سب سے زیادہ دردناک

اور سب سے بدترین دھونگ تھا۔ (۱۵)

سیکولر ازم اگرچہ اس دعوے کے ساتھ ابھرا تھا کہ کسی ملک کی اجتماعی پالیسی مذہبی امور میں

عدم مداخلت کی بنیاد پر استوار کی جائے گی، مگر عملاً وہ ایک زبردست مخالف مذہب قوت بن گیا۔ (۱۶)

(ایسے میں کیرن آرم اسٹرانگ کی یہ رائے کس قدر حقیقت پسندانہ اور گھر کی گواہی کی حیثیت رکھتی ہے

مذہب نے ماضی میں ظلم و ستم کیا ہے، تاہم سیکولر ازم نے اپنی مختصر تاریخ

میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ بھی اتنا ہی متشددانہ ہو سکتا ہے، جیسا کہ ہم دیکھ

چکے ہیں، اکثر و بیشتر سیکولر جارحیت اور ایذا رسانی نے ہی مذہبی عدم

رواداری اور نفرت میں اضافہ کیا ہے۔ (۱۷)

دلچسپ بات یہ ہے کہ بنیاد پرستی کی اصطلاح کا باقاعدہ اور پہلی بار آغاز بھی عیسائیت ہی

کی طرف سے کیا گیا، اس اصطلاح کو سب سے پہلے امریکی پروٹسٹنٹوں نے استعمال کیا تھا، بیسویں

صدی کے ابتدائی مشروں میں ان میں سے بعض نے زیادہ لبرل پروٹسٹنٹوں سے ممتاز کرنے کے

لئے اپنے آپ کو بنیاد پرست کہنا شروع کر دیا۔ ان کی رائے میں لبرل پروٹسٹنٹ عیسائی عقیدے کو

مکمل طور پر مسخ کر رہے تھے (۱۸)

QUOTED BY (۱۵) MAN IN THE MODREN WORLD. P.131 (۱۴)

C.A COULSAN. SCIENCE AND CHRISTIAN BELIEF

(۱۶) مولانا وحید الدین خاں، دین انسانیت کراچی، فضلی سنہ پراچین بیت المینہ، ۱۹۹۷ء، ج ۳۰۰

KAREN ARMSTRONG/ ISLAM A SHORT (۱۷)

HISTORY/PHOENIX NON-FICTION HISTORY/ U.K.PP.140

KAREN ARMSTRONG/THE BATTLE FOR GOD/ (۱۸)

HARPER COLLINS PUBLISHERS-U.K. PP.II

انتہا پسندی اور اسلام

دیکھا جائے تو اس وقت صورت حال یہ ہے کہ اسلام خود انتہا پسندی کے نرغے میں ہے، اور مسلمانوں کو مذہبی بنیادوں پر دنیا کے بہت سے ممالک میں بنیادی انسانی حقوق کے حصول میں دشواری اور مشکلات کا سامنا ہے، اور انہیں مختلف حوالوں سے ہراساں کیا جا رہا ہے، یہ صورت حال پوری دنیا میں ہے مگر مغرب کا رویہ خصوصیت سے افسوس ناک اور قابل مذمت ہے، اس اعتبار سے بھی کہ انسانی حقوق رواداری، برداشت، تحمل اور اعتدال پسندی کی جن اعلیٰ و ارفع روایات کا ان کی جانب سے دوسروں خصوصاً مسلمانوں کو درس دیا جا رہا ہے خود ان کے بارے میں اس کے نصف حصے پر بھی عمل ہوتا ہوا نظر نہیں آ رہا، وہ روادار ہیں، لیکن صرف اپنے معاملات میں، وہ اعتدال پسند بھی ہیں مگر محض اپنوں کے لئے، دوسروں کے لئے ان کا رویہ قطعاً وہ نہیں جو ان کا اپنے شہریوں کے ساتھ ہے، اور ان کے اقدامات کے غیر عادلانہ ہونے کے لئے یہی ثبوت کم نہیں۔

انتہا پسندی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کوئی قوم یہ تصور کر لے کہ نہ صرف حق اس کے پاس ہے بلکہ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسے دوسروں پر مسلط کیا جائے اگر مخاطب نہ مانے تو اس پر تشدد کیا جائے اور اس سے بزور منوایا جائے، مذہب کے معاملے میں یہ ذہنیت آپس میں ٹکراؤ بلکہ جنگوں کو جنم دیتی ہے، ایسا کئی بار تاریخ میں ہوا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے۔ (۱۹) اور موجودہ حالات میں پہلے افغانستان اور پھر عراق پر امریکی حملہ اس کی تازہ ترین مثال ہیں۔

اصل حقیقت

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کو اگر بنیاد پرست اور قدامت پسند اس بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ وہ ترقی سے گریزاں ہیں، یا جدید اکتشافات و ایجادات سے خوف زدہ ہیں اور ان سے استفادہ کرنے سے انکار کرتے ہیں، اور قدیم انداز میں ہی رہنا اور زندگی گزارنا پسند کرتے ہیں تو یہ الزام ہر اس الزام ہی ہے اور کچھ حقیقت نہیں رکھتا، مسلمانوں میں ایسا کوئی گروہ، فرقہ یا نولہ

(۱۹) پروفیسر عبدالماجد اسلام اور عصر حاضر کے مسائل کا حل، ماہنامہ، ہزارہ سوسائٹی فار سائنس ریسرچ

۱۳ ایلاگ، ۲۰۰۳ء، ص ۱۳

آج کے زندہ مسائل

موجود نہیں جو اس قسم کے یا اس سے ملتے جلتے نظریات یا خیالات رکھتا ہو، جب کہ اس کے برعکس خود عیسائیوں میں ایسے گروہ موجود ہیں جو محاورات نہیں حقیقتاً آج بھی جنگل کی زندگی کو نہ صرف پسند کرتے ہیں اور اس پر قانع ہیں بلکہ شہری تمدن کی تمام روایات، لوازم اور آسائشیں ان کے لئے ممنوع ہیں، مثال کے طور پر لڑکا سڑکاؤنٹی امریکہ کی ریاست پنسلوینیا میں ہے، یہاں آتش لوگ کثیر تعداد میں آباد ہیں، یہ لوگ بجلی، فون، گیس اور دیگر سائنسی سہولتیں استعمال نہیں کرتے، دستی آلات سے کھیتی باڑی کرتے ہیں، گھوڑا گاڑی کے ذریعے سفر کرتے ہیں اور صدیوں پرانی طرز پر زندگی بسر کرتے ہیں، آتش لوگ تین سو برس قبل جرمنی سے امریکہ جا کر آباد ہوئے تھے، کٹر مذہبی لوگ ہیں، چرچ کی راہ نمائی پر یقین رکھتے ہیں، امریکہ میں رہنے کے باوجود اس کے نظام سیاست میں شریک نہیں ہیں، نہ ووٹ مانگتے ہیں نہ دیتے ہیں، مومن بنی اور لائین کی روشنی میں رہتے ہیں، الہیہ مقامی سطح پر تیار کردہ گیس استعمال کر لیتے ہیں، عورتیں گھریلو زندگی بسر کرتی ہیں، مردوں کے لئے سیاہ لباس، ڈاڑھی اور سر پر ہیٹ پہننا لازمی ہے، فوٹو نہیں کھینچواتے اور نہ ہی گھر میں رکھتے ہیں، فچروں کے ذریعے کھیتی باڑی کرتے ہیں، گھوڑوں والی بگھی ان کا عام ذریعہ سفر ہے، دستی بینڈ پیپ اور ہوائی پنکھوں سے چلنے والے ٹلکے ان کے ہاں پانی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں، وہ صدیوں پرانی رسموں پر سختی کے ساتھ کاربند ہیں، ان کی تعداد امریکہ میں نوے ہزار کے لگ بھگ ہے، یہ چوبیس ریاستوں میں پھیلے ہوئے ہیں، لڑکا سڑکاؤنٹی میں ان کا گاؤں ”انٹرکورس“ کے نام سے معروف ہے۔ (۲۰)

اسلام کا نقطہ نظر

اسلام کی رو سے تو انتہا پسند وہ ہے جو اسلام کی طے کردہ اور تعلیم فرمودہ حدود سے تجاوز کرتا ہے، نہ کہ وہ جو اس کی ہدایت و تعلیمات پر دل و جان سے عمل پیرا ہوتا ہے۔ اصل میں انتہا پسندی، شدت پسندی اور بنیاد پرستی کی اصطلاحات مغرب سے آئی ہیں، اور ان کا موقف یہ ہے کہ ہر وہ مسلمان جو دین پر پوری طرح عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے مظاہر یا شعائر کا

(۲۰) مولانا زاہد الراشدی / ماہنامہ الشریعہ، مدیر: حافظ محمد غفار خان ناصر / دسمبر ۲۰۰۳ء / ص ۴

آج کے زندہ مسائل

عصر حاضر میں مذہبی انتہاپسندی

اہتمام کرتا ہے وہ بنیاد پرست ہے، حالانکہ دین پر اہتمام سے عمل پیرا ہونا اور اس کے احکامات کو کامل طریقے سے بجالانا تو خود خدا کا حکم ہے، قرآن میں فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً (۲۱)

اے ایمان والو! اسلام میں کامل طور پر داخل ہو جاؤ۔

اور کامل طریقے سے دین میں داخل ہونے کا یہی معنی ہے کہ وہ تمام احکامات کو بجالانے کی کوشش کرتا ہے، مغرب کا نقطہ نظر یہ ہے کہ حجاب کی پابندی، نماز روزے کی پابندی، شراب وغیرہ منکرات سے پرہیز، ڈاڑھی وغیرہ کے ساتھ شرعی وضع قطع رکھنا، یہ سب چیزیں بنیاد پرستی ہیں، اگر یہی سب کچھ بنیاد پرستی ہیں تو پھر ان کو چھوڑ کر اسلام کہاں باقی بچتا ہے؟ پھر دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کی کوئی بنیاد نہ ہو، ہر مذہب کی بنیاد ہے، اسلام کی بھی ایک مضبوط بنیاد ہے، اور وہ پانچ چیزیں ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا:

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا

کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہے اور نماز پڑھنا اور زکوٰۃ ادا

کرنا، اور حج ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ (۲۲)

مسلم مفکرین کے خیالات

بنیاد پرستی کے حوالے سے مسلم مفکرین کے خیالات بھی اہم ہیں، تیونس کے جلاوطن رہنما راشد الغنوشی کہتے ہیں:

اسلام سے مغرب کی دشمنی لاعلمی سے ابھری ہے یہ عیسائیت کے برے تجربے

سے بھی پیدا ہوئی ہے جس نے سوچ اور تخلیقیت کا گلا گھونٹ دیا تھا (۲۳)

اور علامہ یوسف قرضاوی کہتے ہیں:

یہ مغرب کے لئے بہتر ہی ہے کہ مسلمان مذہبی ہوں، اپنے مذہب سے

آج کے زندہ مسائل

عنبر حاضرین مذہبی انتہا پسندی

مخلص ہوں اور اچھے اخلاق والے بننے کی کوشش کریں۔ بہت سے مغربی لوگ بھی اپنی زندگیوں میں روحانیت کی عدم موجودگی سے بے آرا می محسوس کر رہے ہیں۔ (۲۴)

مولانا سلیم اللہ خان فرماتے ہیں:

خود مغرب و یورپ کے روحانی پیشوا جس انتہا پسندانہ بنیاد پرستی کا شکار ہیں، اس تناظر میں ہم مسلمانوں پر اپنے دین و مذہب کی تعلیمات پر عمل کے جرم میں بنیاد پرستی کا الزام لگانا ایک مضحکہ خیز پروپیگنڈہ ہے، اس طرز فکر کے خول سے باہر نکل کر وہ اپنے مذہبی پیشواؤں کی انتہا پسندانہ طرز فکر کو بنیاد پرستی کا نام کیوں نہیں دیتے؟ مغرب کی پاپائیت مذہبی تعلیمات سے ذرہ برابر انحراف کرنے والوں کو اپنے دین و مذہب کا باغی اور برگشتہ قرار دیتی ہے، آخر بنیاد پرستی کا نزلہ مسلمانوں پر ہی کیوں گرتا ہے؟ (۲۵)

اور معروف دانشور پروفیسر ڈاکٹر مہدی حسن کہتے ہیں:

کہ اسلامی بنیاد پرستی، اسلام ازم، انقلابی اسلام جیسی اصطلاحات کوئی مفہوم نہیں رکھتی، اسلام کا جو فلسفہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا سوا کردہ ہے، جب کہ ریاست انسان کی بنائی ہوئی ہے، یہ بدل سکتی ہے، لیکن اسلام کا فلسفہ اٹل ہے۔ (۲۶)

اس تفصیل کی روشنی میں بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کا انتہا پسندی، بنیاد پرستی، شدت پسندی یا اس طرح کی دیگر اصطلاحات سے کوئی تعلق نہیں، اسلام ایک ہے اور وہ وہی ہے جو قرآن و سنت سے ثابت ہے، اور اس میں نہ کوئی شخص کمی کر سکتا ہے نہ کسی کو اس میں اضافے کا حق حاصل ہے، اگر اسلامی تعلیمات کے خلاف کسی شخص یا گروہ کا کوئی عمل پایا جائے تو اسے اسلام کی ہدایت کی روشنی میں پرکھا جائے گا، نہ یہ کہ کسی شخص کے عمل پر اسلام کی بنیاد رکھی جائے۔

(۲۴) ایضاً/ ص ۱۵۷ (۲۵) سہ ماہی وفاق المدارس، ملتان، مدیر: ابن الحسن عباسی، شمارہ شوال،

ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ/ ص ۳ (۲۶) روزنامہ جنگ، کراچی، یکم فروری ۲۰۰۴

جہاد اور دہشت گردی

امت مسلمہ کو آج جس مسئلے کا سب سے زیادہ سامنا ہے وہ دہشت گردی کا معاملہ ہے، پوری دنیا میں اس وقت یہ کیفیت ہے کہ ہر مسلمان کو مشکوک نظروں سے دیکھا جا رہا ہے، اور خود اسلام ہی کو (نعوذ باللہ) دہشت گردی کا مذہب قرار دے دیا گیا ہے، اور جو زیادہ مصلحت پسند بننے کی کوشش کرتا ہے وہ بھی اس قدر ضرور کہتا ہے کہ اسلام تو امن و سلامتی کا مذہب ہے مگر بعض مسلمان دہشت گردی میں مبتلا ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خود مسلمان سب سے زیادہ دہشت گردی کا شکار ہیں، پھر اگر کہیں پر مسلمان تنگ آمد جنگ آمد کے مصداق اپنی بقا و سلامتی کے تقاضوں کے تحت جہاد کا علم بلند رکھے ہوئے ہیں تو مغربی قوتیں جارح کو تنبیہ کرنے کی بجائے الٹا مسلمانوں ہی کو مورد الزام ٹھہرا رہی ہیں۔ سب سے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ یہ طے کیا جائے کہ دہشت گرد ہے کون؟ ایک شخص کے نزدیک جو دہشت گرد ہے، وہ دوسرے کے نزدیک، مجاہد حریت ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ۱۹۸۰ء کے عشرے میں جب ڈک چینی جیسے سیاست دان نپلسن منڈیلا کو دہشت گرد قرار دے رہے تھے، اس وقت امریکی حکومت اسامہ بن لادن اور اس کے ساتھیوں کو جنگ آزادی کے سپاہی قرار دے کر ان کی تعریف کر رہی تھی۔ فلسطین کے رہنمایا سر عرفات دہشت گرد تھے اور اب وہ دہشت گرد نہیں۔ آئرلینڈ کی سن فین (Sinn Fein) کے چیری آدمس بھی جنوبی افریقہ کے نپلسن منڈیلا کی طرح دہشت گرد تھے اور اب وہ بڑے عظیم مددگار اور رہنما ہیں۔ کم از کم تین اسرائیلی وزرائے اعظم یا تو خود اپنے اعتراف کے مطابق دہشت گرد تھے یا ان پر دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوث ہونے کا الزام قانونی طور پر لگایا جاسکتا تھا۔

۲۵ اکتوبر ۱۹۸۳ء کو امریکہ کے وزیر داخلہ جارج شلزن نے دہشت گردی پر ایک طویل تقریر کی۔ لیکن اس میں ایک جگہ بھی لفظ دہشت گردی کی وضاحت نہیں کی گئی تھی۔ اس کا خلاصہ یہ تھا:

۱۔ جدید وحشیانہ پن کو دہشت گردی کہتے ہیں۔

۲۔ دہشت گردی دراصل سیاسی تشدد کی ایک شکل ہے۔

۳۔ دہشت گردی مغربی تہذیب کے لئے ایک دھمکی کا نام ہے۔

۴۔ دہشت گردی مغربی اخلاقی اقدار کے لیے ایک خطرہ ہے۔ (۲۷)

غور طلب بات یہ ہے کہ یہ لوگ دہشت گردی کی تعریف بیان نہیں کرتے، اس لئے کہ تعریف بیان کرنے کا مطلب ہے تجزیہ، گرفت یا کسی قسم کی مستقل مزاجی سے وابستگی۔ اور یہ صورت ان کے مقاصد کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔ ویسے بھی اقوام متحدہ میں غیر جانب دار گروہ نے دہشت گردی کی یہ تعریف کی ہے:

وہ پر تشدد کام جو لوگوں کے ایک گروہ سے سرزد ہوتے ہیں، ان کی زندگیوں اور بنیادی آزادی کو خطرے میں ڈالتے ہیں اور ان کے اثرات ایک ریاست تک محدود نہ ہوں، بہر حال اس سے نوآبادیاتی اور نسلی حکومتوں کے تحت ناقابل انتقال حقوق اور اپنے متعلق خود فیصلہ کرنے کا حق متاثر نہیں ہونا چاہئے۔ (۲۸)

جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ کشمیر ہو یا فلسطین اور ماضی کا جنوبی افریقہ ہو یا الجزائر جہاں کہیں بھی بنیادی انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف کوئی تحریک برپا ہوئی وہ نہ دہشت گردی تھی نہ کوئی جرم۔

دہشت گردی کے حوالے سے اسلام کا موقف بالکل واضح ہے، اور دنیا کے مختلف حصوں میں جاری مسلم تحریکوں پر دہشت گردی کی کوئی تعریف صادق نہیں آتی، کیوں کہ اسلام نے فطری تقاضوں کا ہر موقع پر پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔ یہ تمام تحریکیں رد عمل کی تحریکیں ہیں اور رد عمل کا قانون ہمیشہ عمل سے مختلف ہوتا ہے، اور جس بات کی عام حالت میں اجازت نہیں ہوتی، رد عمل کے موقع پر اسے گوارا کر لیا جاتا ہے، کیوں کہ انسانی فطرت کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کے جذبات دونوں مواقع پر یکساں نہیں ہوتے، اسی لئے قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

لَا يَحِبُّ اللَّهُ الْمُجْتَهَرِينَ سَوَاءٌ مِنَ الْعُقُوبِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ

اللہ کو پسند نہیں کہ کوئی شخص کسی کی بری بات کو ظاہر کرے، ہاں مگر جس پر ظلم

دنیا بھر میں جاری اسلامی تحریکات اور عسکری سرگرمیوں کو اسی قانون کی روشنی میں دیکھنا ہوگا، ورنہ ہم حقائق تک کبھی رسائی حاصل نہیں کر سکیں گے۔

اصل میں دہشت گردی اور جہاد کو غلط ملط کر دیا گیا ہے، اگر مطلق اسلحہ اٹھانا ممنوع ہے تو پھر مغربی اقوام دھڑا دھڑا اسلحے کے انبار کیوں لگا رہی ہیں؟ حفاظتی اداروں، ایجنسیز اور ملٹری کے پاس اسلحہ کیوں ہوتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اسلحہ بذات خود برائیں نہیں، پھر اگر اس کا استعمال برا ہے، تو رکھا ہی کیوں جاتا ہے؟ اور اگر رکھا بھی جائے تو استعمال کیوں کیا جاتا ہے؟ آخر خود اقوام متحدہ کی چھتری تلے اسلحہ استعمال ہوا اور ہوتا رہتا ہے؟ ثابت یہی ہوتا ہے کہ نہ اسلحہ رکھنا برا ہے، نہ بنانا، نہ اس کا استعمال کرنا، اصل چیز جو غلط ہے وہ استعمال کا طریقہ کار، وجوہ و اسباب اور اغراض و مقاصد ہیں، اگر یہ درست ہیں تو اسلحے کا استعمال بھی درست ہے اور اگر یہ غلط ہیں تو اسلحہ کا استعمال بھی غلط ہے، آئیے ان نکات کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں کہ اسلام نے جہاد کا جو حکم اور اجازت دی ہے، اس کی شرائط کیا ہیں؟ اور اس کی حدود و قیود کیا ہیں؟

۱۔ اسلام کا مقصد جہاد کی اجازت دینے سے فتنے کا خاتمہ ہے، صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں:

قتال و جہاد کا حکم زبردستی دین قبول کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کا

مقصد زمین سے فتنہ و فساد کا ناپید کر دینا ہے۔ (۳۰)

قرآن حکیم میں فرمایا:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ يَلْدُو

اور تم ان (مشرکین، مشدین) سے لڑو، حتیٰ کہ فتنہ ختم ہو جائے۔ (۳۱)

۲۔ نہ لڑنے والوں کے بارے میں یہی حکم ہے کہ ان سے نہ لڑا جائے۔ قرآن حکیم میں

فرمایا گیا ہے:

(۲۹) النساء: ۱۳۹ (۳۰) قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، حیدر آباد دکن، مجلس اشاعت العلوم، ج ۱،

ص ۳۶۳ (۳۱) البقرہ: ۱۹۳

لَا يَنْفَعُكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَ تُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۗ

اللہ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے نہیں روکتا جو دین کے معاملے میں تم سے نہیں لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ (۳۲)

۳۔ جہاد صرف اللہ کی رضا کے لئے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنگ دو طرح کی ہوتی ہے، لہذا جس نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہی، اپنے امام کی پیروی کی، اپنا قیمتی سرمایہ خرچ کیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ رفیق و ملاطفت سے پیش آیا اور فتنہ و فساد سے بچا تو پھر بے شک اس کا سونا اور جاگنا سب کا رثا ہے، اور جس نے بڑائی دکھانے، اور شہرت کی خاطر جنگ کی اور امام کی نافرمانی کی اور زمین پر فساد برپا کیا وہ ثواب سے محروم رہا۔ (۳۳)

۴۔ اسی لئے اسلام نے دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا کرنے سے بھی منع کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ايها الناس، لا تسمنوا لقاء العدو وسلوا الله العافية (۳۴)

اے لوگو! دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت مانگو۔

۵۔ اور اسی لئے دوران جہاد بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

اللہ کے نام اور اس کی امداد اور رسول خدا کی ملت میں رہتے ہوئے روانہ ہو جاؤ کسی بوڑھے شخص، چھوٹے بچے اور عورت کو قتل نہ کرو، مال غنیمت

(۳۲) المستحذ: ۸ (۳۳) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث جہتانی (م ۲۷۵ھ) / السنن / بیروت،

دار الفکر، ۱۹۹۴ء / ج ۲، ص ۳۵۱، رقم ۲۵۱۵

(۳۴) مسلم بن حجاج ابوالحسین (۲۶۱ھ) / الصحیح / بیروت، دارالکتب العلمیہ، ۹۸ء / ج ۱، ص ۱۶۱، رقم ۴۲۲۱

آج کے زندہ مسائل

عصر حاضر میں مذہبی انتہا پسندی

میں خیانت نہ کرو اور تمام مال غنیمت کو اکٹھا کرو، اصلاح کرو اور احسان

کرو کیوں کہ اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ (۳۵)

۶۔ اسی بنا پر حضرت زہرہ بن الحویہؓ نے جنگ قادسیہ کے موقع پر رستم کے سوالوں کا

جواب دیتے ہوئے اسلام کے نظریہ جہاد کی وضاحت ان الفاظ میں کی تھی:

والله جاء بنا لنخرج من شاء من عبادة العباد الى عبادة الله ومن

ضيق الدنيا الى سعتها ومن جور الاديان الى عدل الاسلام (۳۶)

واللہ ہم اس لئے آئے ہیں کہ لوگوں کو مخلوق کی بندگی سے نکال کر اللہ کی

بندگی کی طرف لگائیں اور انہیں دنیا کی سختی سے اس کی وسعتوں کی طرف اور

باطل ادیان کے جور و ظلم سے نکال کر اسلام کے عدل کی طرف لے آئیں۔

ہمارا مقصد خدا کے بندوں کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر خدا کی پرستش پر لگا دینا ہے، اس

لئے کہ تمام انسان آدم و حوا کی اولاد ہیں اور ایک ماں باپ ہونے کی حیثیت سے وہ سب بھائی بھائی ہیں

ان نکات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کا فلسفہ جہاد مغرب کی سوچ

سے یکسر مختلف ہے اور اگر دلائل کی بات کی جائے تو پھر کوئی ذی فہم شخص اس کی حقانیت سے انکار

نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ انتہا پسندی مذاہب عالم کی تاریخ کا ایک

تکلیف دہ مگر ناگزیر حصہ ہے، جس کے چند مظاہر ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

مذہبی انتہا پسندی اقوام عالم میں

اسلام کی آمد سے قبل دنیا جہاں ان گنت مصائب سے دوچار تھی، وہیں مذہبی شدت

پسندی بھی عروج پر تھی، اور مذہبی آزادی کا کوئی تصور نہ تھا۔ علامہ فرید وجدی کے بقول:

مذہب کے قبول کرنے پر مجبور کرنے میں بے رحمی اس قدر بڑھی ہوئی تھی،

کہ جو لوگ انکار کرتے تھے، وہ بھڑکتی ہوئی آگ کے حوالے کئے جاتے

(۳۵) ابو داؤد/ ج ۲، ص ۳۸۳، رقم ۲۶۱۴ (۳۶) طبری، محمد بن جریر، ابو جعفر (۳۱۰ھ)/ تاریخ

طبری/ بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۷ھ/ ج ۲، ص ۴۰۱

آج کے زندہ مسائل

عضر حاضر میں مذہبی انتہا پسندی

اور پھانسنے والے حیوانات کے آگے ڈال دیے جاتے تھے، یا ان کی دونوں ٹانگیں دو گھوڑوں کے پاؤں میں باندھ کر ان کو مختلف سمتوں میں چھوڑ دیتے تھے، تانبہ گھلا کر ان پر ڈالتے تھے، ان کو مدھم آگ پر کئی کئی روز تک لٹکائے رکھتے تھے اور ان کی شور و فریاد اور آہ و فغاں کی بالکل پرواہ نہیں کرتے تھے، ان کا گوشت کٹ کٹ کر گر جاتا اور چربی پگھل کر بہتی جاتی تھی۔ (۳۷)

آئیے دیکھتے ہیں کہ مختلف حکومتوں اور مذاہب کا ماضی و حال میں اس حوالے سے کیا کردار ہے؟

روما

قبل از اسلام دو اہم حکومتوں میں سے ایک روما کی حکومت ہے، اس کے بارے میں دستیاب تفصیلات یہی بتاتی ہیں کہ وہاں دیگر اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کے علاوہ مذہبی انتہا پسندی بھی عروج پر تھی اور یہ عالم تھا کہ جس کسی شخص کے بارے میں بھی یہ علم ہوتا تھا کہ وہ ان کی قید سے نجات حاصل کرنے کا خواہاں ہے، تو وہ فوراً اس کے بارے میں الحاد و ارتداد کا فتویٰ دے کر اسے آگ میں جلا دیتے تھے، یا اسے ایسے دردناک عذاب میں مبتلا کرتے تھے کہ جس سے جانوروں کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ (۳۸)

پھر رومی سلطنت میں ایک اور فتنہ عروج پر تھا، وہ تھا عیسائوں کا باہمی تصادم، یہ تصادم عیسائیوں کے اس وقت کے دو معروف فرقوں کے مابین تھا، ایک تھے روم و شام کے مکائنی (Malkite) اور دوسرے تھے مصر کے مینوفرائس (Monophysites) ان میں سے پہلے فرقے کے عقائد کو حکومت وقت کی سرپرستی حاصل تھی جس نے اسے بہ جبر پوری ریاست پر مسلط کرنے کی کوشش کی، مخالفین کو سخت ترین سزائیں دیں اور دونوں فرقے ایک دوسرے کو بد دین قرار دیتے رہے۔ (۳۹)

(۳۷) فرید وجدی/ المدنیۃ والاسلام/ مصر/ ص ۱۳۳ (۳۸) ایضاً/ ص ۵۱

(۳۹) ابوالحسن علی ندوی/ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر/ مجلس نشریات اسلام، کراچی/ ص ۳۵

ایران

دوسری جانب اہل ایران نے قوم پرستی کو مذہب کا درجہ دے رکھا تھا، اور یہ قوم پرستی اس انتہا پر تھی کہ وہ خیال کرتے تھے کہ انہیں دنیا کی ہر قوم و نسل پر برتری حاصل ہے، اسی لئے یہ دوسری اقوام کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، اور ان کے لئے ایسے نام تجویز کرتے تھے، جن میں تمسخر اور تضحیک کا انداز نمایاں ہوتا تھا۔ (۴۰)

ہندومت

ہندومت میں مذہب کی بنیاد طبقات پر ہے، اس بنا پر طبقاتی تقسیم اس کے ہاں سب سے زیادہ ہے، لیکن اس کی انتہا پسندی کا یہ عالم ہے کہ برہمن ہی کو سب اختیار حاصل ہیں، اس کے مقابلے میں شودر کا درجہ انسانیت سے بھی کم تر ہے، ہندومت کا مذہبی قانون منو شاستر کے نام سے معروف ہے، جسے منوجی نے مرتب کیا تھا، اس کے چند حصے ملاحظہ کیجئے، تاکہ ہندومت کا یہ انتہا پسندانہ پہلو سامنے آ سکے۔

۱۔ دنیا میں برہمن سب سے افضل ہے، برہمن دھرم کی مورت، نجات کا مستحق، دھرم کے خزانے کا محافظ ہے، دنیا میں جو کچھ ہے سب برہمنوں کے لئے ہے۔ (۴۱)

۲۔ برہمن خواہ عالم ہو یا نہ ہو، بڑا دیوتا ہے اگرچہ برہمن دنیاوی کاموں میں بہت سی غلطیاں کرتا ہے، تاہم ایشور کا جاننے والا ہونے کے سبب پوجنے کے قابل ہے۔ (۴۲)

۳۔ برہمن کا حق ہے کہ وہ غلام شودر سے دولت چھین لے اور شودر اس میں کچھ تامل نہ کرے، اس لئے کہ وہ دولت کچھ اس کی ملکیت نہیں۔ (۴۳)

۴۔ زنا بالجبر کی سزا قطع عضو متاسل ہے، لیکن برہمن کو یہ سزا نہ دینی چاہئے، اس لئے کہ اس کو سزائے جسمانی دینے کی ممانعت ہے۔ (۴۴)

۵۔ جو شودر آواز بلند نام لے کر کہے کہ تو فلاں برہمن سے نیچے ہے تو اس کے منہ میں

(۴۰) ابو الحسن علی ندوی/ص ۴۵ (۴۱) منو شاستر/باب ۹ منتر ۳۱۴ (۴۲) منو شاستر/باب ۹ منتر ۳۱۶

(۴۳) منو شاستر/باب ۸ منتر ۴۱ (۴۴) منو شاستر/باب ۸ منتر ۳۶۴

آج کے زندہ مسائل ۳۶۳ حضرت حاضرین مذہبی انتہا پسندی

بارہ انگل کی آہنی میخ آگ میں سرخ کر کے جلتی ہوئی ڈالنی چاہئے۔ (۴۵)

اس کے علاوہ ہندو مت کی تعلیمات میں دوسرے مذاہب کے بارے میں بھی انتہا پسندی کے رجحانات کافی نمایاں ہیں۔ سوامی دیانند کے الفاظ دیکھئے۔

دھرم کے مخالفوں کو زندہ آگ میں جلا دو، دشمنوں کے کھیتوں کو اجاڑ دو،

گائے، بیل اور لوگوں کو بھوکا مار کر ہلاک کر دو، جس طرح بلی چوہے کو تڑپا

تڑپا کر مارتی ہے، اسی طرح دشمنوں کو تڑپا تڑپا کر ہلاک کرو۔ (۴۶)

اور متحدہ ہندوستان میں جب انگریز کی پشت پناہی میں ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں شروع کیں تو مسلمانوں کے بارے میں ان کے کیا خیالات تھے؟ اور ہندوؤں کو ان کے رہنماؤں کی کیا ہدایات تھیں اس کا اندازہ ڈاکٹر کشوراوبلی رام کی اس رائے سے کیجئے، وہ کہتا ہے:

ہندوستان کا پورا کوچک ہندوؤں کا ہے جو اس میں ہزار ہا سال سے رہتے سہتے

چلے آئے ہیں اور مسلمان دنیا کے اس حصے میں اجنبی اور غیر ملکی ہیں (۴۷)

ہندوؤں کی عدم برداشت کا یہ عالم تھا کہ انہیں مسلمانوں کا اس خطے میں رہنا گوارا ہی نہ تھا، راج کمار اتشھی نے ہندو مسلم اتحاد کا یہ طریقہ کار پیش کیا تھا:

بلاشبہ ہندو مسلم ایکٹا (اتحاد) نہیں ہو سکتی ہے، جب تک سب مسلمان

شدھ ہو کر ہندو نہ ہو جائیں۔ (۴۸)

ہندوستان میں مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے واردہا منصوبہ کے نام سے ایک تعلیمی پروگرام بھی شروع کیا گیا تھا، جس میں ہندوؤں کے علاوہ مسلمانوں کے لئے بھی مہاتما گاندھی کی تصویر کی پوجا لازمی تھی، اردو اسکولوں کے ہیڈ ماسٹروں کو ڈسٹرکٹ امراؤتی کے لوکل بورڈ کی جانب سے یہ حکم جاری ہوا تھا:

(۴۵) منشاستر/باب ۲ منتر ۲۷

(۴۶) چوہدری غلام رسول/مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ/لاہور، علمی کتاب خانہ ۱۹۸۰ء/ص ۱۰۱

(۴۷) منشی عبدالرحمن خاں/تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی/لاہور، ادارہ اسلامیات/ص ۲۴ (۴۸) ایضاً/ص ۲۸

آج کے زندہ مسائل

۳۶۴

عصر حاضر میں مذہبی انسپائسنڈی

صداقت اور عدم تشدد کا تمام عالم کو پیغام دینے والی عظیم المرتبت ہستی
مہاتما گاندھی کی تصویر کی پوجا اور ان کے بلند نظریوں کے متعلق حاضرین
کو نیک ہدایت دی جائے۔ (۴۹)

ہندوؤں کا یہ اچھا عدم تشدد تھا جس میں جبر ایک ایسے مذہب کے ماننے والوں کو پوجا
پاٹ پر مجبور کیا جا رہا تھا، جو بت پرستی کو بخوبی سے اکھاڑنے کا عملی دعویٰ رکھتا ہے۔

عیسائیت

عدم برداشت کے سلسلے میں عیسائیت کی تاریخ ہندوؤں سے کم نفخت آمیز نہیں ہے، ان
کے بارے میں ایک انگریزی نئی کا یہ تبصرہ خاصہ برّحل ہے:

عیسائیت اپنے دور ابتلا میں صلح و آشتی، غفو و درگزر کی تبلیغ کرتی رہی، لیکن
اقتدار حاصل کرنے کے بعد عیسائیوں نے بجائے غفو و درگزر سے کام
لینے کے اپنے مخالفین سے عبرت ناک انتقام لیا، کلیسا کا دستور تھا کہ ہر
مخالفت کو بزورِ شمشیر کچلا جائے گا، غیر مذہب کے لوگوں کے لئے عیسائی
بننے یا موت کے سوا کوئی راستہ نہ تھا، ایک راستہ شدید ایذا کا، دوسرا
ناقابلِ برداشت جسمانی اذیت کا۔ (۵۰)

آنحضرت ﷺ کی بعثت سے کچھ عرصہ قبل ۶۱۰ء میں شہنشاہ فوفا (Phocas) نے
یہودیوں کی سرکوبی کے مشن پر اٹھا کیہ میں اس دور کے معروف فوجی افسر بنوسوس (Bonosus) کو
بھیجا، جس نے پوری یہودی آبادی کا خاتمہ کر دیا اور اس طرح کہ ہزاروں کو تلوار سے پتھروں کو
دریا میں غرق کر کے، آگ میں جلا کر اور درندوں کے سامنے ڈال کر ہلاک کیا۔ (۵۱)

عیسائیت نے اسلام سے قبل یہودیوں کو بھی اپنے جبر کا نشانہ بنایا اور پھر اس کے ۲۰ برس
بعد ۶۳۰ء میں رومی سلطنت کے شہنشاہ ہرقل (Heraclius) نے عیسائی پادریوں اور مذہبی

(۴۹) دیکھئے سید فضل الرحمن/تحریک پاکستان کے فکری محرکات/کراچی، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء/ص ۷۰

Atrur Gilman/The Saracens, London, 1887/P. 184 (۵۰)

(۵۱) انسان دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر/ص ۴

آج کے زندہ مسائل

عضو خاصہ میں مذہبی انتہا پسندی
رہنماؤں کے ایما پر مفتوحین کا اس طرح قتل عام کیا کہ رومی سلطنت میں صرف وہی یہودی باقی بچے
جو ملک چھوڑ کر چلے گئے یا کہیں پہنچے رہنے میں کامیاب ہو گئے۔ (۵۲)

اسی طرح تاریخ ہسپانیہ اور سانچو سقوط غرناطہ کا مطالعہ بھی اس سلسلے میں اہمیت رکھتا ہے،
جہاں عیسائیت کو یورپ کے قلب میں مسلمانوں کا وجود تک برداشت نہ ہوا، حالانکہ مغرب کو اس
امر کا خود اعتراف ہے کہ اس نے علوم و فنون میں ہسپانیہ سے خوب خوشہ چینی کی ہے، معروف مسلم
دانش ور محمد ماراڈیوک پکیتھال کا تبصرہ اس معاملے میں مکمل طور پر مبنی بر حقیقت ہے، وہ کہتے ہیں:

کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ہسپانیہ صقلیہ اور پالیہ میں مسلمانوں کا ایسا قتل عام ہوا
کہ ان ممالک میں مسلمانوں کا نام لیوا بھی باقی نہیں رہا، کیا یہ سچ نہیں ہے
کہ یونان کی ۱۸۲۱ء کی بغاوت میں مسلمانوں کو چن چن کر یوں قتل کیا گیا
کہ ان کا نام و نشان مٹ گیا اور ان کی مسجدوں کی لفظاً و معنایاً اینٹ سے
اینٹ بجادی گئی۔ (۵۳)

عیسائیت کی مذہبی انتہا پسندی کا بیان صلیبی جنگوں کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا، یہ
جنگیں طویل عرصے تک جاری رہیں۔ صلیبی جنگوں کی تاریخ کچھ یوں ہے کہ مسلمانوں کی جانب
سے ساتویں صدی میں شام کو فتح کر لینے کے بعد تین صدیاں صلح و امن سے گزریں، اس کے بعد
ترک حکمرانوں نے ایشیائے کوچک کا سارا علاقہ رومن شہنشاہوں سے لے لیا۔ درحقیقت صلیبی
جنگوں کا یہ اولین محرک تھا شہنشاہ الیکسر (Alexis) یوں تو اپنے مغربی عیسائی بھائیوں سے میل
جول نہیں رکھتا تھا، لیکن اس موقع پر اس نے ان سے تعاون کی درخواست کر دی، اس وقت
اطالویوں نے ایشیائے کوچک اور فلسطین کے ساحل پر اپنی آبادیاں قائم کر رکھی تھیں، انہیں اپنی
مقبوضات کی فکر دامن گیر ہوئی، انہوں نے ایک غیر مسلم مغربی قلم کار کے بقول:
مسلمانوں کے ظلم اور عیسائیوں کی مظلومیت کی داستانیں مشہور کر دیں اور
یوں یورپ میں جوش و اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ (۵۴)

(۵۲) محولہ بالا (۵۳) محمد ماراڈیوک پکیتھال: اسلامی کلچر، اردو ترجمہ پروفیسر محمد ایوب منیر، لاہور، مکتبہ تعمیر
انسانیت، ص ۸۲ (۵۴) ہنڈرک وان لون/نوع انسان کی کہانی/لاہور، ۲۰۰۲ء، ص ۱۶۵

آج کے زندہ مسائل

عصر حاضر میں مذہبی انتہا پسندی

جب انہوں نے ۱۹۹۲ء/ ۱۰۹۹ء میں بیت المقدس کو فتح کیا تو اس وقت ان کے مظالم کی

تصور کشی مشہور انگریز مورخ اسٹینلی لین پول (Stanley lanepoel) نے کی ہے:

صلیبی سپاہی ملک میں اس طرح گھسے جیسے کوئی پرانی لکڑی میں پچر ٹھونکے،

تھوڑی دیر کو یہی معلوم ہونے لگا کہ درخت اسلام کے تنے کو چیر کر اس کی

چھ پٹیاں اڑا دیں گے۔ (۵۵)

عیسائیوں نے اس موقع پر مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ایک اور گواہی دیکھئے:

بیت المقدس میں فاتحانہ داخلے پر صلیبی مجاہدین نے ایسا قتل عام چلایا کہ

بیان کیا جاتا ہے کہ ان صلیبیوں کے گھوڑے جو مسجد عمر سوار ہو کر گئے گھٹنوں

گھٹنوں خون کے چشمے میں ڈوبے ہوئے تھے، بچوں کی ناکلیں پڑ کر ان کو

دیوار سے دے مارا گیا، یا ان کو چکروں سے کرفصیل سے پھینک دیا گیا۔ (۵۶)

پھر عیسائیوں کے سینکڑوں فرقوں کے باہمی تعلقات بھی کوئی رواداری پر مبنی نہیں، اس

پرستی کے ذریعے بھی مذہبی انتہا پسندی کے مظاہر سامنے آتے رہتے ہیں، یاد رہے کہ ان کے یہ

اختلافات ماضی قدیم سے چلے آ رہے ہیں، چنانچہ کچھ عرصے قبل جنوبی امریکہ کی کونسل آف چرچز

نے یہ فیصلہ کیا کہ چلی میں منعقد ہونے والی اسمبلی میں رومن کیتھولک نمائندوں کو نہ بلایا جائے، اس

فیصلے کی وجہ وہاں پروٹسٹنٹوں اور کیتھولک فرقوں کے باہمی اختلافات ہیں، جبکہ دلچسپ بات یہ ہے

کہ اس کونسل کے مقاصد میں اتحاد و اتفاق، مکالمہ اور باہمی تعاون بھی شامل ہے۔ (۵۷)

اسی طرح دوسری جانب پروٹسٹنٹ راہنماؤں نے، جو جنوبی میکسیکو کی ۴۰ فیصد آبادی کی

نمائندگی کرتے ہیں کہا ہے کہ ہم گزشتہ بیس برس سے ظلم و ستم برداشت کر رہے ہیں، اور ہمارے

ہزار ہا خاندانوں کو محض اس بنا پر ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا گیا ہے کہ انہوں نے پروٹسٹنٹ

مسیحیت قبول کر کے مقامی روایات کی تکذیب کی ہے، اور اب وہ مسیحی برادری کا حصہ نہیں رہے،

(۵۵) اسٹینلی لین پول/ سلطان صلاح الدین/ ترجمہ مولوی محمد عنایت اللہ/ ص ۲۱

Encyclopaedia Britannica Col. vi, Art, "Crusades" (۵۶)

(۵۷) ریکارڈ/ لندن/ ۱۶ فروری ۱۹۹۵ء

www.KitaboSunnat.com

آج کے زندہ مسائل

حضرت حاضرین مذہبی انتہا پسندی

صرف یہی نہیں بلکہ ان کے متعدد گرجے بھی ضبط کر لئے گئے ہیں۔ (۵۸)

اہم بات یہ ہے کہ میکسلو میں خود کیتھولک بھی دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں، ان کے

بڑے مذہبی رہنما ایک طرف ہیں اور چھوٹے پادری اور عوام دوسری جانب ہیں۔ (۵۹)

اسی طرح آئر لینڈ میں بھی پروٹسٹنٹ اور کیتھولک عیسائیوں کے مابین آویزش جاری

ہے، چند سال قبل ان میں شدید ہنگامے پھوٹ پڑے، اور یہ جھگڑا کئی ہفتوں تک جاری رہا، اس

دوران پانچ تاریخی گرجے جلا دیئے گئے۔ دونوں فرقوں نے ایک دوسرے کے گھروں کو لوٹا، حتیٰ کہ

مخالف فرقے کے گھر میں دستی بم پھینک کر تین معصوم بچوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ برطانیہ نے فوج

منگوائی، ٹینک، بکتر بند گاڑیاں حرکت میں آئیں اور تب اس طرح حالات کو قابو کیا جا سکا۔ (۶۰)

یہودیت

اگرچہ مذہبی انتہا پسندی سب ہی مذاہب کے ہاں پائی جاتی ہے۔ لیکن یہودیت کے

بارے میں تو کہہ سکتے ہیں کہ ان کی تو پوری تاریخ ہی انتہا پسندی سے پُر ہے اور ہر طرح کی انتہا

پسندی یہودیوں کے مزاج کا حصہ ہے، نہ صرف یہ بلکہ معلوم تاریخ میں ہمیں مذہبی انتہا پسندی کے

بانی بھی یہی نظر آتے ہیں، چنانچہ اس نوع کی انتہا پسندانہ کاروائیوں کا پہلا سراغ سرزمین فلسطین پر

سکری (Sicarii) فرقہ کی جدوجہد ۶۶ء تا ۷۳ء کے دوران ملتا ہے۔ یہ ایک انتہائی منظم مذہبی

گروہ تھا جو فلسطین میں یہودیت کے فروغ کے لئے معرض وجود میں آیا، اس دہشت گردی کے

مختلف طریقے اختیار کئے، اس نے اکثر ایسے مقامات پر حملوں کو فروغ دیا جہاں مجمع ہوتا تھا، اس

گروہ کا مخصوص ہتھیار Sica نامی چھوٹی تلوار تھا جسے وہ اپنے کوٹ کی آستینوں میں چھپا کر رکھتے

تھے۔ یہ قتل عام اس طرح کیا جاتا تھا کہ حملہ آور کی شناخت مشکل ہو جاتی تھی انہوں نے گرجا

گھروں کو تباہ کرنا کیا، لوگوں کے اکٹھا ہونے کی جگہوں کو جلا دیا گیا، قرض داروں کو اس بات پر

آمادہ کر دیا گیا کہ وہ قرضہ واپس نہ کریں۔ (۶۱)

یہودیت کی انتہا پسندی کی داستان جیسا کہ عرض کیا گیا بہت طویل ہے، لہذا اس دست

(۵۸) ایضاً (۵۹) ایضاً (۶۰) ماہنامہ الدعوة، لاہور، اگست ۱۹۹۸ء

(۶۱) انعام الرحمن حری / دہشت گردی / لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز / ص ۱۹

آج کے زندہ مسائل

عصر حاضر میں مذہبی انتہا پسندی

گفتگو کو اسرائیل اور مسئلہ فلسطین تک محدود رکھتے ہوئے اس سلسلے میں یہودیوں کے کردار اور ان کی انتہا پسندانہ سرگرمیوں کی چند جھلکیاں پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ مسئلہ آج کے اہم مسائل میں شمار ہوتا ہے اور یہودی انتہا پسندی کی واضح مثال بھی ہے۔

فلسطین اسرائیل کے قیام سے قبل عرب دنیا کا ایک اہم حصہ تھا، جو شام سے علیحدہ حیثیت رکھتا تھا، اس کی آبادی نوے فیصد عرب تھی۔ (۶۲) لیکن اعلان بالفور کے ساتھ ہی دنیا کے مختلف ممالک سے یہودیوں کا سیلاب فلسطین کی طرف اٹھ پڑا، جس کے نتیجے میں جنگ عظیم اول کے بعد فلسطین میں آباد صرف ۲۶۰۰ یہودی جو مختلف دیہاتوں میں بکھرے ہوئے تھے، دیکھتے ہی دیکھتے ۸۳ ہزار کی ایک منضبط اور خوشحال قوم میں تبدیل ہو گئے، عربوں کی زمین دھڑا دھڑ بکنے لگی اور زمینوں کی کاشت اور منڈیوں سے عرب بے دخل کیے جانے لگے۔ (۶۳) ان اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ فلسطین کی سر زمین خود فلسطینیوں پر ہی تنگ ہو گئی، اور وہ اپنے ہی ملک میں اجنبی بن گئے، آخر کار مئی ۱۹۴۸ء میں انہوں نے علیحدہ یہودی ریاست اسرائیل کے قیام کا باضابطہ اعلان کر دیا، اس وقت سے آج تک ہر آنے والا لمحہ فلسطینیوں کے لئے درد و الم کی منت نئی داستانیں لے کر آ رہا ہے۔ فلسطینیوں پر ظلم و جبر کی داستان ایڈورڈ سعید اس طرح بیان کرتے ہیں:

۱۹۴۸ء کے بعد مملکت اسرائیل نے مقامی عرب آبادی کو خود اپنے انسانی آثار اور نشانات مٹانے کے لئے استعمال کیا، اس کی کوشش یہ تھی کہ انہیں انسانوں کے ایک ایسے طبقے میں تبدیل کر دیا جائے جن کے پاس سوچنے کے لئے اپنا دماغ نہ ہو، جو بمشکل حرکت کر سکیں اور مکمل طور پر مطیع و فرمانبردار رعایا بن جائیں، ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد مغربی کنارے، جولان کی پہاڑیوں، غزہ کی پٹی اور سینائی کے مقبوضہ عرب علاقوں میں سفاکی، شقاوت اور درندگی نے نگاہ ناپا، ایذا رسانی کا کون سا طریقہ تھا جو عربوں کے خلاف نہیں آزمایا گیا، انہیں عقوبت گاہوں میں پابند

(۶۲) چودھری غلام رسول / مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ / لاہور، علمی کتب خانہ / ص ۴۰۵

(۶۳) ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمن، ڈاکٹر محمد دین / مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ / پشاور، تاج کتب خانہ / ص ۲۹۳

آج کے زندہ مسائل

عصر حاضر میں مذہبی انتہا پسندی

سلاسل رکھا گیا، ملک بدر لیا گیا، پورے پورے دیہات کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی، کیمیائی ادویات چھڑائے، درختوں کی ہریالی ختم کر دی گئی، مکانات کو زمین بوس کر دیا گیا، زمینیں ضبط کر لی گئیں، ہزاروں افراد پر مشتمل آبادیوں کی منتقلی عمل میں لائی گئی۔ (۶۴)

یہودی صرف دوسرے مذاہب کے ہارے میں انتہا پسند نہیں، بلکہ وہ اپنے ہم مذہبوں کی بھی فکری آزادی اور اختلاف رائے برداشت نہیں کرتے، مثلاً ایک زمانے میں ان میں ایک فاضل شخص ڈووبر پیدا ہوا، جو عام یہودیوں سے مختلف ذہن رکھتا تھا، یہودیوں نے اسے تسلیم نہیں کیا اور بالآخر یہودیوں کے اس وقت کے ایک راہنما اور اکیڈمی آف وانا کے سربراہ اعلیٰ جاوین سولومن زیلمن (۱۷۲۰ء) نے اسے برادری سے خارج کر دیا، اور ڈووبر کا اسی صدمے سے انتقال ہو گیا۔ (۶۵)

غرض یہ کہ تمام ہی مذہب انتہا پسندانہ جذبات کا شکار ہیں، خود مغرب کا ریکارڈ بھی اس حوالے سے چنداں لائق ستائش نہیں، حال ہی میں فرانس میں طالبات پر اسکولوں میں حجاب پر پابندی کا قصہ اخبارات کی شہ سرخیوں کی زینت بنا رہا ہے، پھر جب برطانیہ میں مسلمانوں نے اپنے بچوں کے لئے الگ اسکولوں کی درخواست کی تو اس پر بھی اکثر غیے کا اظہار کیا گیا۔ حالانکہ یہی لوگ یہودیوں، رومن کیتھولکوں اور کوئیکرز (Quakers) کے لئے علیحدہ اسکولوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتے۔ (۶۶)

فرقہ واریت

اور یہ بات مذکور ہو چکی ہے کہ فرقہ واریت کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا تعلق محض اسلام کے ساتھ ہو، یہ چیز ہر مذہب میں موجود رہی ہے، اور اپوری شدت سے ساتھ م جو رہی ہے، اس میں

(۶۳) ایڈورڈ سعید / مسئلہ فلسطین / ترجمہ اشاید حمید / لاہور، ایڈا برادرز سن ۲۳۱

THE BATTLE FOR GOD/PP.101(۶۵)

ISLAM A SHORT HISTORY PP.150(۶۶)

آج کے زندہ مسائل

عشر حاضرین مذہبی انتہا پسندی

بھی اس سے محفوظ نہیں رہا، اور اس کے اثرات آج تک محسوس کئے جاسکتے ہیں، بلکہ شاید آج اس کی شدت میں مزید اضافہ ہو رہا ہے، لیکن یہ چیز اسلام کے مزاج کے یکسر خلاف ہے، اور اس کی تعلیمات ان چیزوں کا مکمل طور پر ابطال کرتی ہیں۔

درحقیقت مسلمانوں کی فرقہ واریت مذہبی انتہا پسندی کا داخلی رجحان ہے، اس وقت مذہبی انتہا پسندی کے دو بنیادی رجحان اس وقت پوری دنیا میں نظر آ رہے ہیں، ایک داخلی رجحان ہے، جس میں ہر مذہب کے اپنے مختلف مسالک اور فرقوں کے مابین اختلافات شامل ہیں، جب کہ دوسرا خارجی رجحان ہے جسے ہم انتہا پسندی بین المذاہب بھی کہہ سکتے ہیں، اسلام بیک وقت دونوں رجحانات کے خلاف ہے۔

فرقہ واریت میں ہر فرقہ یہ تصور کر لیتا ہے کہ اسے اپنے عقائد یا عزائم دوسروں پر بزور اور بہ جبر مسلط کرنے کا حق ہے اور وہ اس عمل میں پوری طاقت صرف کر دیتا ہے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے تشدد اور قتل و غارت گری سے بھی دریغ نہیں کرتا، وہ اس تعصب میں حق و انصاف کی بجائے اپنے مخصوص گروہ کے مفادات کو اولیت دیتا ہے اور ہر معاملے کو ایک خاص نظر سے دیکھتا ہے، یہ زہر آہستہ آہستہ اپنا اثر دکھاتا ہے اور بالآخر اس قدر تباہ و بربخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے کہ اس سے چھٹکارا پانا سخت مشکل ہو جاتا ہے، اسلام اس کی سنگینی کی وجہ سے اس تصور کی پوری قوت سے سرکوبی کرتا ہے اور اسے کسی صورت بھی سراٹھانے کا موقع دینا گوارا نہیں کرتا۔ اسلام کی تعلیمات اس حوالے سے بالکل واضح ہیں، قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور باہمی تفرقہ مت کرو۔ (۶۷)

قرآن تنہا ہی میں فرمایا گیا:

وَلَا تَقُولُوا إِنَّمَا أَتَيْنَا لِنُكَلِّمَ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا

اور جو تمہارے سامنے اسلام کا اظہار کرے تو اسے یہ نہ کہو کہ تم مسلمان

آج کے زندہ مسائل

۳۷۱

نہیں۔ (۶۸)

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں الحركات نامی ایک علاقے کی طرف حملہ کرنے کے لئے بھیجا، ہم نے صبح سویرے دشمن پر حملہ کیا اور انہیں شکست دی، اسی دوران میں نے ایک شخص کو قابو کر لیا تو اس نے فوراً لا الہ الا اللہ پڑھ لیا لیکن اس کے باوجود میں نے اسے قتل کر دیا۔ جب ہم جنگ کے بعد مدینہ واپس آئے اور آپ ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے اُسے لا الہ الا اللہ کہنے کے باوجود بھی قتل کر دیا؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ وہ تو صرف اپنا بچاؤ کر رہا تھا، لیکن نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: فہلّا شققت عن قلبہ ”تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھ لیا تھا؟“ آپ ﷺ نے اپنی بات کو اتنی مرتبہ دہرایا کہ میں نے یہ آرزو کی کہ کاش آج کے دن سے پہلے میں مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا۔ (۶۹)

اور اللہ کی رسی کی وضاحت جس کا ذکر اوپر قرآن حکیم کی مذکورہ آیت میں آیا ہے، آپ ﷺ نے اپنے ایک خطبے میں فرمائی، آپ نے فرمایا:

من يعيش منكم فسيروا اختلافا كثيرا، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين فتمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة (۷۰)

تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا تو تم میری اور خلفائے راشدین کی سنت پر قائم رہنا، انہیں مضبوطی سے تھام لینا، اور تم

- (۶۸) النساء: ۹۳ (۶۹) ابن ابی شیبہ/المصنف/ریاض مکتبۃ الرشید ۱۴۰۹/ج ۶، ص ۴۸۰، رقم ۳۳۰۹۹
☆ نسائی، احمد بن شعیب ابو عبد الرحمن (م ۳۰۳ھ) / السنن الکبریٰ / بیروت، دار الکتب العلمیہ ۱۹۹۱، ج ۵، ص ۱۷۶، رقم ۸۵۹۳ (۷۰) ابن حبان / ج ۱، ص ۱۷۹، رقم ۵۵۵۵ حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ المستدرک / بیروت، دار الکتب العلمیہ ۱۹۹۰، ج ۱، ص ۱۷۴، رقم ۳۲۹☆ طبرانی، سلیمان بن احمد (م ۳۲۰) / المعجم الکبیر / الموصل، المکتبۃ العلوم والحکم ۱۹۸۳، ج ۱۸، ص ۲۴۹☆ ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوی (م ۲۷۵ھ) / السنن / بیروت، دار المعرفہ ۱۹۹۸، ج ۱، ص ۳۹، رقم ۴۳

آج کے زندہ مسائل

عصر حاضر میں مذہبی انتہاپسندی

بدعات سے سختی کے ساتھ پرہیز کرنا، کیوں کہ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

عليكم بالجماعة واياكم والفرقة (۷۱)

تم پر جماعت کی پیروی لازم ہے اور تفرقے سے بچتے رہنا۔

اسلام اس حوالے سے اس قدر حساس ہے کہ مسلم امت کی اجتماعیت کو نقصان پہنچانے والے ہر سبب کو ختم کرنے کے لئے تلوار تک کو بے نیام کر دینے کی اجازت دے دیتا ہے، (۷۲) اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

فمن اراد ان يفرق امر هذه الامة وهي جميع فاضربوه

بالسيف كائنا من كان (۷۳)

جو شخص اس جماعت کو جب تک کہ وہ متحد ہو، پراگندہ کرنا چاہے تو اسے تلوار پر بکھلو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔

اس فرقہ واریت کو بوا دینے والی چیز باہمی تکفیر کا کھلا بوا دروازہ ہے، حالانکہ یہ امر بے حد

نازک ہے اور حد درجہ احتیاط کا متقاضی، مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جس طرح کسی مسلمان کو کافر کہنا ایک سخت پرخطر معاملہ ہے اسی طرح کافر کو مسلمان کہنا بھی اس سے کم نہیں، کیونکہ حد و کفر و اسلام میں التباس بہر دو صورت لازم آتا ہے، اس لئے علمائے امت نے ہمیشہ ان دونوں معاملوں میں نہایت احتیاط سے کام لیا ہے، امر اول کے متعلق تو یہاں تک تصریحات ہیں کہ اگر کسی شخص سے کوئی کام خلاف شرع صادر ہو جائے اور اس کلام کی مراد میں محاورات کے اعتبار سے چند احتمال ہوں اور سب

(۷۱) احمد/ ج ۶ ص ۵۱۱، رقم ۲۲۶۳۵

(۷۲) قرآن حکیم میں فرمایا گیا وَقْتُلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنُ فِتْنَةً (البقرہ: ۱۹۳)

(۷۳) مسلم/ ج ۳ ص ۲۳۹، رقم ۱۸۵۲ ☆ نسائی/ السنن الکبریٰ/ ج ۲ ص ۲۹۲، رقم ۳۲۸۵

احتمالات میں یہ کلام ایک کفر بنتا ہو لیکن صرف ایک احتمال ضعیف ایسا بھی ہو کہ اگر اس کلام کو اس پر حمل کیا جائے تو معنی کفر نہیں رہتے بلکہ عقائد حقہ کے مطابق ہو جاتے ہیں تو مفتی پر واجب ہے کہ اسی احتمال ضعیف کو اختیار کر کے اس کے مسلمان ہونے کا فتویٰ دے، جب تک کہ خود وہ متکلم اس کی تصریح نہ کرے کہ میری مراد یہ معنی نہیں، اسی طرح اگر کوئی مسلمان کسی ایسے عقیدے کا قائل ہو جائے جو ائمہ اسلام میں سے اکثر لوگوں کے نزدیک کفر ہو لیکن بعض ائمہ اس کے کفر ہونے کے قائل نہ ہوں تو اس کفر مختلف فیہ سے بھی مسلمان پر کفر کا حکم کرنا جائز نہیں۔ (۷۴)

رسول اللہ ﷺ نے اس حوالے سے بھی واضح ہدایات فرمائی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

ثَلَاثٌ مِنْ أَصْلِ الْإِيمَانِ الْكَفُّ عَنْ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

لَا تَكْفُرُهُ بِذَنْبٍ وَلَا تَخْرُجُهُ مِنَ الْإِسْلَامِ بِعَمَلٍ (۷۵)

تین چیزیں اصل ایمان ہیں، ایک یہ کہ جو شخص کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہو اس کے متعلق زبان کو روک رکھنا، نہ کسی گناہ کی وجہ سے اس کی تکفیر کی جائے اور نہ کسی برے عمل کی وجہ سے اسے اسلام سے خارج کیا جائے۔

اسی طرح جو شخص کسی کو کافر کہے، لیکن درحقیقت وہ کافر نہ ہو تو اس کا یہ قول خود اس کی

جانب لوٹ آئے گا، آپ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لَا خِيَةَ يَافِ كَافِرٍ فَقَدْ بَاءَ بِهِ أَحَدُهُمَا (۷۶)

(۷۴) مفتی محمد شفیع / جواہر الفقہ / کراچی، مکتبہ دارالعلوم، ۱۳۹۵ھ، ج ۱، ص ۳۵

(۷۵) ابویعلیٰ، احمد بن علی بن عثمان الموصلی التمیمی (م ۳۰۷ھ) المسند دمشق، دارالمناہون للتراث، ۱۹۸۳ء،

ج ۷، ص ۲۸۷، رقم ۲۳۱۱ ☆ بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین بن علی (م ۴۵۸ھ) / السنن الکبریٰ بیروت،

دارالفکر، ۱۹۹۲ء / ج ۹، ص ۱۵۶، رقم ۱۸۲۱۱ (۷۶) إذا قال الرجل لا خية يافيه يا كافر فقط باو به

احدهما بخاری / ج ۵، ص ۲۲۶۳، رقم ۵۷۵۲ ☆ ترمذی، ابویعلیٰ محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹ھ) / السنن

بیروت، دارالفکر، ۱۹۹۳ء / ج ۴، ص ۲۸۸، رقم ۲۶۴۶ ☆ ابن حبان / ج ۱، ص ۴۸۳، رقم ۲۴۹

☆ ابن حبان کے الفاظ یہ ہیں: ایما رجل قال لا خية كافر فقد باء به احدهما

آج کے زندہ مسائل ۳۷۴

عظیم حاضرین مذہبی انتہا پسندی

جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو کافر کہے تو یہ قول دونوں میں سے کسی ایک پر ضرور پڑے گا۔

اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

لا یرمی رجل رجلاً بالفسوق ولا یرمیہ بالكفر الا ارتدت

علیہ ان لم یکن صاحبہ کذا لک (۷۷)

جب کبھی ایک شخص دوسرے پر فسق یا کفر کی تہمت لگاتا ہے تو وہ تہمت اس پر لوٹ آئے گی اگر وہ شخص جس پر تہمت لگائی گئی تھی درحقیقت کافر یا فاسق نہ ہو

نیز فرمایا:

من دعا رجلاً بالكفر او قال عدو الله وليس کذا لک الا

حار علیہ (۷۸)

جو شخص کسی کو کافر یا دشمن خدا کہے جب کہ وہ شخص ایسا نہ تھا تو یہ قول خود کہنے والے پر آ پڑے گا۔

اسی طرح کسی مومن پر لعنت کرنے کی بھی ممانعت فرمائی گئی، آپ ﷺ نے فرمایا:

ومن لعن مومنًا فهو کقتله ومن قذف مومنًا بالكفر فهو

کقتله (۷۹)

جس نے کسی مومن پر لعنت کی اس نے گویا اسے قتل کیا اور جس نے کسی مومن پر کفر کی تہمت لگائی اس نے گویا اسے قتل کر دیا۔

ان احکامات الہی اور ارشادات نبوت کو پیش نظر رکھ کر فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے:

من قواعد اهل السنة والجماعة ان لا یکفروا احد من اهل

القلبة (۸۰)

(۷۷) بخاری/ ج ۵، ص ۲۲۳۷، رقم ۵۶۹۸، (۷۸) مسلم/ ج ۱، ص ۸۳، رقم ۱۱۱۲، بیہقی/ کبریٰ/ ج ۷، ص ۴۰۳،

رقم ۱۵۱۱۲، (۷۹) بخاری/ ج ۵، ص ۲۲۳۷، رقم ۵۷۰۰، معمر بن راشد/ الجامع/ بیروت، المکتب الاسلامی

۱۴۰۳ھ/ ج ۱، ص ۳۶۲، رقم ۱۹۷۱، المعجم الکبیر/ ج ۳، ص ۷۳، رقم ۱۳۳۰، (۸۰) جواہر الفقہ/ ج ۱، ص ۳۱

اہل سنت والجماعہ کے بنیادی قواعد میں سے ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے
 امام ابوحنیفہؒ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ لا تکفروا اهل القبلة بذنوب (۸۱)
 اور اہل قبلہ سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب فقہانے یہ دیا ہے:
 ان اهل القبلة الذين اتفقوا على ما هو من ضروريات الدين
 كحدوث العالم و حشر الاجساد (۸۲)

اہل قبلہ وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین مثلاً حدوث عالم اور حشر وغیرہ پر متفق ہوں۔

مسئلہ تکفیر میں بحث کو سمیٹتے ہوئے مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے ایک ضابطہ کفر بھی بیان کر دیا ہے، جس سے اس پورے مسئلے کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے، اور اسلام کے ہاں اس حوالے سے جس قدر احتیاط ہے اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے، مفتی صاحب فرماتے ہیں:

اگر کسی خاص شخص یا کسی جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو، خواہ تردد کے اسباب میں علما کا اختلاف ہو، خواہ قرآن کا تعارض ہو یا اصول کا غموس، تو اتلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم لگایا جائے نہ اسلام کا حکم، اول میں تو خود اس کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے اور حکم ثانی میں دوسرے مسلمانوں کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے، پس احکام میں دونوں احتیاطوں کو جمع کیا جائے گا۔ (۸۳)

مسلمانوں میں مختلف مسلک اور فرقوں کا وجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور حکومت سے بھی پہلے سے شروع ہو گیا تھا، آپ کے دور کا سب سے اہم فتنہ خوارج کو قرار دیا جاسکتا ہے، جس پر پوری امت کا اجماع ہے کہ وہ گمراہ فرقہ ہے، مگر اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس کے بارے میں سیارویہ تھا؟ ملاحظہ کیجئے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

كونوا حيث شئتم وبيننا وبينكم ان لا تسفكوا دما و

(۸۱) جواہر الفقہ ج ۱، ص ۳۱۔ آپ ﷺ نے خود فرمایا: لا تکفروا احدا من اهل القبلة بذنوب، مجمع الزوائد ج ۱، ص ۴۹۸، رقم ۴۰۶ (۸۲) ایضاً ص ۳۳ (۸۳) ایضاً ص ۲۳

آج کے زندہ مسائل

۳۷۶

نصیر حاضرین مذہبی انتہا پسندی

لا تَقْطَعُوا سَبِيلًا وَلَا تَظْلِمُوا أَحَدًا (۸۴)

تم جہاں چاہو رہو، ہمارے تمہارے درمیان شرط یہ ہے کہ تم خونریزی اور راہزنی اختیار نہ کرو اور ظلم سے باز رہو۔
اور ایک دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا:

لَا بُدَّ لَكُمْ بِقِتَالِ مَا لَمْ تَحْدُثُوا فِسَادًا (۸۵)

جب تک تم فساد کے مرتکب نہیں ہو گے ہم تمہارے خلاف لڑائی کی ابتدا نہیں کریں گے۔

یہ بات ہمارے پیش نظر رہنی چاہئے کہ خوارج اپنے وقت کا طاقت ور ترین فرقہ تھا، جو علانیہ طور پر اسلامی حکومت کے خلاف رائے رکھتا تھا، اور بڑے شمشیر سے ختم کرنے کا عزم رکھتا تھا، اور ان کے خیالات و عقائد بہت سی باتوں میں مسلمانوں کے یکسر خلاف تھے، اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے از خود ان پر تلوار اٹھانے سے انکار کیا۔

پھر آنحضرت ﷺ نے خود اس امر کی پیش گوئی بھی فرمائی کہ اس امت میں بے شمار بدوہ نہیں کے، جن میں سے راہ حق پر فقط ایک ہی ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا:

بنو اسرائیل کے لوگ بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت کے لوگ بہتر فرقوں میں بٹ جائیں گے، اور ایک کے سوا سب کے سب آگ میں جائیں گے۔ پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ وہ فرقہ کونسا ہے؟
آپ نے فرمایا کہ وہ طریقہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ (۸۶)

اختلاف امت پر شدید وعیدوں اور اتفاق و اتحاد کی اس قدر تاکید ہی کے سبب صحابہ کرام کا عمومی انداز اور معمول یہ تھا کہ ہر طرح کے اختلاف سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما مکہ اور منیٰ میں

(۸۴) اشعرکانی، محمد بن علی (۱۲۵۵ھ) / ذیل الاوطار، بیروت، دار الجیل، ۱۹۷۳ء، ج ۷، ص ۴۹
(۸۵) ایضاً (۸۶) ترمذی / ج ۵، ص ۲۹۱، رقم ۲۶۵۰ / طبرانی / المعجم الصغیر، بیروت، المکتبہ الاسلامی، ۱۹۸۵ء، ج ۲، ص ۲۹، رقم ۷۲۳

آج کے زندہ مسائل

عمر حاضر میں مذہبی انتہا پسندی

قصر نماز پڑھتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی خلافت کے ابتدائی زمانے میں ایسا ہی کیا، اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قصر نہیں کیا بلکہ چار رکعت نماز پڑھی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور اس کو غلط بتایا۔ اس کے بعد وہ اٹھے اور چار رکعت نماز ادا کی، ان سے کہا گیا کہ چار رکعت نماز پر آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور پھر خود بھی آپ نے خلیفہ کی پیروی میں چار رکعت نماز پڑھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ خلاف کرنا اس سے زیادہ برا ہے۔ (۸۷)

یہ تمام روایات، اقوال، واقعات فرقہ واریت اور مسلم امہ کی اجتماعیت کو ختم کرنے والے ہر فعل کی بابت اسلام کا موقف واضح کرنے کے لئے کافی ہیں، ان کا مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ اسلام کے ہاں اس قسم کے کسی فعل، قول اور عمل کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں جس سے مسلم امت کے اتحاد و اتفاق اور اجتماعیت کو کسی بھی نوعیت کا نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو۔

فقہائے امت کی رواداری

ہمارے ہاں بھی اور باہر کی دنیا میں بھی یہ تاثر عام ہے کہ مسلمانوں کے مسالک باہمی اختلاف کو ہوا دینے میں پیش پیش ہیں، اور یہ لوگ انتہا پسندی کا شکار ہیں، درحقیقت ایسا قطعاً نہیں، اور اس حوالے سے اٹھائے جانے والے نکات حقائق سے بالکل کوئی علاقہ نہیں رکھتے۔ فقہائے کرام کے درمیان ہمیشہ سے رواداری کی ایسی کیفیت رہی ہے جس میں رائے کے اختلاف کو کبھی بھی ذاتی یا مسلکی مخاصمت کی بنیاد نہیں بنایا گیا، امام شافعی رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا ہم مالکی المذہب امام کے پیچھے نماز ادا کر سکتے ہیں؟ یہ سن کر امام شافعی رحمہ اللہ نے فوراً جواب دیا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں خود امام مالک رحمہ اللہ کے پیچھے نماز پڑھتا ہوں؟ (۸۸)

ائمہ مجتہدین تو اس معاملے میں اس قدر حساس ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ ہی کا فرمان

(۸۷) بیہقی کبریٰ/ ج ۳، ص ۱۲۳، رقم ۵۲۱۹ ☆ عبدالرزاق بن ہمام، ابوبکر (م ۲۱۱ھ) المصنف

ڈھائی/ المجلس العلمی/ ج ۲، ص ۵۱۶، رقم ۴۲۶۹

(۸۸) عبداللہ بن عبد الرحمن/ الارشاد شرح لمعة الاعتقاد لابن قدامہ/ ریاض، دار الطبیعہ، ص ۳۷۰

آج کے زندہ مسائل عشر حاضرین مذہبی انہما پسندی

مبارک ہے کہ مجتہدین کو آپس میں ایک دوسرے کا تحظ یہ نہیں کرنا چاہئے، یعنی کسی کو یوں نہ کہنا چاہئے کہ تم غلطی پر ہو۔ (۸۹) فقہائے و مجتہدین نے ایک اور واضح اصول یہ بیان فرمایا ہے کہ اہل فتویٰ کے لئے لازمی ہے کہ وہ ہمارے اقوال کو قرآن و سنت کی روشنی میں اچھی طرح پرکھیں، اس کے بعد اپنا فیصلہ فرمائیں، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا ینبغی لمن لم یعرف دلیلہ ان یفتی بکلامی (۹۰)
جو شخص میرے موقف کی دلیل نہ جانتا ہو اس کے لئے مناسب نہیں کہ وہ
میرے قول پر فتویٰ دے۔

اسی طرح امام صاحب کے سب سے معروف شاگرد اور جانشین امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا یحل لاحد ان یفتی بقولنا ما لم یعلم من این قلنا (۹۱)
یہ بات کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ ہمارے قول پر فتویٰ دے، جب
تک اسے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ وہ بات ہم نے کہاں سے کہی ہے۔
جب کہ حاکم اور بیہقی نے امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے، وہ فرماتے تھے:

اذا صح الحدیث فهو مذہبی وفي رواية اذا رأيتم كلامی
یخالف الحدیث فاعملوا بالحدیث واضربوا بکلامی (۹۲)
اگر تمہیں کوئی صحیح حدیث ملے تو وہی میرا مذہب ہے، اور دوسری روایت
میں ہے کہ اگر تم میری بات کو حدیث کے خلاف پاؤ تو حدیث پر عمل کرنا
اور میری بات کو چھوڑ دینا۔

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هذا رای النعمان بن الثابت وهو احسن ما قدرنا علیه فمن

(۸۹) وحدت امت / مفتی محمد شفیع، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۷۵ء / ص ۷۷

(۹۰) شاہ ولی اللہ دہلوی، (م ۱۷۱ھ) / الانصاف / بیروت، دار الفکر، ۱۴۰۲ھ / ص ۱۰۴

(۹۱) الانصاف / ص ۱۰۵ طبعات الحنفیہ / ج ۱، ص ۵۲ (۹۲) الانصاف / ص ۱۰۴

جاء باحسن من قولنا فھو اولی بالصواب (۹۳)

یہ میری یعنی نعمان بن ثابت کی رائے ہے، اور میری طاقت کے مطابق یہی صحیح ہے، لیکن اگر کوئی اور مجتہد میری بہ نسبت بہتر رائے پیش کرے تو وہی زیادہ مناسب ہے۔

اور امام مالک کا قول ہے:

ما من احد الا وهو ماخوذ من کلامہ ومردود علیہ الا رسول اللہ ﷺ (۹۴)

رسول اللہ ﷺ کے سوا ہر شخص کے کلام میں قابل اخذ اور قابل ترک دونوں ہی طرح کی باتیں ہیں۔

اور امام احمد رحمہ اللہ بھی اسی بات کے قائل ہیں، فرماتے ہیں:

لیس لاحد مع اللہ ورسولہ کلام (۹۵)

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات کے ہوتے ہوئے کسی کی بات کی گنجائش نہیں۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مہما قلت من قول او اصلت من اصل فبلغکم عن رسول اللہ ﷺ خلاف ما قلت فالقول ما قالہ ﷺ (۹۶)

میں جو بات بھی کہوں اور جو اصول بھی ٹھہراؤں، جب اس کے خلاف کوئی بات رسول اللہ ﷺ سے مل جائے تو پھر آپ ہی کی بات اصل ہے۔

اور مجتہدین کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ وہ یہ دعویٰ کبھی نہیں کرتے تھے کہ ہمارا موقف سراسر درست ہے، بلکہ وہ اس قدر تحقیق، محنت تلاش و جستجو اور کوشش و کاوش کے بعد بھی اپنی رائے اور موقف کے بارے میں صرف اس قدر کہتے تھے:

مذہبی صواب یحتمل الخطاء و مذہب غیری خطاء

یحتمل الصواب (۹۷)

میری رائے درست ہے لیکن اس میں غلطی کا احتمال ہے اور اس معاملے میں دوسروں کی رائے غلط ہے، لیکن صحیح ہونے کا احتمال رکھتی ہے۔

فقہائے کرام کی رواداری کے یہ مظاہر یقیناً یہ ثابت کرتے ہیں کہ اسلام میں کسی قسم کی نہ بین المذاہب انتہا پسندی پائی جاتی ہے نہ بین الممالک، اس حوالے سے اگر کچھ کارروائیاں نظر بھی آتی ہیں تو وہ مکمل طور پر انفرادی ہیں، اسلام کی تعلیمات کے اس کا کوئی تعلق نہیں، نیز اس نوعیت کی سرگرمیاں ہر مذہب میں اسلام سے بڑھ کر موجود ہیں، اسلام پر اس حوالے سے اعتراضات قطعاً انصاف کے تقاضے پورے نہیں کرتے۔ دوسری جانب ان حضرات کے لئے اس میں راہنمائی موجود ہے جو کسی بھی حوالے سے مسلکی یا فرقہ وارانہ انتہا پسندی کے شکار ہیں، انہیں بھی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنے رویوں کا جائزہ لینا ہوگا اور اپنی اصلاح کرنی ہوگی۔

اسلام کی غیر مسلموں کے ساتھ رواداری

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اسلام محض اپنوں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی مکمل رواداری اور عمدہ تعلقات کا خواہاں اور علمبردار ہے، اس نے کسی بھی معاملے میں ایب کوئی اقدام نہیں کیا جو جانب داری پر مبنی ہو، یا جس کی بنیاد پر یہ دعوٰی کیا جاسکے کہ اسلام غیر مسلموں سے امتیازی رویہ رکھتا ہے، اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ اپنے ہاں بسنے والے تمام غیر مسلموں کی جان و مال، عزت و آبرو اور مذہبی آزادی پر حرف نہ آنے دے اور جس طرح بھی ممکن ہو ان کی نگرانی کرے اور ان میں تحفظ کا احساس پیدا کرے، گو ان کا مذہب حکومت کے مذہب کے خلاف ہے، ایسا کبھی نہ ہو کہ مذہب کا اختلاف ظلم و جبر کا ذریعہ بن جائے اور خدا کے یہ بندے اسلام کے انصاف و مساوات سے محروم رہ جائیں۔ (۹۸) کیوں کہ اسلامی حکومت کا پہلا سبق یہ ہے کہ جس

(۹۷) محمد منی / حول الوحدة الاسلامیہ / مصر، ص ۲۱۱

(۹۸) مولانا محمد ظفر الدین مفتی ندوی / اسلام کا نظام امن / کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۹۹۱ء، ص ۱۳۸

آج کے زندہ مسائل

غیر حاضرین مذہبی انتہا پسندی

طرح اللہ تعالیٰ روئے زمین پر ہر ایک کو بلا تفریق رزق فراہم کرتا ہے، اور ان کو عافیت و سکون سے رہنے کے تمام مواقع عطا کرتا ہے، اسی طرح اسلامی حکومت کا بھی فریضہ ہے کہ وہ تمام اقدامات بلا تفریق کرے، اور کسی کے ساتھ امتیازی سلوک روا نہ رکھے، اور غیر مسلموں کے ساتھ وہی رویہ رکھے جو مسلمانوں کے ساتھ ہونا چاہئے۔

یہ تمام باتیں محض دعویٰ نہیں ہیں، اسلام کی پوری تاریخ عملی طور پر اس کی گواہ ہے۔ اور آپ ﷺ کے اقوال و احادیث اس کی واضح دلیل ہیں، آپ نے غیر مسلم کے ناحق قتل پر شدید ترین وعید بیان کرتے ہوئے فرمایا:

من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة وان ريحها ليوجد من مسيرة اربعين عاما (۹۹)

جو شخص اس غیر مسلم کو قتل کرے گا جس سے معاہدہ ہو چکا ہے وہ جنت کی بو سے بھی محروم رہے گا اور بلاشبہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت تک پہنچتی ہے۔

اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہریوں یعنی ذمیوں اور مسلمانوں کے حقوق بالکل برابر ہیں، ان میں ذرا فرق نہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

انما بذلوا الجزية لئكون دماءهم كدمائنا و اموالهم كاموالنا (۱۰۰)

غیر مسلموں نے جزیہ اسی لئے ادا کیا ہے کہ ان کا خون ہمارے خون کے برابر اور ان کا مال ہمارے مال کے برابر ہو جائے۔

پھر صرف یہی نہیں بلکہ اگر کسی مسلم معاشرے میں ان کی حق تلفی ہوئی تو خود آپ ﷺ روز قیامت ان کی جانب سے استغاثہ فرمائیں گے، فرمان نبوت ہے:

الا من ظلم معاهدا او انتقصه او كلفه فوق طاقته او اخذ منه

(۹۹) بخاری/ ج ۶، ص ۵۳۳، رقم ۲۵۱۶، ابن ماجہ/ ج ۳، ص ۱۸۹، رقم ۲۶۸۶

(۱۰۰) ابن قدامہ، عبد الرحمن بن احمد المقدسی (م ۶۲۰ھ) / المغنی / بیروت، دار الفکر، ۱۳۹۵ھ / ج ۹، ص ۱۸۱

آج کے زندہ مسائل

عصر حاضر میں مذہبی انتہا پسندی

شينا بغير طيب نفس فاننا حبيجه يوم القيامة، (۱۰۱)

سنو! جو کسی معاہدہ پر ظلم کرے گا یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا، یا اسے طاقت سے زیادہ تکلیف دے گا اور یا اس کی کوئی چیز اس کی مرضی کے بغیر لے گا تو میں قیامت کے دن اس کی طرف سے مستغیث بنوں گا۔

ایک اور روایت میں حضرت نافع حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں

نبی اکرم ﷺ نے اس دنیا سے تشریف لے جاتے ہوئے آخری بات جو

فرمائی وہ یہ تھی کہ میں نے جن لوگوں کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کی

ذمہ داری اٹھائی ہے اس کی لاج رکھنا، اس پر آنچ نہ آنے دینا۔ (۱۰۲)

چونکہ ذمیوں کی جان و مال مسلمانوں کی طرح ہے، اس لئے ان کے مسائل قصاص و

دیت میں بھی مسلمانوں کی طرح ہیں۔ چنانچہ عہدی نبوی میں جب ایک مسلمان نے ذمی کو قتل کیا تو،

قاتل کو قصاص میں قتل کر دیا گیا، اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا احق من وفی بدمته (۱۰۳)

میں سب سے زیادہ اس بات کا حق دار ہوں کہ اپنی ذمہ داری کو پورا کروں

ذمیوں سے جزیہ صرف اس صورت میں لیا جاسکتا ہے جب مسلمان ان کا دفاع کرنے کی

پوزیشن میں ہوں، چنانچہ اہل حیرہ سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے معاہدے کا مضمون یہ تھا:

هذا كتاب من خالد بن وليد لصلو بابن نطونا وقومه اني

عهدتكم على الجزية والمنعة فان منعناكم فلنا الجزية والا

فلا حتى نمنعكم (۱۰۴)

یہ مکتوب ہے خالد بن ولید کی طرف سے صلو با بن نطونا اور اس کی قوم کے

(۱۰۱) ابوداؤد/ ج ۳ ص ۱۰۸، رقم ۳۰۵۲

(۱۰۲) ابن کثیر ابوالفداء اسماعیل (م ۷۷۷ھ) / البدایہ والنہایہ / بیروت، مکتبۃ المعارف / ج ۷ ص ۳۲۸

(۱۰۳) الامام محمد بن محمود الباری / العنایۃ شرح الہدایۃ / القاہرہ، التجاریۃ الکبریٰ / ج ۸ ص ۲۵۶

(۱۰۴) ابوجعفر محمد بن جریر الطبری / تاریخ طبری، المطبعتہ الاستقامۃ ۱۹۳۹ء، ج ۴ ص ۱۶

آج کے زندہ مسائل

عظیم حاضرین مذہبی انتہا پسندی

نام، میں تم سے معاہدہ کرتا ہوں جزیہ اور دفاع پر، اگر ہم تمہارا دفاع کریں تو ہم جزیہ لینے کے حقدار ہیں، اور اگر ہم تمہارا دفاع نہ کر سکیں تو ہمیں جزیہ لینے کا حق نہیں پہنچتا، یہاں تک کہ ہم تمہارا دفاع کریں۔

یہی سبب ہے کہ مسلمان جب کبھی خارجی حالات کے سبب غیر مسلم شہریوں کی حفاظت کی ذمہ داری پوری نہ کر سکے تو انہوں نے حاصل کیا ہوا جزیہ واپس لوٹا دیا، کیا اس کی کوئی اور دوسری مثال پیش کی جاسکتی ہے؟ چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ نے ان تمام شہروں کے گورنروں کو لکھا جن سے صلح ہو چکی تھی کہ وہ اپنے اپنے شہروں میں ذمیوں کو خراج و جزیہ کی وصول شدہ رقم واپس کر دیں اور ان سے کہہ دیں کہ ہم تمہاری یہ رقم اس لئے واپس کر رہے ہیں کہ دشمنوں کے ایک بڑے لشکر کی اطلاع ملی ہے، جو ہم سے برسرِ پیکار ہونے والا ہے، اس نازک موقع پر ہم شاید تمہاری حفاظت کی ذمہ داری پوری نہ کر سکیں، کیوں کہ موجودہ صورت حال میں ہم اس کی قدرت نہیں رکھتے لہذا وصول شدہ رقم واپس کر رہے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد کی تو پھر ہم اسی شرط پر رہیں گے جو ہمارے درمیان طے پا چکی ہے۔ (۱۰۵)

مسلمانوں کا غیر مسلموں کے ساتھ یہ رویہ ماضی کا حصہ نہیں، مسلمانوں کا حال بھی اس حوالے سے تابندہ روایات کا حامل ہے، اس کی تازہ ترین مثال روانڈا کی ہے، روانڈا ۱۰۱ سال سے خانہ جنگی کا شکار ہے، اور زبوں حالی سے دوچار ہے۔ وہاں کی دونوں بڑی قوموں ٹوسی (Tutsi) اور ہوتو (Hutu) کے ۱۰ لاکھ سے زیادہ افراد اس خانہ جنگی کا شکار ہو گئے ہیں۔ ملک کی معیشت تباہ ہو گئی ہے، غربت و افلاس کا طوفان پھا ہے اور جہالت اور انتقام کی اس جنگ میں عالم اور جاہل، حکمران اور عوام، فوج اور پولیس، حتیٰ کہ پادری اور مذہبی لیڈر سب ہی شریک ہو گئے اور ایک دوسرے کا سرِ قلم کرنے، مال و دولت لوٹنے اور عزت و عصمت کو تار تار کر دینے کے وحشیانہ کھیل میں شامل ہو گئے۔ (۱۰۶)

(۱۰۵) ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم (م ۱۸۲ھ) کتاب الخراج، بیروت، دار المعرفہ، ص ۱۳۹
(۱۰۶) ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور، مدیر ایچ رفیعہ خورشید احمد، دسمبر ۲۰۰۳ء، ص ۲۶

آج کے زندہ مسائل _____
 غرض حاضرین مذہبی انسانیت ندی
 مظلوم انسانوں کو پناہ دینے کے لئے وقف کردی، چند سال کی اس کوشش کے حیران کن نتائج رونما
 ہوئے اور ہزاروں افراد نے اسلام قبول کیا اور لاکھوں کا تصور اسلام کے بارے میں بالکل بدل گیا۔
 اس طرح مسلمانوں نے اپنے اخلاق اور جذبہ خدمت کے ذریعے اسلام کے لئے بند راستوں کو کھول
 دیا۔ اے ایف پی کی رپورٹ کے مطابق:

جن لوگوں نے مسجدوں میں پناہ لی وہ عام طور پر اس ملیشیا اور فوجیوں سے
 محفوظ رہے جو ٹیسیوں کو تلاش کر کے قتل کر رہے تھے۔ اس کے مقابلے میں
 کلیساؤں کا ریکارڈ افسوس ناک ہے۔ (۱۰۷)

مسلمانوں کے اس حسن عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ آج رواں دواں میں مسلمانوں کی تعداد برابر بڑھ
 رہی ہے، ہر طبقہ ان کی عزت کرتا ہے رواں دواں کے طول و عرض میں مسجدوں کی تعداد روز بروز بڑھ
 رہی ہے جن کے سبز گنبد اور سفید مینار آزادی اور انسانیت کی علامت بن گئے ہیں، رواں دواں کے
 مسلمان غریب ہیں مگر انہیں فخر ہے کہ وہ اپنے معاملات کسی بیرونی امداد کے بغیر اپنے ہی محدود
 وسائل سے چلا رہے ہیں، مسلمان کیونٹی رواداری کا بہترین نمونہ پیش کرتی ہے اور تمام مذاہب اور
 قبائل سے ان کے تعلقات نہایت دوستانہ ہیں۔ (۱۰۸)

اس بحث کا اختتام اہل نجران کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے معاہدے کی اس عبارت پر
 کرتے ہیں:

وجعل لهم ذمة الله وعهده وان لا يفتنوا عن دينهم و

مراتبهم فيه ولا يحشروا ولا يعسروا (۱۰۹)

ان غیر مسلموں کو اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری اور عہد دیا جاتا ہے کہ ان کو نہ تو ان
 کے مذہب سے روکا جائے گا نہ ان کے مرتب گھنائے جائیں گے، نہ ان
 سے فوجی خدمت لی جائے گی اور نہ عسکر لیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی غیر مسلموں سے رواداری ملاحظہ کرنی ہو تو فتح مکہ کا ایک واقعہ ہی کافی

(۱۰۷)۔ روزنامہ دی نیوز، اسلام آباد، ۱۱ نومبر ۲۰۰۳ء، (۱۰۸) ترجمان القرآن، دسمبر ۲۰۰۳ء، ص ۲۷

(۱۰۹) شبلی سیرت النبی ﷺ، ج ۱، ص ۳۰۰

آج کے زندہ مسائل غریبہ حاضرین مذہبی انتہا پسندی

ہے، جب آپ ﷺ نے ان تمام کفار مکہ کو یہ یک جنبش لب یہ کہہ کر آزاد فرما دیا تھا:

لا تشریب علیکم الیوم، اذہبوا فانتم الطلقاء (۱۱۰)

آج تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

یہی وجہ ہے کہ غیر مسلموں نے بھی اسلام کی اس خصوصیت اور غیر مسلموں کے ساتھ نبی اکرم رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و درگزر سے بھرپور رویے کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ گوئیو (Gobineau) کہتا ہے:

اگر ہم مذہبی اصولوں سے سیاسی ضروریات کو الگ کر دیں جنہوں نے مذہب کے نام پر زبان اور ہاتھ سے کام لیا تو کوئی مذہب اسلام کی مثل روادار اور صلح جو نہیں ملے گا جس نے دوسروں کو اس قدر مذہبی آزادی دی ہو بلکہ ان کے دین و ایمان سے کوئی سروکار نہ رکھا ہو، رواداری مسلمانوں کی طبیعت کا ایک محکم خاصہ اور مکمل مذہبی آزادی ان کے مذہب کا دستور العمل رہا ہے۔ (۱۱۱)

فتح مکہ اسلامی نہیں انسانی تاریخ کا ایک اہم ترین واقعہ ہے، جس نے انسانی تاریخ پر بڑے اثرات مرتب کئے۔ ایک یورپی دانشور آرتھر گلیمن (Arthur Gliman) فتح مکہ ہی کے حوالے سے اعتراف حقیقت کرتے ہوئے کہتا ہے:

فتح مکہ کے موقع پر یہ بات آپ ﷺ کے حق میں جائے گی کہ اس وقت جب کہ اہل مکہ کے ماضی کے انتہائی ظالمانہ سلوک پر آپ ﷺ کو جتنا بھی طیش آتا کم تھا اور آپ کے انتقام کی آگ بھڑکانے کے لئے کافی تھا، مگر آپ ﷺ نے اپنے لشکر و سپاہ کو ہر قسم کے خون خرابے سے روکا اور اپنے اللہ کی بندگی اور اطاعت کا مظاہرہ کیا، دوسرے فاتحین کے وحشیانہ

(۱۱۰) پروفیسر ٹی، ڈبلیو، آرسلڈ/ دعوت اسلام/ لاہور، محکمہ اوقاف پنجاب، ۱۹۷۲ء، ص ۳۹۸

Arthur Gliman/ The Saracens, P-184-185, London, 1887 (۱۱۱)

آج کے زندہ مسائل

۳۸۶

عضد حاضرین مذہبی انتہا پسندی

طرز عمل کے مقابلے میں اسے انتہائی درجے کی شرافت اور انسانیت سے تعبیر کیا جائے گا۔ (۱۱۲)

اور بی آلیس رندھاوا ہوشیار پوری آپ رحمہم اللہ کی رحم دلی، شفقت اور قوت برداشت کی داد دیتے ہوئے کہتا ہے:

حضرت محمد ﷺ کو جتنا ستایا گیا اتنا کسی بادی اور پیغمبر کو نہیں ستایا گیا، ایسی حالت میں کیوں نہ محمد صاحب ﷺ کی رحم دلی اور شفقت اور مروت علی الخلوقات کی داد دوں، جنہوں نے خود تو ظلم و ستم کے پہاڑ اپنے سر پر اٹھائے مگر اپنے ستانے والے اور دکھ دینے والوں کو اف تک نہ کہا بلکہ ان کے حق میں دعائیں مانگیں اور طاقت و اقتدار حاصل ہو جانے پر بھی ان سے کوئی انتقام نہیں لیا۔ (۱۱۳)

یہاں ایک لفظ ذمی بار بار استعمال ہوا ہے اس کی وضاحت ضروری ہے کہ یہ لفظ غیر مسلموں کے لئے باعث تحقیر نہیں بلکہ ذمی کا اطلاق اہل ذمہ پر ہوتا ہے اور ذمہ کے معنی ہیں، حق، ذمہ داری، کفالت، عہد اور حرمت وغیرہ، اسلامی قانون کی اصطلاح میں ذمی اس شخص کو کہتے ہیں جس سے حکومتی سطح پر کوئی عہد و پیمان کیا گیا ہو، ایسے شخص کو امان مل جاتی ہے اور اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ وہ ان کے مال و جان اور عزت و آبرو اور شہری حقوق کی نگہداشت کرے اور اسے کسی قسم کی تکلیف، ضرر یا نقصان نہ پہنچنے دے۔ (۱۱۴)

یہ تمام حوالے اس امر کے اثبات کے لئے کافی ہیں کہ اسلام غیر مسلموں خصوصاً اسلامی ریاست میں بسنے والے غیر مسلموں کے حقوق کا جس انداز سے تحفظ کرتا ہے، اس انداز میں کوئی اور مذہب اقدامات کے لئے غالباً تصور بھی نہیں کر سکتا۔

Artur Gilmam/The Saracens, PP-184- 185, London , 1887 (۱۱۲)

(۱۱۳) ماہنامہ مولوی دہلی / ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

(۱۱۴) پروفیسر عبدالقیوم / مقالات / لاہور، مکتبہ السننیہ، ۱۹۹۷ء، ج ۱، ص ۱۰۸ (۱۱۴) حوالہ

مذہبی اعتدال پسندی اور رواداری کے بارے میں

اسلام کے اقدامات

اسلام ہر طرح کی انتہا پسندی کو ختم کرتا اور اعتدال پسندی کو فروغ دیتا ہے، اس نے اس سلسلے میں واضح اور اہم اقدامات کئے ہیں۔ ذیل میں اس حوالے سے اسلام کے چند اہم اقدامات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ مذہبی آزادی

اسلام مذہبی آزادی دیتا ہے، اور ہر طرح کے تشدد، شدت پسندی اور انتہا پسندی کی ممانعت کرتا ہے، اسلام میں اس قدر آزادی ہے کہ وہ مسجد تک میں جو خالصتاً مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے، غیر مسلموں کے قیام و عبادت کو منع نہیں کرتا، علامہ ابو بکر جصاص لکھتے ہیں:

ولم یکن اهل الذمة ممنوعین من هذه المواضع (۱۱۵)

ان مقامات (مساجد) میں ذمی (غیر مسلم شہریوں) کا داخلہ ممنوع نہیں ہے۔

اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد مبارک میں بنی عبد قیس کے وفد اور دیگر

غیر مسلموں کو مسجد میں ٹھہرایا تھا۔ (۱۱۶)

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: ابن جریر سے منقول ہے کہ بنی سالم بن عوف کے ایک

انصاری صحابی مسلمان ہو گئے تھے، مگر ان کے دولڑکے نصرانی تھے، انہوں نے آپ ﷺ سے

پوچھا کہ کیا میں انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور کروں؟ اس پر قرآن حکیم کی یہ آیت لا اکراه فی

الدین (۱۱۷) نازل ہوئی۔ (۱۱۸)

(۱۱۵) ابو بکر جصاص (۳۷۰ھ) احکام القرآن / بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۵ھ، ج ۴، ص

۲۷۹ (۱۱۶) شامی / سبل الہدی والرشاد / ج ۲، ص ۴۱۶ آپ ﷺ نے نہ صرف انہیں مسجد میں ٹھہرایا

تھا، بلکہ انہیں اپنے مذہب کے مطابق مسجد نبوی ہی میں عبادت کرنے کی بھی اجازت دی تھی، چنانچہ انہوں

نے مشرق کی جانب رخ کر کے نماز ادا کی تھی، شامی مجاہد با (۱۱۷) البقرہ: ۲۵۶ (۱۱۸) ابن کثیر الشیخ

۲۔ فکری آزادی

اسلام فکری آزادی کا بھی قائل ہے، اگرچہ یہ آزادی چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے، مگر یہ شرائط بھی انسان کی حریت فکر و اور حریت عمل کو برقرار رکھنے کے لئے ہیں، اسلام اس لئے بھی فکری آزادی کا درس دیتا ہے کہ فکری محدودیت بھی انتہا پسندی کو جنم دیتی ہے، اسلام اس کے مقابل فکری آزادی کی یہ کہہ کر تلقین کرتا ہے، قرآن حکیم میں فرمایا:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ كُلُّهُم جَمِيعًا
أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے سب لوگ ایمان لے آتے سو

کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے کہ وہ ایمان لے آئیں؟ (۱۱۹)

اسلام اس امر کا قائل ہے کہ اچھی بات اور حکمت بھرا کلمہ مومن کی میراث ہے، وہ جو بھی اچھی چیز پائے اسے حاصل کر لے، خواہ اسے وہ کہیں سے بھی حاصل ہو، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الكلمة الحکمة ضالة المؤمن (۱۲۰)

حکمت تو مومن کی گمشدہ میراث ہے۔

امام غزالی نے اس امر کی بہت عمدہ تشریح کی ہے، وہ احیاء علوم الدین میں اپنے طریقہ

کار کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

اچھا فرض کر لو کہ جو باتیں میں نے لکھیں، وہ حکما کی کتابوں کے سوا اور

کہیں نہیں پائی جاتیں، لیکن اگر وہ باتیں معقول ہیں، اور دلائل سے ثابت

ہیں اور قرآن مجید اور حدیث شریف کے خلاف نہیں ہیں تو پھر ان کے

چھوڑنے اور ان سے انکار کرنے کی کیا وجہ ہے، اگر ہم ایسا کرنے پر آئیں

اور تمام سچے باتوں کو رد کر دیا کریں جو پہلے کسی بد عقیدہ کے خیال میں

آج کے زندہ مسائل

عشر حاضرین مذہبی انسٹا پیسندی

گزر ریں تو ہم کو بہت سی سچی اور حق باتوں کو چھوڑ دینا پڑے گا۔ (۱۲۱)

حقیقت یہ ہے کہ ان تمام امور میں مسلمانوں کا شروع ہی سے یہ طریقہ کار رہا ہے کہ خد
ما صفا و دع ما کدر اس لئے انہیں کبھی بھی کسی اچھی بات کے حاصل کرنے میں دشواری پیش
نہیں آئی، نہ کسی قسم کا تعصب ان کی راہ میں حائل ہوا۔

۳۔ وحدت انسانی کا تصور

اسلام نے ہر طرح کی تفریق کے خاتمے کے لئے وحدت انسانی کا تصور دیا ہے۔ وہ کہتا

ہے کہ:

كُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا (۱۲۲)

اے اللہ کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

اس کی تشریح میں علامہ نووی فرماتے ہیں:

تعاملوا و تعاشر و معاملہ الاخوة و معاشرتہم فی المودة

و الرفق و الشفقة و الملاطفة و التعاون فی الخیر و نحو

ذلک مع صفاء القلوب و النصیحة بکل حال (۱۲۳)

اسی طرح اس کا مقصد یہ ہے کہ بے جا انسانی تفریق اور مصنوعی حد بندیاں ختم ہو جائیں۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ (۱۲۴)

ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، تو وہی شخص اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ

محبوب ہوگا جو اس کی عیال کے ساتھ حسن سلوک کرے گا۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

(۱۲۱) الغزالی/ص ۳۰۳، شیلی/ص ۲۵۴ (۱۲۲) احمد/المند/ج ۳، ص ۱۹۶، رقم ۹۷۷

(۱۲۳) نووی، ابوزکریا یحییٰ بن شرف الدین (م ۶۷۶ھ)۔ شرح النووی علی صحیح المسلم، بیروت، دار احیاء

التراث العربی، ۱۳۹۲ھ/ج ۱۶، ص ۱۱۶ (۱۲۴) مسلم

آج کے زندہ مثال ۳۹۰ عنہ حاضرین مذہبی و باپشندی

والناس بنو آدم و خلق الله آدم من التراب (۱۲۵)
تمام انسان آدم کی اولاد ہیں، اور اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔

۴۔ دین میں زبردستی کی ممانعت

اسلام میں زبردستی کرنے اور جبراً کسی کو مسلمان کرنے کی کوئی صورت نہیں، اس لئے کہ اسلام صرف ظاہری اعمال کا نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ قلوب و اذہان کی مکمل فرمانبرداری کا نام ہے، قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ

دین میں زبردستی نہیں۔ (۱۲۶)

۵۔ معبودان باطل کو برا کہنے کی ممانعت

اسلام ہر مسلک و مذہب کا احترام کرتا ہے اور ہر ایک کے احساسات کا مکمل خیال رکھتا ہے۔ اور کسی کو برا بھلا کہنے اور سب و شتم کرنے کی اجازت نہیں دیتا، قرآن حکیم ہی میں ارشاد ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ
عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ

اور تم ان کے معبودوں کو جنہیں وہ خدا کے سوا پکارتے ہیں برا مت کہو،
کیونکہ پھر وہ بغیر سمجھے اللہ کو برا کہنے لگیں گے۔ (۱۲۷)

۶۔ انسانی جان کی اہمیت

انتہا پسندی کی زد براہ راست افرادی قوت پر پڑتی ہے، انسانی افکار بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں اور روزمرہ کے امور بھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ خود انسانی جان کو بھی خطرات لاحق ہوتے ہیں، اسلام کی نظر میں انسانی جان کی بے حد اہمیت ہے، اس بنا پر وہ ان تمام خطرات کا

(۱۲۵) ترمذی/ ج ۵، ص ۱۸۰، رقم ۳۲۸۱، ابوداؤد/ ج ۳، ص ۳۶۷، رقم ۵۱۱۶

ابویعلیٰ/ ج ۱۱، ص ۳۵۳، رقم ۶۵۸۰۔ اس روایت کے الفاظ میں قدرے فرق ہے۔

(۱۲۶) البقرہ: ۲۵۶ (۱۲۷) الانعام: ۱۰۸

آج کے زندہ مسائل ۳۹۱ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپسندیں
سد باب کرتا ہے، قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا
قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ط

جو شخص کسی کو مار ڈالے بغیر کسی جان کے بدلے کے یا زمین پر فساد
پھیلانے کے بغیر تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ (۱۲۸)

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ط

اس جان کو قتل نہ کرو جس کا خون اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے
ساتھ۔ (۱۲۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو خانہ کعبہ کا طواف
کرتے دیکھا اور یہ فرماتے سنا:

ما اطييك واطيب ريحك ما اعظمك واعظم حرمتك
والذى نفس محمد بيده لحرمة المومن اعظم عند الله
حرمة منك ماله ودمه وان يظن به الا خيرا (۱۳۰)
تو کتنا پاکیزہ ہے اور تیری خوشبو کتنی پیاری ہے تو کتنا عظیم المرتبہ ہے، لیکن
قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے مومن کی جان و
مال کی حرمت اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ ہے، اس لئے ہمیں مومن کے
ساتھ نیک گمان رکھنا چاہئے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا:

الا ان احرم الايام يومكم هذا الا وان احرم الشهور شهرکم
هذا الا وان احرم البلد بلدکم هذا الا وان دماءکم و

(۱۲۸) المائدہ: ۳۲ (۱۲۹) الانعام: ۱۵۱ (۱۳۰) سیوطی، عبدالرحمن بن کمال جلال الدین (م ۹۱۱ھ)۔

الذرا المثور/ بیروت، دار الفکر، ۱۹۹۳ء، ج ۷، ص ۵۶۵

اموالکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم هذا فی شہرکم هذا فی بلدکم هذا (۱۳۱)

خبردار تمام دنوں میں سب سے زیادہ حرمت والا دن یہ ہے، تمام مہینوں میں سب سے زیادہ ذی شرف مہینہ یہ ہے، اور تمام شہروں میں سب سے زیادہ افضل شہر یہ ہے، خبردار تمہاری جان تمہارے مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح اس شہر اس مہینہ اور اس دن کی حرمت ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

لزوَال الدنیا اھون علی اللہ من قتل مو من بغیر حق (۱۳۲)
اللہ کے نزدیک دنیا کا ختم ہو جانا ایک مسلمان کے ظلماً قتل سے زیادہ سہل ہے
اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اول ما یقضی بین الناس یوم القیمۃ فی الدماء (۱۳۳)

قیامت کے روز لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خونوں کا فیصلہ کیا جائے گا

۷۔ ظلم کی ممانعت

انتہا پسندی خواہ کسی نوعیت کی ہو، اس کا انجام ظلم و جبر ہوتا ہے، پھر ظلم کے نقصانات اس سے بھی کہیں زیادہ اور کثیر الجہت ہیں، اس لئے اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے، قرآن حکیم میں فرمایا:

وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ۝

اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ (۱۳۴)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات یوم القیامۃ (۱۳۵)

(۱۳۱) ابن ہشام، (م ۲۱۳ھ) / السیرۃ النبویہ / بیروت، دار المعرفہ، ۱۹۷۸ء / ج ۴، ص ۲۳۱

(۱۳۲) ابن ماجہ / ج ۶، ص ۴۶ (۱۳۳) نسائی / السنن المجتبی / باب تعظیم الدم / ج ۳، ص ۱۶۶، رقم ۲۶۱۹

(۱۳۴) الحج ۱: ۷ (۱۳۵) مسلم / ج ۴، ص ۱۷۸، رقم ۲۵۷۸

آج کے زندہ مسائل ۳۹۳
 غلام سے بچو، کیونکہ ظلم روز قیامت اندھیروں کی صورت میں ہوگا۔

۸۔ دین میں غلو کی ممانعت

دین کے معاملے میں غلو اور حد سے تجاوز کرنا بھی ناپسندیدہ ہے، قرآن کریم میں فرمایا گیا
 لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ

تم اپنے دین کے معاملے میں غلو نہ کرو۔ (۱۳۶)

یہاں غلو سے مراد حد سے تجاوز کرنا ہے (۱۳۷) اس غلو کا نتیجہ بھی شدت پسندی اور انتہا پسندی کی صورت میں نکلتا ہے، اور جو لوگ غلو سے دو چار ہو جاتے ہیں وہ پھر اعتدال سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس لئے اس سے بھی شریعت نے منع فرمایا۔ حدیث میں فرمایا گیا:

ایاکم والغلو فی الدین فانما ہلک من کان قبلکم بالغلو فی الدین (۱۳۸)

تم دین میں غلو سے بچو، کیونکہ، پچھلی امتیں دین میں غلو کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں۔

۹۔ شدت سے بچنے کی تاکید

شدت پسندی خواہ کسی معاملے میں ہو، انسان کو نقصان پہنچاتی ہے، اس لئے اسلام نے دین کے معاملے میں بھی اس سے بچنے کی تاکید کی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تشددوا علی انفسکم فیشدد علیکم فان قوما شددوا علی انفسهم فشدد اللہ علیہم، فتلک بقایاہم فی الصوامع والدیار (۱۳۹)

تم اپنے آپ پر سختی نہ کرو ورنہ تمہارے اوپر سختی کی جائے گی، کیونکہ ایک قوم نے اپنے آپ پر سختی کی، پھر اللہ نے بھی ان پر سختی کی، تو انہی لوگوں کے

(۱۳۶) النساء: ۱۷۱ (۱۳۷) جلالین/ص ۳۳ (۱۳۸) احمد/ج ۱، ص ۲۱۵

(۱۳۹) ابوداؤد/ج ۳، ص ۲۹۹، رقم ۴۹۰۴

آج کے زندہ مسائل ۳۹۴

عزیز حاضرین مذہبی انتہا پسندی

باقیات ہیں جو گرجوں اور خانقاہوں میں نظر آتی ہیں۔

۱۰۔ طبقاتی کشمکش کا خاتمہ

طبقاتی کشمکش بھی بسا اوقات انتہا پسندانہ جذبات کی ترویج و فروغ کا سبب بن جاتی ہے۔

اس لئے اسلام اس کا بھی انسداد کرتا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

ألا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا

لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر (۱۴۰)

خبردار کسی عربی کو عجمی پر کسی عجمی کو عربی پر اور کسی سرخ کو کالے پر اور کسی

کالے کو سرخ پر کچھ فضیلت حاصل نہیں، فضیلت کا مدار تو صرف تقویٰ ہے

۱۱۔ اعتدال کی تلقین

اسلام ہر معاملے میں راہ اعتدال اپنانے کی تلقین کرتا ہے، اور راہ اعتدال پر گامزن

ہونے والا شخص کبھی بھی کسی بھی معاملے میں انتہا پسندانہ جذبات کا شکار نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا:

ما احسن القصد فی الغنی ما احسن القصد فی الفقر ما

احسن القصد فی العبادۃ (۱۴۱)

کیا ہی اچھی ہے میانہ روی دولت مندی میں، کیا ہی اچھی ہے میانہ روی

مفلسی میں، کیا ہی اچھی ہے میانہ روی عبادت میں۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا:

القصد القصد تبلغوا (۱۴۲)

• میانہ روی، میانہ روی اختیار کرو، تم منزل پر پہنچ جاؤ گے۔

خود آپ ﷺ کے طرز عمل کے بارے میں ایک صحابی گواہی دیتے ہیں:

(۱۴۰) احمد ج ۶ ص ۵۷، رقم ۲۲۹۷ (۱۴۱) تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۲۶

(۱۴۲) بخاری ج ۳ ص ۸۷، تہذیب ج ۴ ص ۱۰۴، رقم ۵۸۳۵

آج کے زندہ مثال ۳۹۵

غیر حاضرین مذہبی انتہا پسندی

کانت صلاحہ قصدا و خطبہ قصداً (۱۴۳)

آپ کی نماز معتدل ہوتی تھی اور آپ کا خطبہ بھی معتدل ہوتا تھا۔

ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

خیر الامور اوسطها (۱۴۴)

بہترین عمل میانہ روی والا ہے۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، فرمایا:

علیکم بالوسط الاوسط (۱۴۵)

تم پر لازم ہے کہ درمیانہ راستہ اختیار کرو۔

۱۲۔ صبر کی تاکید

انسان جب غیر متوازن جذبات کا شکار ہوتا ہے تو اس کے لئے صبر و استقامت سے کام لینا مشکل ہو جاتا ہے، اسی طرح جب تک وہ صبر و ثبات سے کام لیتا رہتا ہے، وہ راہ اعتدال پر گامزن رہتا ہے، اس لئے اسناد انتہا پسندی کے حوالے سے صبر کی بہت اہمیت ہے، اسی لئے اسلام نے اس کی بھی تلقین کی ہے، قرآن حکیم میں صبر کے بہت سے فضائل اور اس کی اہمیت بیان ہوئی ہے۔ صبر کو اولو العزم پیغمبروں کا طریقہ بتایا گیا ہے (۱۴۶) صبر پر اعلیٰ ترین کامیابیوں کی بشارت ہے (۱۴۷) صبر قیادت عالم کا زینہ ہے۔ (۱۴۸) صبر حفاظت کا یقینی ذریعہ ہے (۱۴۹) حتیٰ کہ صبر وہ چیز ہے جو آدمی کو بے حساب اجر کا مستحق بناتی ہے۔ (۱۵۰)

حدیث میں آتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱۴۳) ابن حبان / ج ۷، ص ۴۱، رقم ۸۰۲ دارمی، عبد اللہ بن عبد الرحمن، ابو محمد (م ۲۵۵ھ) / السنن / بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ / ج ۱، ص ۴۴۰، رقم ۱۵۵۷ عبد الرزاق / ج ۳، ص ۱۸۷، رقم ۵۲۵۶

(۱۴۴) قرطبی، محمد بن احمد بن ابی بکر، ابو عبد اللہ (م ۶۷۱ھ) / التفسیر قرطبی / قاہرہ، دار الشعب، ۱۳۷۲ھ / ج ۵، ص ۴۴۳ (۱۴۵) قرطبی / ج ۲، ص ۱۵۴ (۱۴۶) الاحقاف: ۳۵ (۱۴۷) الاعراف: ۱۳۷ (۱۴۸) السجدة: ۲۴ (۱۴۹) یوسف: ۹۰ (۱۵۰) الزمر: ۱۰

ما رزق عبدا خیراً له ولا اوسع من الصبر (۱۵۱)
 کسی شخص کو صبر سے بہتر اور صبر سے بڑا عطیہ نہیں دیا گیا۔
 حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے:
 وجدنا خیر عیشنا بالصبر (۱۵۲)
 ہم نے اپنی زندگی کا سب سے بہتر صبر کے ذریعے پایا۔
 ابن حجر عسقلانی نے صبر کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:
 فالصبر جامع لمکارم الاخلاق (۱۵۳)
 صبر تمام اچھے اخلاق کا جامع ہے۔

۱۳۔ رحم کی تلقین

اسلام انسانیت کا درس دیتے ہوئے رحم کی بھی تلقین کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا:
 لا تدخلوا الجنة حتی تراحموا قالوا یا رسول اللہ ﷺ کلنا
 رحیم، قال انه لیس برحمة احدکم صاحبہ ولكن رحمة
 العامة رحمة العامة (۱۵۴)
 تم ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک تم نہ کرو۔ لوگوں نے کہا کہ اے اللہ
 کے رسول! ہم میں سے ہر شخص رحم کرنے والا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس
 کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم اپنے ساتھی پر مہربانی کرو، بلکہ اس سے مراد تمام
 لوگوں اور تمام انسانوں کے ساتھ رحم کرنا ہے۔

۱۴۔ نرمی کی تاکید

مومن کی پہچان یہ ہے کہ وہ نرم دل ہوتا ہے، نرمی اور لطافت سے بھر دال مومن کی متاع

(۱۵۱) ابن حبان، ج ۸، ص ۱۹۲، رقم ۳۳۹۹، مستدرک، ج ۲، ص ۴۴۹، رقم ۳۵۵۲

(۱۵۲) بخاری، ج ۵، ص ۲۳۷۵، باب السیر عن محارم اللہ (۱۵۳) فتح الباری، ج ۱۱، ص ۳۶۸

(۱۵۴) مستدرک، ج ۴، ص ۱۸۵، رقم ۷۳۱۰، ابن عبد بن السری الکونی م (۲۴۳) الترمذی، کویت، دار

الخطباء، للکتاب الاسلامی، ۱۴۰۶ھ / ج ۲، ص ۶۱۶، رقم ۱۳۲۵

آج کے زندہ مسائل

عزیز حاضر میں مذہبی انسائپسند کی

بھی ہے اور اس کا شعرا بھی ہے، جب کہ انتہا پسندانہ جذبات شقاوت قلبی کی نشاندہی کرتے ہیں، اسی لئے اسلام جا بجا نرمی اور نرم دلی کی تلقین کرتا ہوا نظر آتا ہے، ایک روایت میں نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

ان الله رفيق يحب الرفق في الامر كله (۱۵۵)

اللہ نرم ہے اور ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

ان الله رفيق يحب الرفق ويعطي على الرفق ما لا يعطي على

العنف وما لا يعطي على ما سواه (۱۵۶)

اللہ نرم ہے اور نرمی کو پسند کرتا ہے، وہ نرمی پر وہ چیز دیتا ہے جو سختی پر نہیں

دیتا اور نہ کسی دوسری چیز پر۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

من يحرم الرفق يحرم الخير كله (۱۵۷)

جو شخص نرمی سے محروم ہو وہ تمام بھلائیوں سے محروم ہو جائے گا۔

۱۵۔ آسانی کرنے کا حکم

انتہا پسندانہ جذبات شدت اور یک طرفہ خیالات سے پھوٹتے ہیں، جس میں آسانی اور سہولت کا کہیں گزر نہیں ہو سکتا، جب کہ اس سے برعکس اسلام سہولت اور آسانی پیدا کرنے کا حکم دیتا ہے، قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۖ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۖ

سو بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے، بے شک ہر تنگی کے ساتھ

(۱۵۵) بخاری/ ج ۶ ص ۲۵۳۹، رقم ۶۵۲۸، ابن حبان/ ج ۲ ص ۳۰۹، رقم ۵۳۹

(۱۵۶) مسلم/ ج ۴ ص ۱۸۳، رقم ۲۵۹۳، السنائی/ ج ۴ ص ۴۰۳، رقم ۷۷۰۲، ابن عبد بن حیدر ابو محمد

(م ۲۴۹) / المسند/ قاہرہ، مکتبۃ السنۃ ۱۹۸۸ء / ص ۱۸۱، رقم ۵۰۴

(۱۵۷) ابوداؤد/ ج ۴ ص ۲۷۴، رقم ۸۸۰۹

فراخی ہے۔ (۱۵۸)

اور ہادی برحق ﷺ نے فرمایا:

فانما بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسرين (۱۵۹)

کیونکہ تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، تم مشکل پیدا کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔

۱۶۔ تفرقے سے بچنے کی تاکید

انتہا پسندانہ خیالات خواہ کسی بھی نوعیت کے ہوں وہ افتراق و انتشار کو جنم دیتے ہیں، جو اسلام کی ضد ہے، اسلام تو اتحاد و اتفاق کی تلقین کرتا ہے، اور انتشار اور افتراق کی مذمت، قرآن حکیم میں فرمایا:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفریق پیدا نہ کرو۔ (۱۶۰)

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ تین باتوں سے خوش ہوتا ہے اور تین باتوں سے ناخوش، جن تین باتوں سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے وہ یہ ہیں، ۱۔ اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، ۲۔ سب مل کر اس کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ ڈالو، ۳۔ اپنے حاکموں کی خیر خواہی کرو۔

جن تین چیزوں سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہوتا ہے وہ یہ ہیں، ۱۔ فضول بات چیت اور بحث و مباحثہ، ۲۔ بلا ضرورت کسی سے سوال کرنا، ۳۔ مال کی بربادی۔ (۱۶۱)

(۱۵۸) الانشراح: ۵، (۱۵۹) بخاری: ج ۱، ص ۸۹، رقم ۲۱۷، ابن خزیمہ، محمد بن اسحاق السلی (م ۳۱۱ھ)۔

الصیح: بیروت، المکتب الاسلامی، ۱۹۷۰ء، ج ۱، ص ۱۵۰، رقم ۲۹۶

(۱۶۰) آل عمران: ۱۰۳، (۱۶۱) ابن کثیر، التفسیر: ج ۱، ص ۳۸۹

۷۔ فتنوں کا خاتمہ کرنا

اسلام کا بنیادی مقصد امن و امان کا قیام اور معاشرے کو مثبت سمت میں قائم اور رواں دواں رکھنا ہے، اسی غرض سے وہ فتنوں کے خاتمے کا بھی خواہاں ہے، اور یہ بدیہی امر ہے کہ انتہا پسندی بہ ہمد و جود ایک طرح کا فتنہ ہی ہے، اسلام اس معاملے میں اس قدر حساس ہے کہ وہ اس غرض سے جہاد جیسے انتہائی اقدام کو بھی لازم قرار دیتا ہے، قرآن حکیم میں ارشاد باری ہے:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً

اور تم ان (مشرکین، مفسدین) سے لڑو، حتیٰ کہ فتنہ ختم ہو جائے۔ (۱۶۲)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الفتنة نائمة لعن الله من ايقظها (۱۶۳)

فتنہ سویا ہوا ہے، اس شخص پر اللہ کی لعنت ہو، جو اسے جگائے۔

اختتام

اوپر ذکر ہونے والے مباحث اس امر کی وضاحت کے لئے کافی ہیں کہ انتہا پسندی کے سلسلے میں اسلام اور مغرب کے خیالات میں واضح تفاوت ہے۔ اور جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اس کے پاس شدت پسندی یا انتہا پسندی کا کوئی تصور نہیں، اس کی تعلیمات ہمہ جہت بھی ہیں اور اعتدال پسندانہ بھی، نیز بنیاد پرستی اور شدت پسندی وغیرہ اصطلاحات مغرب کی وضع کردہ ہیں جن سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح فہم دین عطا فرمائے (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

www.KitaboSunnat.com

(۱۶۲) البقرہ: ۱۹۳

(۱۶۳) سرخسی، محمد بن ابی سہیل، ابوبکر المسیوطی، بیروت، دار المعرفہ، ۱۴۰۶ھ، ج ۱۰، ص ۱۲۳، رقم ۵۰۳

استاد محمد علی صابونی کی معروف کتاب
التبیان فی علوم القرآن

اردو ترجمہ مولانا محمد ابراہیم فیضی

پیش لفظ: حافظ سید فضل الرحمن تعارف: مولانا قاری محمد حنیف جالندھری

سلیس اور بامحاورہ ترجمہ۔ جس کے بعد شرح کی ضرورت
باقی نہیں رہتی

خطبات محرم

سید عزیز الرحمن

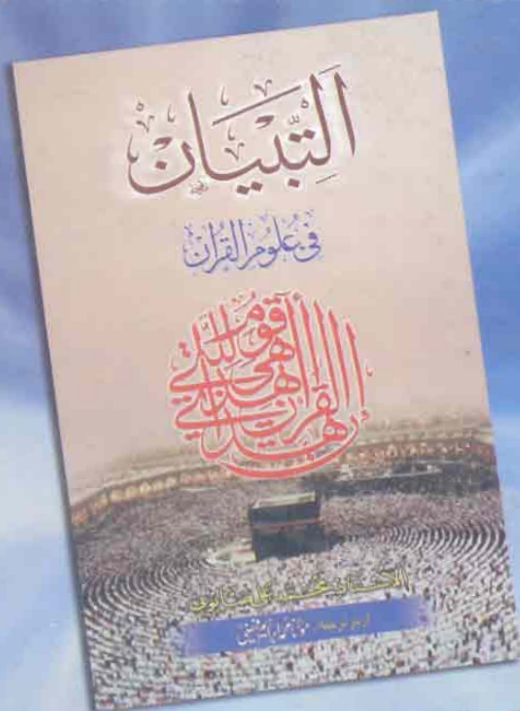
عنوانات

توحید، رسالت، عقیدہ آخرت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، مقام
شہادت، اسلام میں شہادت کا تسلسل، شہادت حسین رضی اللہ عنہ

عنقریب شائع ہو رہی ہے

0300-2257355

14248



الاستاذ محمد علی صابونی

اردو ترجمہ: مولانا محمد ابراہیم منشی

پیش لفظ: حافظ سید فضل الرحمن

تعارف: مولانا قاری محمد حنیف جالندھری

سلیس اور بامحاورہ اردو ترجمہ۔ جس کے بعد شرح کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

